تذکرہ شہید رحمۃ اللہ

محمد خالد سیف

یعنی

برِ صغیر پاک و ہند کی اسلامی تاریخ کے عظیم جرنیل
حضرت امام محمد اسمٰعیل شہیدؒ کی حیاتِ مبارکہ، تعلیم و تربیت
دعوت و تبلیغ، تصنیف و تالیف، جہاد فی سبیل اللہ، معاندینِ
اہلِ بدعت کے اعتراضات اور ان کے جوابات اور سیرت و
سوانح سے متعلق دیگر امور پر مشتمل ایک نہایت شگفتہ و
شاداب تذکرہ!

"تذکرۂ شہیدؒ" میں اس یگانۂ روزگار اور نابغۂ عصر کے سوانح و حالات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے جن کو تاریخ کے اوراق میں مولانا شہیدؒ کے نام نامی سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کتاب کا دراصل موضوع یہ ہے کہ حضرت شہیدؒ کی عظمتِ فکر و عمل کو قارئین کرام کے سامنے پیش کیا جائے اور بتایا جائے کہ تاریخ کی نظر میں اس گرامی قدر شخصیت کا مقام کتنا اونچا ہے، اسلام سے اس کی وابستگی کس درجہ استوار ہے، اللہ کا عشق کس طرح انکی رگ رگ میں جاری و ساری ہے توحید کے انوار و تجلیات اس پر کس درجہ واضح ہیں، علم و ادراک کے دریچے اس کے سامنے کس طرح وا ہیں اور اس کے جذبۂ عشق و وفا اور حمیت و غیرتِ دین نے کیونکر نجابتِ خون غازیان کی روایتِ پارینہ کو زندہ رکھا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ فاضل مصنف نے حضرت شہیدؒ کی شخصیت کے بارے میں اُن تمام گوشوں کو اجاگر کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا، جو ایک عرصے سے عنوانِ تلاش بنے ہوئے تھے۔

مولانا محمد حنیف ندوی

تذکرۂ شہید

محمد خالد سیف

مکتبہ غزنویہ
۴ شیش محل روڈ، لاہور

جملہ حقوق محفوظ ہیں

تاریخ اشاعت : مئی ۱۹۸۳ء
اہتمام : محمد سرور طارق
کتابت : احسان الحق، محمد عاشق حسین، زیدی
طباعت : کمرشل نیوز پرنٹنگ پریس، فیصل آباد
قیمت : ۳۶ روپے

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
باب اوّل ـــــ خاندان	۱۷	تعلیم و تربیت	۵۹
شیخ شمس الدین مفتیؒ	۱۸	غیر مستند روایات	۶۵
شیخ کمال الدین مفتیؒ	۱۹	نکاح	۶۶
شیخ قطب الدین مفتیؒ	//	اولاد	//
قاضی بدھاؒ	۲۰	حضرت سید احمدؒ کا آغاز بیعت	۶۸
شیخ محمودؒ	//	سید صاحبؒ سے بیعت	۷۳
شیخ احمدؒ	//	تدریس	۷۳
شیخ معظمؒ	۲۱	تلامذہ	۷۴
شیخ وجیہہ الدینؒ	۲۳	باب سوم ـــــ دعوت و تبلیغ	۹۴
شاہ عبدالرحیمؒ	۲۴	طوائف کو وعظ	۹۸
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	۲۷	ایک مخنث کی توبہ	۱۰۰
شاہ محمد بن ولی اللہؒ	۴۱	دربارِ اکبر میں وعظ	۱۰۱
شاہ عبدالعزیزؒ	//	کلکتہ میں وعظ	۱۰۳
شاہ رفیع الدینؒ	۴۸	شیعہ حضرات کو وعظ	//
شاہ عبدالقادرؒ	۵۱	شہزادی کو تبلیغ	۱۰۶
شاہ عبدالغنیؒ	۵۴	مجمعوں اور میلوں میں تبلیغ	۱۰۷
نقشہ شجرۂ نسب	۵۷	مخالفت	۱۰۸
باب دوم ـــــ امام محمد اسمٰعیل شہیدؒ	۵۸	اندازِ بیان اور	۱۱۱
ولادت باسعادت	۵۹	چند اصلاحی کارنامے	//

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
تطہیرِ مسجد	۱۱۲	بیعت امامت جہاد	۱۶۷
نکاحِ بیوگان	〃	جنگ شیدو	۱۶۸
اصلاحِ عقائدِ شیعہ	۱۱۵	ہزارہ میں تنظیمی سرگرمیاں	۱۶۹
ایک دلچسپ واقعہ	۱۱۸	عبورِ دریا	۱۷۱
باب چہارم ——— سفرِ حج	۱۲۱	ایک اور پریشانی	۱۷۳
پس منظر	〃	معرکہ ڈمگلہ	۱۷۶
امام صاحبؒ کی تردید	۱۲۲	جنگِ شنکیاری	۱۷۸
شاہ عبدالعزیزؒ کا فیصلہ	〃	جنگِ اوتمان	۱۸۰
والدۂ ماجدہ کا سفرِ آخرت	۱۲۷	بیعتِ شریعت	۱۸۳
ادائے حج	۱۲۸	جنگِ پنجتار	۱۹۰
مراجعتِ وطن	۱۲۹	تنگی پر شبخون	۱۹۲
قصیدہ	〃	تسخیرِ قلعہ ہنڈ	۱۹۴
باب پنجم ——— جہاد	۱۳۰	جنگ زیدہ	۱۹۸
جہاد کے معنی	۱۳۱	امب اور عشرہ کے معرکے	۲۰۱
مسلمانوں کی حالت	۱۳۷	امب میں قیام	۲۰۷
اعتراضات	۱۳۹	جنگِ مردان	۲۱۱
کس کے خلاف جہاد	۱۴۰	جنگ مایار	۲۱۳
سید صاحبؒ کا موقف	۱۵۱	مردان کی طرف روانگی	〃
حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا فتویٰ	۱۵۸	سردارانِ پشاور کا پیغام	۲۱۶
دعوتِ جہاد	۱۶۱	سازش	۲۱۷
روانگی	۱۶۲	جنگِ بالاکوٹ	۲۱۸
جنگ اکوڑہ	۱۶۴	سفرِ بالاکوٹ	۲۱۹

مضمون	صفحہ
دینی مصروفیات	۲۲۰
تجویز شبخون	〃
جذبۂ تبلیغ	۲۲۱
بالاکوٹ	۲۲۲
لشکر گاہیں	۲۲۳
جنگ	〃
شہادت کیسے ہوئی ؟	۲۲۵
شہادت کہاں ہوئی ؟	۲۲۶
مدفن	۲۲۷
بابِ ششم ـــــ تصنیفات	۲۲۹
رد الاشراک	۲۳۱
تقویۃ الایمان	۲۳۲
سید بغدادی کے اعتراضات	۲۳۵
مولانا فضل حق کے اعتراضات	۲۳۶
〃 〃 〃 کا رجوع	۲۳۹
مولوی جمال الدین کی مخالفت	۲۴۰
مولوی فضل رسول بدایونی	۲۴۲
مولوی احمد رضا خاں	۲۴۳
مولوی نعیم مرادآبادی	〃
دوسرا رُخ	۲۴۵
مفتی صدر الدینؒ	۲۴۶
مفتی سعد اللہ صاحب	۲۴۷
حضرت میاں صاحبؒ	۲۴۷
مولانا گنگوہیؒ	۲۴۸
مولانا محمود الحسنؒ	۲۴۹
علامہ سید سلیمان ندویؒ	〃
مولانا سندھیؒ	۲۵۰
تقویت الایمان کی شروح	۲۵۲
〃 〃 کا ادبی پہلو	۲۵۳
〃 〃 کے نسخے	۲۵۶
تذکیر الاخوان	۲۵۸
صراط المستقیم	۲۵۹
عبقات	۲۶۱
اصولِ فقہ	۲۶۴
یک روزہ	〃
رسالہ در علم منطق	۲۶۵
منصب امامت	〃
ایضاح الحق	۲۶۸
تنقید الجواب	۲۶۹
تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین	۲۷۰
حقیقتِ تصوف	۲۷۲
کلام شاہ اسمٰعیل شہیدؒ	〃
رسالہ بے نمازاں	۲۷۴
بابِ ہفتم ـــــ اعتراضات اور انکی حقیقت	۲۷۶

مضمون	صفحہ
پہلا اعتراض	۲۷۷
دوسرا اعتراض	۲۸۱
تیسرا اعتراض	۲۸۳
چوتھا اعتراض	۲۸۶
پانچواں اعتراض	۲۹۲
چھٹا اعتراض	۲۹۷
ساتواں اعتراض	۳۰۱
آٹھواں اعتراض	۳۰۴
باب ہشتم سیرت کی چند جھلکیاں	۳۰۸
علم و فضل	۳۰۹
سادگی	۳۱۰
حق گوئی	۳۱۱
زہد و تقوی	۳۱۲
رفقاء کا احساس	۳۱۳
شجاعت	〃
اسوۂ صحابہ	۳۱۴
مردم شناسی	۳۱۵
حقانی ربانی بزرگ	〃
برجستگی	〃
باب نہم گلہائے رنگ رنگ	۳۱۷
حواشی و تعلیقات	۳۲۴
مراجع و مآخذ	۳۸۱

"اگر مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ کے بعد ان کے مرتبہ کا ایک مولوی بھی پیدا ہو جاتا، تو آج ہندوستان کے مسلمان ایسی ذلت کی زندگی نہ گذارتے۔"

(حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ)

"شاہ اسمٰعیلؒ اپنے کمالات کے باعث ربِ ذوالجلال کی قدرت کا ایک نمونہ تھے۔"

(اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ ص ۷۵۲، مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور)

"مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے اپنی (عربی) کتاب ردّ الاشراک کا "تقویۃ الایمان" کے نام سے کیا۔ یہ کتاب اگر پانچ سو برس پہلے لکھی جاتی، تو ہندوستانی مسلمان دنیا کے مسلمانوں سے بہت آگے بڑھ جاتا۔"

"اسلام کے اظہار سے پہلے میں نے شاہ صاحبؒ کی "تقویۃ الایمان" پڑھی تھی، چنانچہ ردِّ شرک کے متعلق مجھے اس سے بڑا فائدہ پہنچا، بلکہ ایک لحاظ سے یہ کتاب مجھے اسلام میں لانے کا ذریعہ بنی۔ غرضیکہ امام محمد اسمٰعیلؒ میرے استاد اور امام ہیں اور مجھے ان سے بہت محبت ہے، ایسی محبت جس طرح لوگ اپنے مذاہب کے ائمہ سے کرتے ہیں۔"

(شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص) مولانا عبیداللہ سندھیؒ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مفکر اسلام مولانا محمد حنیف ندوی کے قلم سے

مُقدمہ

اسلامی ہندوستان میں تحریک احیائے اسلام کی نشاط آفرینیوں کو اگر کسی مرکز و سرچشمہ کا کرشمہ قرار دیا جا سکتا ہے، تو اس کا دوسرا نام خاندان ولی اللّٰہی ہے۔ اس خاندان کا ہر فرد اصلاح و تجدید کے افق پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکا ہے۔ علم و بصیرت — اور ذوق و اجتہاد سے سرشار یہی وہ گھرانہ ہے جس کے فیوض و برکات سے آج بھی اذہان و قلوب تابندہ و روشن ہیں اور آئندہ بھی جب کوئی قدم فکری و عملی نوعیت کا اسلام کی سربلندی کے لیے اٹھے گا، تو ضرور ہے کہ وہ انہی خطوط کی روشنی میں اٹھے، جنکی نشاندہی ان بزرگوں نے اپنے علم و کردار سے کی ہے۔

عزیزم مولانا محمد خالد سیف ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس قافلۂ عشق و وفا کی تمام سرگرمیوں کو ایک سلک میں پرو دیا ہے اور خاص سلیقے اور سلجھاؤ سے اس تمام مواد کو اپنی تصنیف "تذکرۂ شہیدؒ" کے دامن میں سمیٹ لینے میں کامیابی حاصل کی ہے، جو مختلف متون و کتب میں بکھرا پڑا تھا، بلکہ اس کے ساتھ اس یگانۂ روزگار اور اس نابغۂ عصر کے سوانح و حالات پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ جن کو تاریخ کے اوراق میں مولانا شہیدؒ کے نامِ نامی سے یاد کیا جاتا ہے اور یہی دراصل اس کتاب کا موضوع بھی ہے کہ حضرت شہیدؒ کی عظمتِ فکر و عمل کو قارئین کرام کے سامنے پیش کیا جائے اور بتایا جائے کہ جس شخص کے خلاف عناد و مخالفت کے طوفان اٹھائے گئے، جس کو کفر و الحاد کا ہدف قرار دیا گیا جس کے عقائد و افکار پر بحث و مناظرہ کی مجالس آراستہ کی گئیں اور جس سے متعلق عوام میں ناحق یہ تاثر پھیلایا گیا کہ اس نے اپنی تصنیفات میں ملحدانہ

شوخیوں کا اظہار کیا ہے۔ تاریخ کی نظر میں اس گرامی قدر شخصیت کا مقام کتنا اونچا ہے، اسلام سے اس کی وابستگی کس درجہ استوار ہے۔ اللہ کا عشق کس طرح اس کی رگ رگ میں جاری و ساری ہے۔ توحید کے انوار و تجلیات اس پر کس درجہ واضح ہیں۔ علم و ادراک کے دریچے اس کے سامنے کس طرح وا ہیں، اور اس کے جذبۂ عشق و وفا اور حمیّت و غیرت۔ دین نے کیونکر "بخاک و خون غلطیدن" کی روایتِ پارینہ کو زندہ رکھا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ فاضل مصنّف نے حضرت شہیدؒ کی شخصیت کے بارے میں ان تمام گوشوں کو اجاگر کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا، جو ایک عرصے سے استخوانِ نزاع بنے ہوئے تھے۔

"فرزندانِ توحید" یا "فرزندِ توحید" کی ترکیب ہمیشہ ہمارے ذہن و فکر کے لیے اُلجھن کا باعث رہی۔ ہم نے جب بھی اس پر غور کیا، اس میں اور نظریۂ توحید میں ایک طرح کا تضاد محسوس کیا، کیونکہ جو ذاتِ صمدیت صفات خود شان "لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ" سے اتّصاف پذیر ہے، وہ بھلا صفتِ توحید میں فرزند کے تصور کو کب برداشت کر سکے گی؟ لیکن حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے سیاق میں جب اس ترکیب پر غور کیا، تو یہ عقدہ کُھلا کہ اگر ہم ایک لفظ سے حضرت الامامؒ کی بھرپور شخصیت کی شگفتہ اور رواں دواں انداز میں تصویر کھینچ سکتے ہیں، تو وہ یہی لفظ "فرزندِ توحید" ہے۔ ترکیب کے ظاہری اور لفظی اطلاق سے قطع نظر اگر معاملہ مجاز و تشبیہ کا ہے اور ادب و محاورہ کی دنیا میں اس کی پوری پوری گنجائش پائی جاتی ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ مولانا شہیدؒ کے قلب و ذہن کی نگرانی میں اپنے کردار و عمل کی تابانیوں اور اللہ تعالیٰ سے ان کی والہانہ محبّت و سرمستی میں براہِ راست نظریۂ توحید کی فیضرسانی کا دخل ہے، گویا خود توحید نے ان کو پالا پوسا اور پروان چڑھایا۔ توحید نے ہی ان کی تربیت کی اور توحید ہی نے ان کے ذہن و فکر اور کردار و عمل کے سانچوں کو ڈھالا ہے۔

اس مجاز میں توحید کا یہ پہلو نکھر کر سامنے آیا کہ یہ عقیدہ کہ خدا تعالیٰ ایک ہے صرف ریاضیاتی سچائی نہیں، بلکہ بجائے خود ایسی روشنی، ایسا نور، ایسی قوّت، اور قوّتِ محرّکہ ہے جو انسانی زندگی کو یکسر بدل کر رکھ دیتی ہے۔

توحید اور "فرزندِ توحید" کی اس وضاحت کے بعد حضرت شہیدؒ کی تمام علمی و عملی زندگی کا جائزہ لیجیے۔ آپ کو ان سب میں یہی روح، یہی جذبہ اور یہی روشنی کارفرما نظر آئے گی اور آپ دیکھیں گے کہ "تقویۃ الایمان" "ردّ الاشراک" "صراطِ مستقیم" اور بالاکوٹ کی معرکہ آرائیوں کے ڈانڈے اسی اصول سے ملے ہوئے ہیں۔ یہی جذبۂ توحید تھا جس نے آپ کو مجبور کیا کہ لومۃ لائم کی پرواہ کیے بغیر شرک و بدعات کے قلعوں پر حملہ آور ہوں۔ یہ بھی توحید ہی کی کارفرمائی تھی کہ ان کو سکھوں کے خلاف صف آرا ہونا پڑا۔ یوں بھی اسلامی نقطۂ نظر سے توحید ہی اصلاح و تجدید کی وہ پہلی اینٹ ہے جس پر اصلاح و تجدید کے غرفے تعمیر کیے جا سکتے ہیں۔ اس لیے اگر انہوں نے اس مسئلہ پر خصوصیت سے توجہ فرمائی ہے تو ان کا یہ اندازِ فکر عین اس خواب کی تعمیر کے مطابق ہے، جو شاہ ولی اللہؒ کی چشمِ بصیرت نے اصلاح و تجدید کے سلسلہ میں دیکھا تھا۔

قارئین کرام اور اصل کتاب کے درمیان ہم زیادہ دیر تک حائل رہنا نہیں چاہتے، بس صرف دو باتیں کہہ کر مقدمہ نگاری کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو جانا چاہتے ہیں۔ ان میں سے ایک کا تعلّق مسئلہ امکانِ نظیر سے ہے، جس کا ایک عرصہ تک علم و فن کے حلقوں میں چرچا رہا۔ مولانا خیرآبادی نے خصوصیت سے جس کو ہوا دی اور پورے زور کے ساتھ اس کی تردید میں عقل و خرد کے خزف ریزوں کو بنا سنوار کر پیش کیا۔ آخر آخر ان کو اپنے اس طرزِ عمل پر افسوس بھی ہوا، لیکن اس سے کیا ہوتا ہے؟ تیر کمان سے نکل چکا تھا اور وہ جن مغالطات کو پھیلا چکے تھے، اہلِ بدعت کے دائروں میں سند کی حیثیت سے مقبول ہو چکے تھے۔ دوسری چیز جس کی طرف ہم توجہ دلانا چاہتے ہیں، وہ ان کی مشہور کتاب "عبقات" کی اہمیت ہے۔

جہاں تک امکانِ نظیر کے مسئلہ کا تعلق ہے، یہ صرف اتنی سی بات تھی کہ مولانا ، جو توحید کی سرمستیوں سے سرشار تھے اور امکان کے کسی گوشہ میں بھی اللہ تعالیٰ کو عاجز ماننے کے لیے تیار نہیں تھے، غیر منطقی اسلوب میں اللہ تعالیٰ کے دائرۂ قدرت کی بے پناہیوں کو بیان کرنا چاہتے تھے اور وہ بھی صرف تکوین و آفرینش کی حد تک۔ ان کے نزدیک یہ مسئلہ سراسر حدودِ عشق میں شمار ہونے کے لائق تھا۔ منطق یا فلسفہ کی موشگافیوں سے نہ صرف

اسے کوئی سروکار نہ تھا، بلکہ انہیں اندیشہ تھا کہ اس کو اگر منطق کی اصطلاحوں میں بیان کیا گیا، تو یہ ایمان وذوق کی اس لطافت کو کھو بیٹھے گا جو اظہار کے اس پیرایۂ بیان سے جھلک رہی ہے۔ مولانا خیرآبادی چونکہ ذوقِ توحید کی فراوانیوں سے ناآشنا تھے، اس لیے خواہ مخواہ اس کو گھسیٹ کر منطق و کلام کے دائرہ میں لے آئے۔

دوسری زیادتی اس بارے میں یہ ہوئی کہ اس کے ڈانڈے اس سوال سے ملا دیئے گئے کہ کیا اللہ تعالیٰ محالات پر قادر ہے یا نہیں؟ حالانکہ یہاں استحالہ کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ سوال ایک امرِ تکوینی کے بارے میں تھا جس میں امکان پہلے سے مقدر تھا۔

تیسری غلطی جس کا جان بوجھ کر ارتکاب کیا گیا، وہ اس تاثر کو پھیلانا تھا کہ گویا مولانا شہیدؒ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دائروں کو محالات تک وسعت پذیر مانتے ہیں، حالانکہ معمولی ذہن کا انسان بھی جانتا ہے کہ قدرت محالات سے متعرض ہی نہیں ہوتی، چہ جائیکہ اس کے بعد امکان کذب وغیرہ کی لغو بحثوں کو چھیڑا اور طول دیا جائے۔

"عبقات" مولانا شہیدؒ کا وہ علمی و فکری شاہکار ہے جس کے متعلق نہایت اعتناء کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں ہمیں علم و معرفت کے ایسے انمول موتی اور خزائنِ مخفی نظر آتے ہیں کہ جن کو اگر تفصیل سے بیان کیا جائے، تو کلام، تصوّف اور کائنات سے متعلق متعدد غوامض کا حل نکل آئے۔ اس میں خصوصیّت سے تجلّی کی بحث ایسی ہے کہ جس سے نہ صرف خالق و مخلوق کے مابین استوار رشتوں کی تشریح ہوتی ہے، بلکہ ایک خاص انداز میں سیماطلوجیا (SEMATOLAGY) کی بنیادوں کا بھی پتہ چلتا ہے، جس کا موضوعِ بحث فلسفہ لسانیات میں یہ اہم سوال ہے کہ لفظ و معنی میں ربط و تعلق کا اسلوب کیا ہے؟ یعنی الفاظ کس حد تک معانی کے حقائق کی تجلیات کا تحمّل رکھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہمیں صرف یہ کہنا ہے کہ اہلِ حدیث کے نوجوان علماء خدارا خصوصیت سے ادھر متوجہ ہوں اور مولانا شہیدؒ کی علمی و فکری عظمتوں کو منظرِ عام پر لائیں اور دنیا کو بتائیں کہ وہ شخص جس نے اپنے خون سے اسلام کے دبستان کو سینچنے کی سعادت حاصل کی۔ اس نے اپنے کمالِ علم سے فکر و ادراک کی بلندیوں کو بھی چھونے میں کسی دون ہمتی کا ثبوت نہیں دیا۔

ادارۂ اسلامیہ ثقافت لاہور

محمد حنیف ندوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ مؤلف

میری یہ خواہش تھی کہ ”تذکرۂ شہید“ کی یہ ابتدائی سطور دریائے کنہار کے کسی ایسے کنارے پر بیٹھ کر رقم کرتا، جہاں مجاہدین نے اپنے گھوڑوں کو پانی پلایا تھا یا سرزمین بالاکوٹ میں کسی ایسے پتھر پر بیٹھ کر سپردِ قلم کرتا جس کے ساتھ کسی مجاہد نے اپنے گھوڑے کو باندھا تھا لیکن یہ گناہگار شاید ابھی تک اس وادیٔ مقدس میں حاضری کے قابل نہیں، جسے پاکباز مجاہدین نے اپنے گرم گرم خون سے لالہ زار بنا دیا تھا۔

اب جب کہ یہ سطور لکھ رہا ہوں، دل و دماغ کی کچھ عجب سی کیفیت ہے، جسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں بس یوں سمجھیے کہ برِّصغیر پاک و ہند کی تاریخ کے صفحات ذہن کے پردۂ سکرین پر الٹتے پلٹتے جا رہے ہیں صفحات کیا بلکہ خود عظیم بادشاہوں، بہترین مفکّروں، دانشوروں، بہادروں، دین کے عالموں، دنیا کے زاہدوں اور جرنیلوں کو ان کے اہلِ قافلہ سمیت برِّصغیر پاک و ہند کے وسیع و عریض سٹیج پر ابھرتے اور ڈوبتے دیکھ رہا ہوں اور ——— دیکھتا ہوں کہ اس مردم خیز خطّۂ سرزمین میں جنم لینے والے سید احمد شہیدؒ اور عارف باللہ، مجاہد فی سبیل اللہ حضرت امام محمد اسمٰعیل شہیدؒ اور ان کے جیالے غازیوں اور بہادر شہیدوں کا قافلہ ہی ایک ایسا مقدس قافلہ ہے جو ایمان، اخلاص، علم، عمل، جہاد، ایثار، شجاعت، تحمّل آلام و مصائب اور اتباع

سنت میں حضرات صحابہ کرام —— رضوان اللہ علیہم اجمعین —— سے حد درجہ مشابہت رکھتا ہے۔ جیسے حضرات صحابہ کرامؓ اپنے قدوسی نفوس، پاک ارواح اور آئینہ سے بڑھ کر شفاف دلوں کی بدولت یوں محسوس ہوتے تھے کہ یہ تو فرشتے تھے جو انسانی پیکر میں جلوہ گر ہوگئے ہیں یا سرورِ دنیا و دیں رحمۃ للعالمین، مولائے کل، دانائے سبل ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک صحبت و انقلاب آفریں رفاقت کی برکت سے یہ انسان فرشتوں کے روپ میں ڈھل گئے ہیں، اسی طرح بالاکوٹ کے سرفروش مجاہدوں کو دیکھ کر بھی محسوس یوں ہوتا ہے کہ شاید اس پاکباز قافلے سے کچھ لوگ کہیں بچھڑ گئے تھے جنہیں ربِ کائنات نے دنیا کو ایک بار پھر —— انی اعلم مالا تعلمون —— کا منظر دکھانے کے لیے سیدین شہیدینؒ کی قیادت میں جمع فرما دیا تھا۔

اللہ اللہ! یہ کیا گوہرِ شب چراغ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے تڑپ احیائے دین، اعلاءِ کلمۃ اللہ، احیائے سنت سید المرسلین اور امحائے بدعت ہی کے لیے پیدا فرمایا تھا اور پھر باطل کی تردید کے لیے انہیں شمشیرِ براں سے بڑھ کر تیز زبان، حق کی حمایت کے لیے پہاڑوں جیسا مضبوط دل، برقِ تپاں سے بڑھ کر تیز قوتِ فراست، سیلِ جرار جیسے پیہم عمل اور عزمِ صمیم کی سرفرازیوں سے شاد کام کیا تھا۔ دشمن کے مقابلہ میں انتہائی سخت تھے تو آپس میں انتہائی رحمدل اور اقبالؒ کے اس شعر ؎

مصافِ زندگی میں سیرتِ فولاد پیدا کر
شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا!

کی مکمل تصویر۔

”تذکرۂ شہیدؒ“ اسی مقدس قافلہ کے سیرت و کردار کی ایک ادنیٰ سی جھلک ہے جس میں بالخصوص اس قافلہ کے سرخیل و جرنیل حضرت امام محمد اسمٰعیل شہیدؒ کی حیاتِ مبارکہ، تعلیم و تربیت، دعوت و تبلیغ، تصنیف و تالیف، جہاد فی سبیل اللہ، معاندینِ اہلِ بدعت کے اعتراضات و افتراآت اور ان کے جوابات

اور سیرت و سوانح سے متعلق دیگر امور کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے ، اس تذکرہ کے مطالعہ سے کسی کے دل میں زندگی کی کوئی رمق پیدا ہوگئی ، کسی کی آنکھ میں بینائی کی کوئی چمک پیدا ہوگئی ، کسی کی رگوں میں وہ خون جوش مارنے لگ گیا جو راہِ خدا میں بہنے کے لیے بیقرار ہوتا ہے ، کسی کا سینہ جوشِ جہاد سے سرشار ہوگیا ، کوئی قدم اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور کوئی کارواں منزلِ عشق کی طرف رواں دواں ہوگیا تو میں سمجھوں گا کہ مجھے میری محنت کا صلہ مل گیا ۔ ورنہ ع

نہ ستائش کی تمنا ، نہ صلہ کی پرواہ

کیونکہ علمی و تحقیقی کام جد و جہد سے تعبیر ہے ، تو یہ بجائے خود ستائش و صلہ بھی ہے ، محنت ہے تو اعزاز بھی ، تشنگی ہے تو تسکین بھی ، بھوک ہے تو غذا بھی !

حضرت امام محمد اسمٰعیل شہیدؒ کی شخصیت اور آپ کے افکار و آراء اگرچہ متنازعہ فیہ ہیں ، تاہم بندہ عاجز نے "تذکرۂ شہیدؒ" میں حتی المقدور علمی —— SCIENTIFIC اور خالص اکیڈیمک ACADEMIC انداز اپنانے کی سعی کی ہے ، اس میں کہاں تک کامیابی ہوتی ہے ، اس کا فیصلہ قارئین کرام کریں گے !

"تذکرۂ شہیدؒ" کے معزز قارئین میں سے کوئی صاحب اگر مصنف کو اس کی کسی فروگذاشت یا تسامح سے مطلع فرمائیں تو اسے بصد شکریہ قبول کر کے اگلے ایڈیشن میں اصلاح کر دی جائے گی ۔ انشاء اللہ العزیز ! کیونکہ ناچیز مصنف نے اس تذکرہ کو حیاتِ مستعار کی صرف بیسویں منزل میں قدم رکھتے ہوئے مرتب کیا ہے ، جبکہ اسے تصنیف و تالیف کا سلیقہ تھا اور نہ علم و تحقیق کے اعتبار سے وہ مقام حاصل تھا جس پر ہماری تاریخ کے اس باب پر خامہ فرسائی فرمانے والے حضراتِ مصنفین مثلاً مولانا غلام رسول مہر مرحوم یا مولانا سید ابوالحسن علی ندوی فائز ہیں ، لہٰذا اصلاح کسی قسم کی بھی ہو اسے تسلیم کرنے سے قطعاً انکار نہ ہوگا ۔

"تذکرۂ شہیدؒ" کی ترتیب و تالیف کے سلسلہ میں جن جن کتب سے استفادہ کیا گیا ہے ، ان کی حواشی و تعلیقات میں صراحت کر دی گئی ہے نیز مراجع و مآخذ کی آخر میں

مفصل فہرست بھی دے دی گئی ہے ۔

مقامِ مسرت ہے کہ تذکرۂ شہید کی طباعت کا اہتمام مکتبۂ غزنویہ لاہور نے کیا ہے ۔ آج اگر حضرت سیّد ابوبکر غزنویؒ بقیدِ حیات ہوتے، تو آپ اس کتاب کی اشاعت پر یقیناً مسرت کا اظہار فرماتے ۔ احباب جانتے ہیں کہ دیگر اوصافِ حسنہ کے ساتھ ساتھ آپ کے قلبِ اطہر میں ولولۂ جہاد نہایت شدت سے موجزن تھا ۔ تحریک احیائے دین کی تنظیم کے لیے بے پناہ تڑپ رکھتے تھے اور تحریکِ مجاہدین کے سلسلہ میں مثبت اور ٹھوس لٹریچر کی طباعت و اشاعت کو نہایت ضروری سمجھتے تھے، چنانچہ راقم الحروف کے ذمہ بھی آپ نے اس سلسلہ میں دو عنوانات پر کام کرنا لگایا تھا، جسے انشاء اللہ ضرور کیا جائے گا ۔

آخر میں برادرِ مکرّم حضرت مولانا عاتش محمد صاحب نائب رئیس جامعہ ابوبکر کراچی کا شکریہ ادا کرنا بھی ازبس ضروری سمجھتا ہوں، جن کی مخلصانہ دعاؤں اور مؤثر تعاون کی بدولت طباعت و اشاعت کے مرحلے بحسن وخوبی طے ہوئے ۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء ۔

۲ ذوالحجہ ۱۴۰۱ ھ
یکم اکتوبر ۱۹۸۱ ء

محمد خالد سیف
فیصل آباد

باب اوّل

خاندان

حضرت امام محمد اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ، حجۃ اللہ، عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ کے عظیم الشان اور جلیل القدر خاندان کے ایک نامور اور مستثنیٰ فرد تھے کہ پھر ان سے ایسا صاحب کمالات اور جامع صفات کسی دوسرے میں تو کیا اس خاندان میں بھی کوئی نہ ہوا ؎

قیس سا پھر کوئی اٹھا نہ بنی عامر میں
فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص

یاد رہے جس عالی مرتبت خاندان کا سلسلہ نسب خلیفہ ثانی جناب سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تک منتہی ہوتا ہے۔ لیکن جس طرح اپنی صوری و بلند اقبالی میں یہ خاندان اپنا ثانی نہیں رکھتا علمی تبحر اور فضل و کمال کے اعتبار سے جو شرف اس خاندان کو حاصل ہے کوئی دوسرا اس کا سہیم و شریک نہیں۔ اس مبارک و مقدس خاندان کا ایک ایک فرد فلک رشد و ہدایت پر آفتاب نصف النہار بن کر چمکا ہے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ تمام اوصاف حمیدہ جن سے قدرت نے اس خاندان کے ممتاز افراد کو متصف فرمایا تھا، مجتمع در وجود عالی ولی اللہی حضرت

امام محمد اسمٰعیل کو مجموعی طور پر ان تمام سے سرفراز فرمایا۔

اس سے قبل کہ ہم آپ کی سیرت و کردار، مجاہدانہ کارناموں کی تفصیل، اصلاحی تحریک، آپ کے عقائد و نظریات اور سوانحِ حیات سے متعلق دیگر امور پر روشنی ڈالیں، آپ کے آباؤ اجداد کا کچھ تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں۔

شیخ شمس الدین مفتیؒ

آپ کے خاندان کے اکابر میں سب سے پہلے جس شخصیت نے برِّ صغیر پاک و ہند میں قدم رنجہ فرمایا، وہ شیخ شمس الدین مفتیؒ تھے۔ انہوں نے اس وقت کے ایک بارونق اور مشہور شہر رُہتک میں سکونت اختیار فرمائی۔ پرہیز گاری اور شب زندہ داری و تہجد گزاری کے باعث آپ کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی لکھا ہے کہ یہ بات یقینی ہے کہ ہمارے اجدادِ عظام میں سے سب سے پیشتر حضرت شمس الدین مفتیؒ ہندوستان تشریف لائے اور رُہتک میں سکونت اختیار کی[1] نیز آپ نے یہ بھی لکھا ہے:۔

”واین بزرگ مرد عالم و عابد بوده است و اوّل کسیکہ نشر از او قریش در آں بلدہ در آمد و بسببِ وے شعائر اسلام ظہور نمودہ و طغیانِ کفر منطقی شد[2]“

شیخ شمس الدین جس زمانہ میں ہندوستان تشریف لائے اس کے متعلق کوئی حتمی بات کہنا ناممکن ہے کیونکہ قدیم تذکرے اس سلسلہ میں بالکل خاموش ہیں البتہ یہ بات یقینی ہے کہ وہ برِّ صغیر پاک و ہند میں اشاعتِ اسلام کا ابتدائی دور تھا اگرچہ لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے تھے تاہم زمانۂ جاہلیت کے کچھ اثرات ان میں ہنوز باقی تھے۔ اس لیے شیخ شمس الدین نے عقائد و نظریات کی اصلاح اور دینی تعلیمات کے فروغ کے لیے یہاں ایک مدرسہ کی داغ بیل ڈال دی تھی۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا آپ انتہائی عابد و زاہد تھے۔ آپ کے متعلق بہت سے عجیب و غریب واقعات کتبِ تاریخ میں موجود ہیں ”مشتے نمونہ از خروارے“ ایک حیرت انگیز واقعہ ملاحظہ فرمایئے۔

”جناب شیخ شمس الدین مفتی کی حیاتِ مستعار کا وسیع پیمانہ جب لبریز ہو کر چھلکنے کے قریب ہوا تو آپ نے اپنی اولاد و احفاد کو جمع کر کے وصیت کی کہ جب میری رُوح اس عنصری جسد سے مفارقت کر کے عالمِ بالا

تب یہ وارد ہوا کہ میری نعش کی تجہیز و تکفین بالکل اسی طریقے سے ہو جو پوری طرح جو سنت سے ثابت ہے۔ تجہیز و تکفین کے بعد جنازہ کو مکان پر انتظار شروع رہے تاکہ اطمینان سے روانہ ہو جائے۔ اس کے بعد میرا جنازہ مسجد میں جو میری خاص عبادت گاہ اور مقام ہے لے جانا جب کہ حاضرین کو چاہیئے کہ تھوڑی دیر کے لیے وہاں سے ہٹ جائیں اور مسجد بالکل خالی کر دیں۔ بعد ازیں اگر میری نعش پڑی پائیں تو دفن کریں ورنہ چپکے اپنے گھر واپس چلے جائیں اور کسی طرح کا تذبذب و تردد نہ کریں۔ چنانچہ آپ کے انتقال کے بعد وہی ہوا جیسا کہا گیا اور آپ کی وصیت کی بڑی سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ تعمیل کی گئی۔ مسجد کے ایک کمرہ میں جنازہ رکھ دیا گیا اور تھوڑی دیر کے لیے ساری مسجد خالی کر دی گئی پھر جو دیکھا تو جنازہ کا نام و نشان تک نہ پایا۔ حاضرین اس ندرت آمیز واقعہ سے سخت متعجب ہوئے اور تعجب و حیرت کہتے ہوئے واپس ہوئے۔

شیخ کمال الدین متقیؒ

شیخ شمس الدین متقیؒ کے انتقال کے بعد ان کے نامور فرزند شیخ کمال الدین متقیؒ جانشین ہوئے اگرچہ شیخ شمس الدینؒ کے اور بھی صاحبزادے تھے مگر شیخ کمال الدینؒ ان میں سب سے زیادہ باکمال اور اپنے والد بزرگوار کی سچی تصویر تھے۔ جو صفت تقدس، بلند خیالی، روحانی اور اخلاق اور فہم و فراست میں اپنی مثال آپ تھے۔ عبادت و ریاضت اور مطالعہ کتب میں ہر وقت مصروف رہتے تھے۔ مجلس کے تقدس و استحباب و آداب، ہر کسی کا لحاظ وغیرہ پر آپ قائم رہے۔

شیخ قطب الدینؒ

شیخ کمال الدین متقیؒ کے بعد ان کے چھوٹے صاحبزادے شیخ قطب الدینؒ ان کے جانشین ہوئے افسوس کہ آپ کے تفصیلی حالات کے بارے کتب تاریخ خاموش ہیں۔

آپ کے بعد آپ کے فرزند شیخ عبدالملکؒ جانشین ہوئے۔ آپ نے اپنے دور کے بڑے بڑے اساتذہ سے کسب فیض کیا اور ابتدائی عمر ہی میں علوم و فنون میں کمال حاصل کر لیا۔ لوگ بڑے شوق سے آپ کے حلقہ ارشاد کی مجلسوں میں حاضر ہوتے تھے۔ قدیم قلمی تاریخ میں

سمجھ اور ہونہار شاگرد اس پر مستزاد۔ اس لئے سامعین نیک تمنائیں لے کر رخصت ہوتے۔ مگر افسوس کہ عالم شباب ہی میں آپ علم و عرفان کی ان محفلوں کو سونا چھوڑ کر راہی ملک عدم ہوئے۔

قاضی بڈھؒ

شیخ عبد الملک کی وفات پر آپ کے فرزند قاضی بڈھا باپ کی مسند پر متمکن ہوئے۔ قاضی بڈھا اگرچہ خاندان کے دیگر افراد کی طرح علوم و فنون میں کمال مہارت رکھتے تھے۔ تاہم کثرت مطالعہ اور شب و روز کی مصروفیتوں کے پیش نظر آپ نے بھی تصنیف و تدریس کو پوری کوشش و انہماک کے ساتھ اپنایا۔ قاضی بڈھا کے بعد قاضی قاسمؒ اور ان کے بعد قاضی قادنؒ مسند پر جلوہ افروز ہوئے۔

شیخ محمودؒ

قاضی قادنؒ نے بوقت وفات دو بیٹے یادگار چھوڑے۔ ان میں سے ایک شیخ محمودؒ اور دوسرے شیخ آدمؒ تھے۔ شیخ محمودؒ نے علم و فضل میں کمال حاصل کیا اور بہت جلد آپ کی شہرت ملک اور اس کے گرد و نواح میں پھیل گئی۔

آپ کے دور میں کچھ ایسے خارجی اسباب پیدا ہو گئے تھے جن کے پیش نظر آپ نے منصب قضاء کو خیرباد کہہ دیا اور محض مطالعہ میں مشغول ہو کر سیدھی سادی زندگی اختیار کر لی۔ اس راہ میں اگرچہ آپ کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مگر آپ نے ان تمام کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور قطعاً بیزار نہ ہوئے۔ گویا شیخ محمودؒ وہ پہلے بزرگ تھے جنہوں نے اس دولت کی ابتدا کی جسے انتہا تک پہنچا دینے کی سعادت حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ کی قسمت میں لکھی ہوئی تھی۔ شیخ محمودؒ نے فریدہ نامی ایک نہایت عفت مآب اور شریف خاتون سے نکاح کیا جو کہ سونی پت کے سادات و اشراف میں سے ایک بڑے شریف اور نجیب خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام احمد رکھا گیا۔

شیخ احمدؒ

شیخ احمدؒ نے بچپن ہی میں وطن مالوف کو خیرباد کہا اور پنجاب سے نکل کر حضرت شیخ عبد الغنی بن شیخ حکیمؒ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ چونکہ آپ کی جبین سے ہوشیاری و اقبال مندی اور رشد و ہدایت کے آثار نمایاں تھے اس لئے شیخ عبد الغنیؒ نے آپ کی تعلیم و تربیت میں خصوصی دلچسپی لی حتیٰ کہ اپنی ایک صاحبزادی قمر جہان

کے حبالۂ عقد میں دے دی۔

کافی عرصے تک شیخ کی خدمت میں رہنے کے بعد آپ دوبارہ بٹالہ واپس آ گئے اور آتے ہی یہاں قلعہ سے باہر ایک نہایت عالی شان عمارت تعمیر کرائی اور اپنے خاندان کے تمام قبائل کو یہاں جمع کر دیا۔

شیخ احمدؒ نے دو صاحبزادے یادگار چھوڑے۔ ایک شیخ منصورؒ اور دوسرے شیخ حسینؒ۔ شیخ منصورؒ نہایت متواضع اور خلیق تھے۔ آپ شجاعت و بہادری اور عقل و علم میں بھی بے مثل تھے۔ آپ نے اولاً اپنے ماموں شیخ عبد اللہ بن شیخ عبد الغنیؒ کی صاحبزادی سے نکاح کیا۔ ان کے بطن سے معظمؒ اور اعظمؒ دو بچے پیدا ہوئے تھے کہ وہ راہی ملک عدم ہو گئیں۔ پھر آپ نے ثانیاً ایک اور عورت سے نکاح کیا اور اس کے بطن سے بھی عبد الغفورؒ اور محمد حسینؒ دو بچے پیدا ہوئے۔

شیخ معظمؒ

شیخ منصورؒ کے چار صاحبزادوں میں سے شیخ معظمؒ نے بڑی ناموری حاصل کی۔ علم و فضل میں کمال کے علاوہ فنونِ حرب میں بھی آپ کو بڑی مہارت حاصل تھی اور بقول مصنف "حیات ولی" شیخ معظمؒ کی تاریخی زندگی میں جو بات سب سے زیادہ قابلِ تعریف ہے اور جس کی مثال ایشیائی دنیا میں مشکل سے مل سکتی ہے یہ ہے کہ آپ شجاعت و بہادری میں عدیم المثال اور لاجواب تھے۔ آپ کی شجاعت و بہادری کے بہت سے واقعات کتبِ تاریخ میں موجود ہیں۔ ایک نہایت دلچسپ اور حیرت انگیز واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔

مولانا عبد الرحیم صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ شیخ معظمؒ کے والد شیخ منصورؒ کی ایک راجہ کے ساتھ معرکہ آرائی ہوئی جس میں شیخ معظمؒ بھی شریک تھے۔ شیخ منصورؒ نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک حصہ کی کمان تو آپ خود کر رہے تھے اور دوسرے کی قیادت کے فرائض شیخ معظمؒ کے سپرد تھے۔ شیخ کی عمر اس وقت صرف بارہ برس تھی لیکن اس صغر سنی کے باوصف آپ نے جو شجاعت کے جوہر دکھائے وہ اپنی مثال آپ تھے۔

دورانِ جنگ دشمن نے چال چلی اور مشہور کر دیا کہ شیخ منصورؒ جامِ شہادت نوش کر گئے ہیں۔ چنانچہ دشمن کا یہ تیر نشانۂ مراد کو لگا اور مسلمانوں کی فوج منتشر ہونے لگی مگر شیخ معظمؒ

اس وحشتناک خبر کے سنتے ہی سر سے پاؤں تک تھر تھر کانپنے لگے۔ ابراہیمی غیرت و حمیت کا مصطفٰی خون بے اختیار جوش میں آیا اور فاروقی غیظ و غضب کا جوش خون کی طرح رگوں میں دوڑ گیا۔ آپ نے اپنی بے دھڑک شجاعت اور بے خوف دلیری سے اسی وقت لشکرِ اسلام کے ساتھ بڑی خوفناکی کے ساتھ ایسا زبردست اور بیباکانہ حملہ کیا جسے صنادیدِ کفار کی مجموعی طاقت بھی نہ روک سکی۔ ہزاروں کافر قتل ہوئے اور صدہا زخمی و گھائل تڑپتے رہے[۲]۔

شیخ کا مصمم ارادہ تھا کہ میں جب تک کافروں کے سپہ سالار کو تہہِ تیغ نہ کر لوں گا اور لشکرِ کفار کے کشتوں کے پشتے نہ لگا دوں گا اپنی تلوار کو نیام میں نہیں کروں گا؛ چنانچہ آپ نے اپنے ارادہ کی تکمیل کے لیے انتہائی شجاعت و سرفروشی کے ساتھ راجہ کے ہاتھی کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ ادھر سے راجہ کا وزیر جو کہ بڑا بہادر اور جنگجو تھا نیزہ لہراتا ہوا آگے بڑھا تاکہ راجہ کی طرف سے مدافعت کر کے منہ مانگا انعام حاصل کرے۔ وزیر نے بڑی چابکدستی سے شیخ پر نیزہ کا وار کرنا چاہا مگر شیخ۔ نے نیزہ بدل کر زہر میں بجھا ہوا تیر اس پھرتی سے وزیر کے پیوست کر دیا کہ وہ اس کے لیے پیامِ اجل ثابت ہوا۔ بس پھر کیا تھا دشمن کے تمام لشکر نے مجتمع ہو کر شیخ کا محاصرہ کر لیا۔ ادھر سے دشمنوں کے نرغے میں گھرے ہوئے اس شیرِ خدا نے بھی شجاعت و جوانمردی کے ایسے جوہر دکھائے کہ دشمن بھی عش عش کر اٹھا حتّٰی کہ جب راجہ نے یہ منظر دیکھا تو اس نے بڑے زور سے پکار کر اپنے لشکر سے کہا کہ خبردار اس نوجوان کو کوئی آنچ نہ آنے پائے۔ اس کے بعد ہاتھی سے اُتر کر خود شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا پہلے تو اس نے آپ کی شجاعت و بسالت پر تحسین و آفرین کے پھول برسائے اور پھر اس نے استفسار کیا کہ اتنے زیادہ غیظ و غضب کا سبب کیا ہے؟

آپ نے جواب دیا کہ مَیں نے سُنا ہے کہ میرے والدِ محترم تمہاری فوج کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کر گئے ہیں تو مَیں نے عزم کر لیا ہے کہ یا تو میں بھی ان کے ساتھ جا ملوں یا تمہارے لشکر میں سے کسی متنفس کو دنیا میں باقی نہ رہنے دوں۔ راجہ نے کہا کہ تمہارے والد کی شہادت کی خبر غلط ہے وہ دیکھو ان کا پرچم لہراتا ہوا نظر آ رہا ہے آپ نے جب دیکھا تو بڑی برق رفتاری کے ساتھ اپنے والد سے جا لپٹے۔

آپ کے جانے کے بعد راجہ نے آپ کے والد کی خدمت میں ایک خط لکھا کہ مَیں تمہارے

جانباز لختِ جگر کی شجاعت سے بہت متاثر ہوا ہوں لہٰذا اب میں آپ سے مزید جنگ نہیں چاہتا آپ صلح کی جو شرائط لکھ بھیجیں میں انہیں تسلیم کرلوں گا؛ چنانچہ آپ کے والد نے جو شرائط لکھ بھیجیں اگرچہ وہ راجہ کے لیے ناقابلِ قبول تھیں مگر طوعاً و کرہاً اس نے انہیں تسلیم کرلیا کیونکہ اسے یقین تھا کہ جس لشکر میں شیخ معظم ایسا عظیم المرتبت بہادر سپہ سالار ہو اسے شکست دینا ممکن نہیں۔

شیخ وجیہہ الدینؒ

شیخ معظمؒ کے تین صاحبزادے تھے شیخ جمال الدین، شیخ فیروز اور شیخ وجیہہ الدین۔ ان میں سے مؤخر الذکر جناب شیخ عبدالرحیمؒ کے والد ماجد اور شاہ ولی اللہ کے جدِ امجد ہیں۔ آپ بڑے تقویٰ شعار اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ ابتدائی زمانہ میں سلطنتِ مغلیہ کی فوج میں بھرتی ہوگئے اور کسی بڑے معزز فوجی عہدہ پر فائز تھے۔ تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جب اسلامی فوجیں مخالفینِ اسلام کے ساتھ برسرِ پیکار ہوتیں تو آپ پہلی صفوں میں نظر آتے مگر دورانِ سفر جب لشکر کے گھوڑے غریب کسانوں کی کھیتیوں کو روندتے اور پائمال کرتے تو آپ کمالِ احتیاط کے پیشِ نظر لشکر سے الگ ہوجاتے اور اپنے گھوڑے کی باگ کھیتوں کی بجائے کسی اور طرف موڑ دیتے تھے۔

پورے خاندان میں کوئی شخص آپ سے زیادہ پُرمغز، عالی دماغ، حوصلہ مند، دقیق النظر، بردبار، خوش اخلاق، صائب الرائی، شجاع، فصیح و بلیغ اور عقیل و فیاض نہ تھا۔ امیرانہ شان و شوکت کے باوجود آپ انتہائی زیادہ منکسر المزاج تھے۔ شاہ عبدالرحیمؒ بیان فرماتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ والد مرحوم خدّام و ملازمین سے جس رحیمانہ برتاؤ اور نرمی و انصاف سے پیش آتے تھے اس کی مثال کہیں نہیں پائی جاتی۔ آپ میں یہ بہت بڑی خوبی تھی کہ جب کبھی کسی معاملہ میں تقاضائے بشریت کے مطابق آپ سے غلطی ہوجاتی اور کوئی متنبہ کر دیتا تو آپ اسے فوراً تسلیم کرلیتے۔ لیکن آپ کے حالات میں سب سے زیادہ قابلِ تعریف بات ہمیں یہ ملتی ہے کہ آپ کلامِ ربّانی کے ساتھ انتہا سے زیادہ عشق رکھتے تھے سفر و حضر میں کلامِ الٰہی کو ہمیشہ پاس رکھتے بقول شاہ عبدالرحیمؒ دو پارے روزانہ تلاوت کرنا معمول تھا اور پھر تلاوت بھی بڑے تدبّر و تفکر کے ساتھ کرتے۔

آپ نے شاہجہان اور اورنگ زیب دونوں مغل بادشاہوں کا زمانہ پایا تھا اور ان کے دورِ حکومت میں لڑی جانے والی بہت سی جنگوں میں حصہ لیا۔ مالوہ کے نزدیک کے ایک ہندو

راجہ نے جب سرکشی کی اور شاہجہان نے اس کی سرکوبی کے لیے سید حسین کو متعین کیا تو آپ بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ راجہ نے سید حسین کو دعوتِ مبارزت دی وہ فوراً تیار ہو گئے اور دونوں طرف سے نیزوں کے تابڑ توڑ وار ہونے لگے اور اس میں جب کسی کو کامیابی نہ ہوئی تو دونوں نے تلواروں سے مقابلہ شروع کر دیا۔ سید حسین کے حریف نے کچھ ایسی چابکدستی کا مظاہرہ کیا کہ چشم زدن میں اُس کی تلوار سید کے سر پر پہنچ گئی انہوں نے اگرچہ بڑے استقلال اور تحمل سے تلوار کو سپر پر لیا لیکن پھر بھی ضرب کاری تھی، سپر کو کاٹتی ہوئی دستہ تک جا پہنچی۔ حریف نے جب تلوار کو زور سے کھینچا تو سید گھوڑے سے نیچے گر گیا۔ دشمن نے موقع کو غنیمت سمجھا اور دوڑ کر اس کے سینہ پر چڑھ دوڑا اور خنجر نکال کر ان کا کام تمام کرنا ہی چاہتا تھا کہ شیخ وجیہ الدینؒ بجلی کی سی تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھے اور دشمن کو واصلِ جہنم کر دیا۔

اسی طرح اورنگ زیب عالمگیر اور اس کے بھائیوں کے درمیان جتنی معرکہ آرائیاں ہوئیں ان تمام میں شیخ وجیہ الدین نے عالمگیر کی طرف سے حصہ لیا۔ ایک لڑائی میں شاہ شجاع نے ہاتھیوں کے ساتھ حملہ کیا۔ شاہ وجیہ الدین گھوڑے پر سوار تھے انہوں نے ہاتھیوں پر تلواروں کے پے در پے وار کیے حتیٰ کہ ایک ہاتھی کی سونڈ کاٹ ڈالی۔ اس نے درد و کرب کی وجہ سے پیچھے بھاگتے ہوئے اپنی فوج کو ہی کچل ڈالا۔

آپ نے شیخ رفیع الدین محمد بن قطب العالم بن شیخ عبدالعزیز کی ایک دُختر نیک اختر سے نکاح کیا تھا اور اس کے بطن سے تین بچے پیدا ہوئے۔ شیخ ابوالرضا محمدؒ، شیخ عبدالحکیمؒ اور شیخ عبدالرحیمؒ۔ آپ کو شیخ عبدالرحیم سے بہت زیادہ محبت تھی۔ سفر و حضر میں اکثر انہیں اپنے ساتھ رکھتے تھے شاید اس کمالِ محبت کا نتیجہ ہے کہ شیخ عبدالرحیم کو وہ عالمگیر شہرت نصیب ہوئی، جس سے ان کے دوسرے دونوں بھائی محروم رہے۔ الغرض شیخ وجیہ الدین کے فضل و کمال روشن دماغی، صائب رائی، تدبیر و شجاعت، شوکت و ہیبت کی جہاں تک سچی تعریف مُشیّن اور وزنی الفاظ میں کی جائے کم ہے۔

شاہ عبدالرحیمؒ

جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا گیا شیخ وجیہ الدینؒ نے شیخ عبدالحکیمؒ، شیخ عبدالرحیمؒ اور شیخ ابوالرضا محمدؒ تین فرزند یادگار چھوڑے

شیخ عبدالکریمؒ کے سوانح حیات سے کتبِ تاریخ بالکل خاموش ہیں۔ شیخ عبدالرحیمؒ عمر میں اگرچہ شیخ ابوالرضا محمدؒ سے چھوٹے تھے تاہم زہد و اتقاء اور علم و فضل کے اعتبار سے ان سے کہیں بڑھے ہوئے تھے۔ شیخ عبدالرحیمؒ وہی بزرگ ہیں جن کے لختِ جگر شاہ ولی اللہ نے آفتاب جہاں تاب بن کر اپنے علم و فضل کی ضیا پاشیوں سے دنیا کو بقعۂ نور بنا دیا۔

شاہ عبدالرحیم کی تاریخ ولادت کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق سنہ ۱۰۵۴ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ اور یہ وہ دور تھا جس میں اورنگ زیب عالمگیر سریر آرائے سلطنت تھا اگرچہ آپ کے والد شیخ وجیہ الدین ایک ممتاز فوجی عہدے پر فائز تھے اور گھر میں ناز و نعمت کے تمام ساماں موجود تھے مگر یہ ناز برداریاں شیخ عبدالرحیمؒ کی طبیعت پر قطعاً اثر انداز نہ ہوئیں۔ آپ ہمیشہ درویش صفت ہی رہے۔

چار سال کی عمر میں آپ کی تعلیم کا باقاعدہ آغاز کر دیا گیا۔ شیخ وجیہ الدین نے اپنے نونہال کو قرآن مجید کی تعلیم خود ہی دی۔ آٹھ سال کی عمر میں آپ نے صرف و نحو اور ادب کی کتابیں پڑھ لیں نو، دس سال کی عمر میں "شرح عقائد" اور "حاشیہ خیالی" وغیرہ کا درس اپنے برادرِ اکبر شیخ ابوالرضا محمد سے لیا۔ آپ نے مرزا محمد زاہد ہرویؒ کے سامنے بھی زانوئے تلمذ طے کیے اور ان سے "شرح مواقف" اور تمام کلامی و اصولی کتابوں کا درس لیا۔ ذہانت و فطانت کا یہ عالم تھا کہ "شرح مواقف" ایسی مشکل کتاب کے بھی کئی کئی صفحات ایک ہی نشست میں پڑھ لیتے تھے۔ غرضیکہ دس سال کی عمر میں آپ نے صرف، نحو، ادب، کلام، اصول، معقول وغیرہ تمام علوم کی تکمیل کر لی اور پھر گیارھویں سال فقہ و حدیث کی تعلیم میں مصروف ہو گئے۔ اور ان میں بھی کمال مہارت حاصل کر لی۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے:-

> "میں اپنے والد بزرگوار کے علم کے آگے دنیا بھر کے علماء کے علوم کو
> بالکل ایسا دیکھتا ہوں جیسے دریا کے مقابلہ میں قطرہ۔"

شاہ عبدالرحیمؒ کی تصنیفات اور کتب فقہ و حدیث پر ان کے حواشی دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ کے اس قول میں قطعاً مبالغہ نہیں۔

علومِ ظاہری میں تکمیل کے بعد آپ نے علوم باطنی کی طرف توجہ دینی شروع کی اور اس غرض سے

حضرت خواجہ محمد باقیؒ کے صاحبزادے حضرت خواجہ خردؒ کی خدمت میں حاضری دی۔ پھر ان کے مشورہ سے ساداتِ بارہہ کے خاندان کے چشم و چراغ اور بہت بڑے بزرگ سیّد عبداللہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کرکے ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ ان کے علاوہ آپ نے خلیفہ ابوالقاسم اکبرآبادیؒ اور سیّد عظمت اللہ جیسے سلاطینِ علم و فضل سے اکتساب کیا اور ان سے بھی بیعت کی اجازت حاصل کی اور اسی اثنا میں آپ نے ہندوستان کے مختلف مقامات کا سفر اختیار کرکے بہت سے اہل اللہ اور مجذوبوں سے ملاقات کا شرف حاصل کرکے روحانی مدارج طے کیے اور اس طرح شاہ عبدالرحیمؒ کی شخصیت علومِ ظاہری و باطنی کا سنگم بن گئی۔ آپ کے کمالِ علم و فضل کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب اورنگ زیبؒ نے 'فتاویٰ' کی ترتیب کا کام وقت کے بڑے بڑے علماء و فضلاء کے ذمہ لگایا تو آپ کو بھی مدعو کیا گیا اور معقول مشاہرہ کے علاوہ جاگیر کی بھی پیشکش کی گئی تو آپ نے اسے قبول کرنے سے انکار کردیا لیکن بعد میں والدہ کے اصرار کے پیشِ نظر اسے قبول کرلیا اور 'فتاویٰ' پر نظرِ ثانی کرکے اس کی بعض فقہی غلطیوں کی اصلاح کی۔

آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ جس طرح آپ نے شرک و بدعت کے خلاف تصنیف و تالیف اور وعظ و ارشاد سے جہاد کیا اسی طرح اس مقصد کے حصول کے لیے ایک عظیم الشان مدرسہ کی بنیاد بھی رکھی جسے 'مدرسہ رحیمیہ' کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ اس چشمۂ ہدایت سے بہت سے لوگوں نے کسبِ فیض کیا اور دُور دراز سے آکر تشنگانِ علوم نے اپنی تشنگی کو تسکین بخشی۔

شیخ عبدالرحیمؒ نے دو نکاح کیے۔ پہلا نکاح تو غالباً اس وقت کیا جب شیخ وجیہ الدینؒ بقیدِ حیات تھے مگر افسوس کہ اس کی تفصیلات معلوم نہ ہوسکیں اور آپ نے دوسرا نکاح شیخ محمدؒ کی صاحبزادی سے کیا تھا۔ پہلی بیوی کے بطن سے ایک صاحبزادہ صلاح الدینؒ پیدا ہوا تھا جو کہ عالمِ شباب میں فوت ہوگیا اور دوسری بیوی کے بطن سے شاہ ولی اللہ اور شاہ اہل اللہ دو قابلِ فخر فرزند تولد ہوئے۔ بالآخر ۱۲ صفر ۱۱۳۱ھ میں علم و عمل کا یہ آفتاب ستر سال تک ضیا پاشیوں کے بعد پوری دنیا کو سوگوار چھوڑتے ہوئے عہدِ فرخ سیر میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دہلی کے افق پر غروب ہوگیا۔ نوراللہ مرقدہ۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

شاہ عبدالرحیمؒ نے ولی اللہ اور اہل اللہؒ دو صاحبزادے یادگار چھوڑے اوّل الذکر وہی شخصیت ہے جو دنیا میں عارف باللہ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے اسمِ گرامی سے مشہور و معروف ہے اور جس کے علمی تبحر اور فضل و کمال کے پیشِ نظر اس خاندان کا شہرہ چار دانگ عالم میں پھیل گیا۔

ولادت

شاہ صاحبؒ ۴ شوال ۱۱۱۴ھ چہار شنبہ کے دن طلوعِ آفتاب کے وقت شیخ محمدؒ کی دختر فرخندہ اختر کے بطنِ اطہر سے متولد ہوئے۔ کہتے ہیں کہ آپ کے والد گرامی کو خواب میں بشارتیں دی گئی تھیں کہ تمہارے ہاں ایک ایسا فرزند جنم لے گا جو اپنے علم و فضل کی بدولت دنیا کے لیے سرچشمۂ ہدایت ثابت ہو گا۔

تعلیم و تربیت

شاہ عبدالرحیمؒ نے اپنے نونہال کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا یہی وجہ ہے کہ عہدِ طفولیت میں بھی آپ کی حالت بالکل غیر معمولی اور نرالی طرز کی تھی۔ تعلیم کے مراحل آپ نے بڑی سرعت کے ساتھ طے کر لیے تھے پانچویں سال میں مکتب میں بٹھایا گیا۔ ساتویں سال تک آپ نے قرآن مجید ختم کر لیا اور اس کے بعد فارسی کی درسی کتابوں کو پڑھنا شروع کیا اور ایک سال سے قبل ہی اس نصاب کی تکمیل کر لی پھر آپ نے صرف و نحو کی کتابیں شروع کیں اور اس فن میں بھی بہت جلد عبور حاصل کر لیا۔ بعد ازاں آپ کو معقول کی کتابیں شروع کرائی گئیں اور ان میں بھی آپ نے مہارت تامہ حاصل کر لی خصوصاً منطق میں تو آپ کا جواب ہی نہ تھا اسی دور میں والد گرامی نے آپ کی شادی خانہ آبادی بھی کر دی۔

اب ہر وقت یہ خیال دامن گیر رہتا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو تفسیر و حدیث کے علوم میں ترقی کرنا اور انہیں باقاعدہ حاصل کرنا چاہیئے کیونکہ حدیث میں کمال کے بغیر علوم کی تکمیل ناممکن ہے۔ چنانچہ پندرھویں سال میں دیگر کتابوں کے ساتھ آپ نے "تفسیر بیضاوی" کا بڑا حصہ اپنے والد بزرگوار سے پڑھ لیا۔ "تفسیر مدارک" کا کچھ حصہ بھی اپنے والد کو سنایا اور باقی کا خود مطالعہ کر لیا۔ اسی طرح کتبِ حدیث میں سے "مشکوٰۃ المصابیح" (باستثنائِ کتاب البیوع و کتاب الآداب یہ حصے علالت کی وجہ سے نہ پڑھ سکے)، "صحیح بخاری" (کتاب الطہارۃ تک۔ باقی کا خود مطالعہ کیا) اور "شمائلِ ترمذی" کو پڑھا۔ اپنے والد گرامی کے علاوہ آپ نے شیخ محمد افضل سیالکوٹیؒ، شیخ وفد اللہ مکی بن شیخ محمد سلیمان مغربیؒ،

شیخ ابوطاہر الکردی بن شیخ ابراہیم الکردی المدنی رح جیسے علماء وفضلاء سے بھی ’مؤطا امام مالک‘، ’صحیح بخاری‘، ’مؤطا امام محمد‘، ’کتاب الآثار‘ اور ’مسند دارمی‘ وغیرہ کتبِ حدیث پڑھیں۔ یاد رہے کہ عربی مشائخ سے آپ نے حرمین شریفین کے قیام کے زمانہ میں استفادہ کیا تھا۔

سندِ فراغت

چودہ سال کی عمر میں جب آپ نے تمام مروّجہ علوم کی تکمیل کر لی۔ شاہ عبدالرحیم رح نے آپ کو سندِ فراغت سے نوازنے کے موقع پر ایک خاص جلسہ منعقد کیا جس میں شہر کے تمام بڑے بڑے علماء، مشائخ، قضاۃ اور فقہاء کو مدعو کیا اور سب کی موجودگی میں اپنے بلند اقبال صاحبزادے کی دستار بندی کی اور آپ کے علم وعمر کی ترقی کے لیے دعا مانگی۔ مجلس میں موجود تمام علماء وفضلاء نے بڑے جوش وخروش کے ساتھ شیخ کی خدمت میں مبارکباد پیش کی۔

تصوّف

پندرھویں سال میں قدم رکھا تو آپ کے والد ماجد نے علم باطن کے شرف سے بھی آپ کو معزز و ممتاز کرنا چاہا؛ چنانچہ آپ نے ان سے بیعت کی اور اشتغال صوفیہ خصوصاً طریقہ نقشبندیہ میں اپنا زیادہ وقت صرف کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ والد صاحب کی زندگی ہی میں سلوک وعرفان کے اعلیٰ مدارج طے کر لیے اور اس علم کو بھی عروجِ کمال تک پہنچا دیا؛ چنانچہ انہوں نے آپ کو بیعت وارشاد کی بھی اجازت دے دی۔ اور باطنی علوم کے متعلق مزید جو کچھ تلقین کرنا چاہا وہ بھی کر دیا۔

خداداد قابلیت

معاملہ فہمی اور ادق مسائل کے حل کرنے کے ملکۂ خصوصی سے بھی اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب رح کو نواز رکھا تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی جگہ سے شاہ عبدالرحیم رح کی خدمت میں ایک استفتاء آیا جس کا جواب دینے سے ہندوستان اور کئی دیگر ممالک کے بڑے بڑے علماء قاصر تھے کیونکہ بہت زیادہ الجھاؤ اور پیچیدگی کے سبب کوئی اس کا مفہوم ہی سمجھ نہیں سکتا تھا۔ شاہ عبدالرحیم رح کے ایک شاگرد نہایت ذہین وفطین اور حدیث وفقہ کے ماہر تھے شاہ صاحب نے فتویٰ ان کے سپرد کیا اور فرمایا کہ خوب سوچ سمجھ کر اس کا جواب لکھ دو۔ اس نے مسلسل ایک مہینہ تک اس فتویٰ کا نہایت غور وفکر سے مطالعہ کیا لیکن وہ بھی اسے سمجھنے سے قاصر ہی رہا اور جواب لکھنے سے معذرت کر دی۔

شاہ ولی اللہ کی عمر اس وقت کوئی سولہ برس ہوگی شاہ عبدالرحیمؒ نے فتویٰ ان کے سپرد کیا اور فرمایا امید ہے کہ تم اس کا جواب لکھ سکو گے۔ شاہ صاحبؒ نے فتویٰ لے لیا اور گھر آکر اس کا جواب لکھ دیا

. . . . ۔ جواب اس قدر صواب اور شافی تھا کہ شاہ عبدالرحیمؒ اور تمام طلبہ نے تحسین و آفرین کے پھول نچھاور کیئے اور امید ظاہر کی کہ اگر شاہ ولی اللہؒ چند روز اور علمی مشق اور تعلیمی مشاغل جاری رکھیں تو تمام ائمہ وقت اور فقہائے عصر پر فوقیت لے جائیں گے؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

تدریس

شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے والد صاحب کی وفات کے بعد مدرسہ رحیمیہ میں درس دینا شروع کیا اور پورے بارہ سال تک استغراق و محویت کے ساتھ مشغول رہے۔ آپ کی خداداد قابلیت اور علم و فضل میں کمال کے پیشِ نظر تشنگانِ علوم دُور دراز کی مسافت کو طے کر کے آپ کی خدمت میں حاضری دیتے اور اسے اپنے لیے سرمایہ عزو افتخار سمجھتے تھے۔ شاہ صاحبؒ بھی تمام طلبہ کے ساتھ حسنِ اخلاق اور فیاضی سے پیش آتے اور تمام کے ساتھ رحیمانہ و شفیقانہ برتاؤ کرتے تھے۔

حج بیت اللہ

سنہ ۱۱۴۳ھ کے آخر میں آپ بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور مکمل ایک سال حرمین شریفین میں بسر کیا۔ اسی اثناء میں آپ نے نامور مشائخ عرب سے روایتِ حدیث کی۔ بڑے بڑے علماء و فضلاء سے ملے اور ہر طبقہ کے مشائخ سے استفادہ کیا۔ ان میں سے شیخ محمد وفداللہ بن شیخ محمد سلیمان المغربیؒ، شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردیؒ مدنی، شیخ تاج الدین قلعی حنفی، شیخ شناویؒ، شیخ احمد قشاشیؒ، سید عبدالرحمٰن ادریسیؒ، شیخ شمس الدین محمد بن علاء بابلیؒ، شیخ عیسٰی جعفری مغربیؒ، شیخ ابراہیم کردی مدنیؒ، شیخ حسن عجمیؒ، شیخ احمد نخلیؒ اور شیخ عبداللہ بن سالم البصریؒ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔[لہ]

سنہ ۱۱۴۵ھ میں آپ کو دوبارہ حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ ۱۴ رجب سنہ ۱۱۴۵ھ کو مراجعت فرمائے وطن ہوئے اور پھر دہلی کے مدرسہ رحیمیہ کی مسندِ تدریس پر جلوہ افروز ہو گئے اسی طرح عمر کی باقی اکتیس بہاریں بھی نشر و اشاعتِ دین، مسلمانوں کی اصلاح اور انکی خدمات کی نذر کر دیں۔

مذہب آپ مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے والدِ ماجد حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کی طرح آپ کا معمول بھی یہ تھا کہ اس مسئلہ پر عمل کرتے جو تمام اہلِ مذاہب کے نزدیک متفقہ طور پر صحیح ہوتا اور اگر ایسا ممکن نہ ہوتا تو پھر اس مذہب پر عمل پیرا ہوتے جو دلیل کی رو سے زیادہ قوی اور صریح حدیث کے موافق ہوتا۔ خواجہ محمد امین نے آپ سے سوال کیا تھا مسائل فقہیہ میں آپ کس مذہب کے مطابق عمل کرتے ہیں تو شاہ صاحبؒ نے درج ذیل جواب تحریر کیا تھا:-

"سوال سوم آنکہ عمل تو در مسائل فقہیہ بر کدام مذہب است گفتم بقدر امکان جمع میکنم در مذاہب مشہورہ مثلاً صوم و صلوٰۃ و وضو و غسل و حج بوضع واقع میشود کہ ہمہ اہلِ مذاہب از روئے دلیل و موافقت صریح حدیث عمل مے نمائم و خدائے تعالیٰ ایں قدر علم دادہ است کہ فرق درمیان ضعیف و قوی کردہ شود و در فتوی بحالِ مستفتی کار می کنم مقلد ہر مذہبے کہ باشد اورا از ہماں مذہب جواب میگویم خدا تعالیٰ بہر مذہبے از مذاہبِ مشہورہ معرفت دادہ است الحمد للہ تعالیٰ"

تمہارا تیسرا سوال کہ مسائل فقہیہ میں کس مذہب پر عمل کرتے ہو اس کا جواب یہ ہے کہ میں ممکن حد تک مذاہبِ مشہورہ میں جمع کرتا ہوں مثلاً روزہ، نماز، وضو، غسل اور حج کے وہ مسائل جنہیں تمام اہلِ مذاہب صحیح سمجھتے ہیں، ان پر عمل کرتا ہوں لیکن جب یہ جمع و تطبیق مشکل ہو تو میں اس مذہب پر عمل کرتا ہوں جو دلیل کے اعتبار سے زیادہ قوی اور حدیثِ صریح کے موافق ہو کیونکہ خدا تعالیٰ نے مجھے اس قدر علم سے نوازا ہے کہ ضعیف و قوی میں بخوبی فرق اور فتوی کے متعلق مستفتی کے حال کی اچھی طرح رعایت کر سکتا ہوں اور ہر مقلد مذہب کو اسی کے مذہب سے جواب دیتا ہوں مجھے خدا تعالیٰ نے مذاہبِ مشہورہ میں سے ہر مذہب کی معرفت عنایت فرمائی ہے الحمد للہ تعالیٰ

اسی طرح "تقلید اور عمل بالحدیث" کے سلسلہ میں شاہ صاحبؒ نے اپنے جن افکار و نظریات کا اظہار "حجۃ اللہ البالغہ" کے مبحث سابع، "عقد الجید فی احکام الاجتہاد و التقلید"، "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" اور اپنی دیگر تصانیف میں کیا ہے وہ اہلِ علم سے مخفی نہیں۔

ترجمہ قرآن

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی دینی خدمات میں سب سے زیادہ وزنی شاید یہ ہے کہ آپ نے دورِ جدید میں سب سے پہلے قرآن مجید کا ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل کی۔ یہ ترجمہ وقت کے تقاضا کے مطابق فارسی زبان میں تھا۔ اگرچہ مولانا دولت آبادی نے بھی شیر شاہ سوری[۱۲] کے عہد میں قرآن مجید کا بزبانِ فارسی ترجمہ کیا تھا بلکہ اس سے قبل بھی کئی ہندی اور فارسی ترجموں کا سراغ ملتا ہے مثلاً ۸۸۳ء میں ایک ہندو راجہ مہروک نے جو کہ کشمیر اور پنجاب پر حکمران تھا منصورہ (سندھ) کے مسلمان حاکم عبداللہ بن عمر سے درخواست کی تھی کہ وہ قرآن پاک کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے لہٰذا اس کے لیے قرآن مجید کا ہندی میں ترجمہ کر دیا جائے۔ عبداللہ بن عمر نے یہ ذمہ داری ایک عراقی نوجوان کو سپرد کی لیکن افسوس کہ وہ سورۂ یٰسین سے آگے نہ بڑھ سکا البتہ ہندو راجہ اتنے حصہ کے مطالعہ سے ہی مشرف بہ اسلام ہو گیا بقول مولانا سید محمد علی مونگیری مصنف "ارشادِ رحمانی" سولھویں صدی میں بھی قرآن مجید کا ایک ہندی ترجمہ ہوا۔ اسی طرح چوتھی پانچویں صدی میں بھی ایک فارسی ترجمہ کا سراغ ملتا ہے لیکن یہ تمام ترجمے ناپید تھے۔ لہٰذا اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ قرآن مجید کا ملکی زبان میں ترجمہ کیا جائے تاکہ محض بلا سمجھے عربی متن تلاوت کرنے والے عربی سے ناواقف عوام قرآن حکیم کے مفہوم کو بھی سمجھ سکیں۔ اس سلسلہ میں آپ کو جن مشکلات اور خطرات سے دوچار ہونا پڑا مرزا حیرت کی زبانی اس کی تفصیل سنیئے۔

> "قرآن عموماً رمضان میں یا یوں ہی معمولی طور پر مسلمان پڑھتے تھے لیکن بے چارے معنی نہ جاننے کی وجہ سے خدا کے احکام سے محض نابلد تھے۔ کٹ ملانوں نے یہ سمجھا دیا تھا کہ قرآن شریف کے معنی پڑھنے گناہ مول لینا ہے جب ولی اللہ صاحبؒ نے فارسی میں قرآن شریف کا ترجمہ کیا اور اس کی اشاعت ہوئی تو ایک تہلکہ عظیم کٹ ملانوں کے گروہ میں پایا گیا اور علاوہ کفر کے فتوے دینے کے شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے جانی دشمن ہو گئے اور اب ان میں مشورے ہونے لگے کہ شاہ صاحب کو کیوں کر قتل کیا جائے؛ چنانچہ ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ عصر کی نماز فتحپوری میں پڑھ رہے تھے اور آپ گویا محمدیوں کی

جماعت کے امام تھے ابھی آپ نے سلام پھیرا ہی تھا کہ دروازوں پر غل وشور کی آوازیں کانوں میں آنے لگیں اور لوگ کچھ غیر معمولی طور پر غپر شپر کرتے ہوئے معلوم ہوئے ۔ جب شاہ صاحب کو بہ تحقیق معلوم ہو گیا کہ یہ میرے قتل کے لیے نرغہ کر کے آئے ہیں تو انھوں نے اپنے دوستوں سے کہا تم جان بچا کر چلے جاؤ اور مجھے ان مفسدوں کے ہاتھوں شہید ہونے دو۔[۱۳]"

لیکن شاہ صاحبؒ کے رفقاء اور عقیدت مندوں نے آپ کو بالکل علیحدہ نہ چھوڑا اور وہ سب تلواریں لے کر مقابلہ کرنے پر تیار ہو گئے ان کے جوش و خروش کو دیکھ کر کٹ ملانوں اور ان کے ساتھی بدمعاشوں کے حوصلے پست ہو گئے ۔ شاہ صاحبؒ نے بھی فاروقی جلال کا مظاہرہ کیا اور جوشِ ایمانی کے ساتھ بآوازِ بلند نعرۂ تکبیر لگاتے ہوئے مسجد سے نکلے اور کسی مفسد کو آپ کی طرف نظر بد اٹھا کر دیکھنے کی بھی ہمت نہ ہوئی ۔

اس ترجمہ میں آپ نے کن امور کو ملحوظِ خاطر رکھا اور ترجمہ سے مقصود کیا تھا ۔ یہ آپ نے مقدمہ قرآن میں خود ہی بیان فرمایا ہے ذیل میں ہم اس کی اردو میں تلخیص پیش کرتے ہیں ۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ کتاب فن ترجمہ قرآن کے متعلق ہے ۔ ہم نے عربی کے منظم اور مدلل مضمون کو بزبانِ فارسی ادا کیا ہے اس طریقہ سے کہ نحوی رعایت بھی ہو اور لحاظِ تقدیم بھی (جہاں تک مناسب ہو) حذف کیے گئے مضمون کا اظہار بھی ہو اور ترتیبِ الفاظ میں ترجمہ کی زبان عبارتِ قرآن سے موافقت بھی رکھتی ہو البتہ وہ مقامات مستثنیٰ ہیں جہاں دونوں زبانوں کے اختلافِ مزاج کے باعث لفظی رکاکت یا تعقید کا پیدا ہونا لازم آتا ہو ۔ ضروری حد تک اسبابِ نزول کو بیان کیا گیا ہے اور اسی طرح مشکل مقامات کی وضاحت بھی صرف ضروری حد تک کی گئی ہے ۔

ترجمہ قرآن کی تیاری متنِ قرآن اور مختصر فارسی رسائل کے مطالعہ کے بعد کی گئی ہے تاکہ فارسی زبان کی عبارت دستکاروں اور سپاہیوں کے بچوں تک کی سمجھ میں آ جائے کیونکہ ان کے متعلق امید نہیں کہ وہ علومِ عربیہ کی تکمیل کریں گے ۔ اور سنِ شعور سنبھالنے کے بعد ان لوگوں کو اس کتاب کی تعلیم دینی چاہیئے تاکہ پہلی چیز جو ان کے سینوں میں راسخ ہو وہ کتاب اللہ کے

مضامین جو ان کی فکر ان کی بلا مناسبت فطری ضائع نہ ہو اور دیگر فنون اور علموں کی باتیں ان کو فریفتہ نہ کریں جیسا کہ اکثر تصوف کا لبادہ اوڑھ کر دنیا کو دھوکہ کرتے رہتے ہیں۔

اس کتاب میں ان امور کے متعلق جن کا تعلق "نقل" سے ہے صرف صحیح ترین تفاسیر محدثین بخاری و ترمذی سے مدد لی گئی ہے اور حتی الامکان ضعیف روایات یا موضوع قصوں سے اجتناب کیا گیا ہے اور نیز اسرائیلیات سے بھی پرہیز کیا گیا ہے جو صرف اہل کتاب سے منقول ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے بارے میں کوئی روایت نہیں۔

دیگر تصانیف :-

"فتح الرحمان" یعنی ترجمہ قرآن کے علاوہ شاہ صاحبؒ نے اور بھی بہت سے علوم و فنون پر عربی و فارسی میں بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ یہ کتابیں کیا ہیں علم و ادب کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے بحر ناپیدا کنار ہیں۔ ان پر تفصیلی تبصرہ کا تو یہ موقع نہیں مختصر سی کیفیت کے ساتھ ان میں سے بعض کے اسماء ذکر کر دینے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے :-

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	فن	مختصر کیفیت
۱	الفوز الکبیر	عربی	اصول تفسیر	اصول تفسیر پر مختصر مگر جامع رسالہ ہے
۲	فتح الخبیر		"	یہ الفوز الکبیر کا دوسرا حصہ ہے مگر مصنف نے اس کا نام علیحدہ تجویز کیا
۳	المصفیٰ فی شرح الموطا	فارسی	حدیث	موطا امام مالکؒ کی بہترین شرح ہے جس کے مطالعہ سے حدیث و فقہ میں کمال اور استخراج مسائل میں مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔
۴	المسویٰ فی احادیث الموطا	عربی		یہ بھی موطا کی ایک بے نظیر اور قابل قدر شرح ہے۔ ابتداءً المصفیٰ کے حاشیہ پر تھی لیکن بعد میں علیحدہ بھی شائع ہو گئی ہے۔

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	فن	مختصر کیفیت
۵	حجۃ اللہ البالغہ	عربی	اسرارِ شریعت	اسرارِ حدیث اور مصالحِ احکام ایسے دلنشیں انداز میں بیان کیے گئے ہیں کہ اس کی مثال متقدمین کے ہاں ملنی بھی مشکل ہے۔ حکمت، حدیث، فقہ، تصوف، اخلاق اور فلسفہ وغیرہ بہت سے علوم اس کتاب میں ہیں۔
۶	تراجم البخاری	عربی	حدیث	یہ صحیح بخاری کے تراجم ابواب کی شرح ہے۔
۷	الانصاف فی بیان سبب الاختلاف	عربی	فقہ الحدیث	اس کتاب میں وضاحت کی گئی ہے کہ قرآن وحدیث کے ہوتے ہوئے اقوالِ فقہاء کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ کتاب وسنت کے مقابلہ میں امام کی تقلید حرام ہے۔
۸	عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید	عربی	فقہ الحدیث	اس مختصر رسالہ کا موضوع بھی اجتہاد و تقلید ہے۔
۹	ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاءؔ	عربی	خلافت صحابہ	اس میں خلفاء اربعہ کی خلافت کے متعلق محققانہ بحث ہے۔
۱۰	قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین	″	″	اس میں نقلی و عقلی دلائل سے حضرات شیخین جناب ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کی افضلیت ثابت کی گئی ہے۔

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	فن	مختصر کیفیت
۱۱	فیوض الحرمین	عربی	تصوف	اس رسالہ میں حرمین کے واقعات کے علاوہ تصوف کے بہت سے مباحث آ گئے ہیں۔
۱۲	الطاف القدس	فارسی	تصوف	اس میں شاہ صاحبؒ نے اپنے الہامات کو ذکر کیا ہے۔
۱۳	الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین	عربی	تصوف	اس میں شاہ صاحبؒ نے اپنے والد بزرگوار اور عم محترم شیخ ابوالرضا محمد کے وہ واقعات لکھے ہیں جو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک سے حاصل کیے۔
۱۴	تاویل الاحادیث	عربی	تاریخ انبیا	اس میں حضرت آدمؑ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک ان انبیاء کرام کے حالات بیان کیے گئے ہیں جن کا تذکرہ قرآن میں آیا ہے
۱۵	انفاس العارفین	فارسی	تاریخ	اس کتاب میں شاہ صاحبؒ نے اپنے والد صاحب، عم بزرگوار شیخ ابوالرضا محمد اور دیگر اجداد عظام کے حالات شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔
۱۶	شرح رباعیتین	〃	تصوف	یہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی دو رباعیوں کی نہایت عمدہ شرح ہے۔
۱۷	اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم			جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں ایک بڑا قصیدہ ہے

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	فن	مختصر کیفیت
۱۸	الجیب المنعم فی مدح سید العرب والعجم	فارسی	تصوّف	جیسا کہ نام سے ظاہر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں یہ ایک
۱۹	سطعات	״	״	اس رسالہ میں اسم الٰہی، اصطلاحات صوفیہ اور تصوّف کے بہت سے موز وارشادات کی تشریح ہے
۲۰	انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ	״	״	اس میں اولیاء اللہ کے حالات و واقعات مذکور ہیں۔
۲۱	دچہل حدیث	عربی	حدیث	جامع قسم کی چالیس حدیث کا مجموعہ ہے۔
۲۲	ہوامع شرح حزب البحر	فارسی	ادعیہ	دعاء حزب البحر کی نہایت عمدہ شرح ہے۔
۲۳	حسن العقیدہ	عربی	عقائد	
۲۴	سرور المحزون	فارسی	״	
۲۵	القول الجمیل	عربی	تصوف	
۲۶	الارشاد الی مہمات الاسناد	״	علم اسناد	
۲۷	فیما یجب حفظہ للناظر	״	علم حدیث	
۲۸	انسان العین فی مشائخ الحرمین	فارسی	تاریخ	
۲۹	الامداد فی مآثر الاجداد	״	״	اپنے خاندان کے حالات
۳۰	نبذۃ الابریزیہ فی لجنۃ العزیزیہ	״	״	״ ״ ״ ״
۳۱	العطیۃ الصمدۃ فی الانفاس المحمدیۃ	عربی	تصوف	
۳۲	مکتوبات مع فضائل ابی عبداللہ البخاریؒ وفضائل شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ	فارسی	سیرت	بعض ایڈیشنوں سے فضائل ابن تیمیہؒ کا حصّہ نکال دیا گیا ہے۔

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	فن	مختصر کیفیت
۳۳	وصیّت نامہ	″	وصیّت	
۳۴	فیضِ عام	″	متفرّقات	
۳۵	مکتوبات	″	تصوّف	
۳۶	مکتوب مدنی	″	″	
۳۷	ہمعات	″	″	
۳۸	لمعات	″	″	
۳۹	خیر کثیر	″	″	
۴۰	شفاء القلوب	″	″	
۴۱	البدور البازغہ	″	″	
۴۲	زہراوین	″	″	
۴۳	تفہیمات			
۴۴	انتباہ فی اسناد حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	عربی	علم حدیث	
۴۵	المقدمۃ السنیۃ	″	عقائد	
۴۶	المقالۃ الوضیۃ	″	وصیّت	
۴۷	فتح الودود ومعرفۃ الجنود	″	علم الخلائق	
۴۸	مسلسلات	″	علم اسناد	
۴۹	عوارف	″	تصوّف	
۵۰	مکاتیب	″	علم الانشاء	

سیاسی خدمات

گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے معلوم ہو گیا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحؒ ایک بہت بڑے عالمِ دین، نامور مفکر، عظیم روحانی پیشوا، بلند پایہ محقق و مصنف اور صاحبِ طرز انشاء پرداز تھے۔ پوری زندگی تدریس تحریر اور تبلیغ کے ذریعہ خدمتِ دین میں بسر کر دی ان اوصاف کے ساتھ ساتھ آپ ایک بلند پایہ سیاسی مدبر بھی تھے۔

آپ کے دور میں ہندوستان پر انحطاط و ادبار کی نحوستیں چھائی ہوئی تھیں ۱۷۳۷ء میں نادر شاہ نے حملہ کیا اور دہلی میں خون کی ندیاں بہا دیں اس خوں ریزی میں مرنے والوں کا اندازہ آٹھ ہزار سے ڈیڑھ لاکھ کے درمیان ہے۔ خزانہ شاہی سے بائیس کروڑ روپیہ، نوے کروڑ کے جواہرات اور تختِ طاؤس وغیرہ کو لوٹ لیا گیا اور عوام سے لوٹی گئی دولت کا اندازہ بھی ستر اسی کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ علاوہ ازیں اس حملہ کی وجہ سے سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ ملک کا شیرازہ منتشر ہو گیا اور یاد رہے کہ شیرازہ ملک کے انتشار کی ابتداء تو اس سے بھی بہت پہلے ہو چکی تھی۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد ہی ارکانِ سلطنت ایرانی و تورانی اور شیعہ و سنی کش مکش میں مبتلا ہو کر خانہ جنگی کا شکار ہو گئے تھے۔ غرضیکہ حکمرانوں کی ناعاقبت اندیشیوں، اپنوں کی غداریوں اور غیروں کی سازشوں کی وجہ سے ملک و ملت کی حالت نہایت ابتر تھی اندریں صورتِ حال شاہ ولی اللہ رحؒ نے جو سیاسی خدمات سر انجام دیں وہ نہایت قابلِ قدر ہیں۔

ایک طرف تو آپ نے سیاسیات اور نظامِ حکومت کے اصول و قواعد کتاب و سنت کی روشنی میں اپنی تصنیفات خصوصاً "حجۃ اللہ البالغہ" میں بیان فرماتے اور ساتھ ہی اقتصادی تباہ حالیوں اور دیگر بربادیوں سے نجات کے طریقے بتاتے اور دوسری طرف یہ آپ کی کوششوں کا ہی نتیجہ تھا کہ پانی پت کے میدان میں احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں مرہٹوں کو عبرت ناک شکست ہوئی۔ شاہ صاحبؒ نے جب سکھوں، جاٹوں اور مرہٹوں کے خطرناک عزائم کا اندازہ لگا لیا تو آپ نے نواب نجیب الدولہ، نواب نظام الملک آصف جاہ، حافظ رحمت خاں اور احمد شاہ ابدالی وغیرہ مسلمان حکمرانوں کو انتہائی پُر از تاثیر مکتوبات لکھ کر اس

صورتِ حال سے مطلع کیا۔ شاہ صاحبؒ کے ان مکتوبات کو پروفیسر خلیق نظامی نے "شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات" کے نام سے شائع کر دیا ہے۔

وفات اسلام کے اس بطلِ جلیل، عظیم مفکر، نامور روحانی پیشوا اور مجددِ علوم و فنون نے ساری زندگی اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں بسر کرنے کے بعد تریسٹھ برس کی عمر میں خفیف سے مرض میں مبتلا ہو کر ۱۱۷۶ھ میں داعی اجل کو لبیک کہہ کر اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر دی اور شاہجہان آباد کے جنوبی جانب پرانی دلی میں اپنے والدِ مرحوم کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔ تاریخِ وفات اس مصرعے سے نکلتی ہے ع

امام او بود امام اعظم دیں

آپ نے شاہ محمدؒ، شاہ عبدالعزیزؒ، رفیع الدینؒ، شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ عبدالغنیؒ فرزندانِ گرامی یادگار چھوڑے۔ اب ہم آخر میں حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ کے اس خراجِ تحسین کو ذکر کر کے آپ کے ذکرِ خیر کو ختم کرتے ہیں جو انہوں نے آپ کے حضور پیش کیا ہے، فرماتے ہیں:۔

> "...... پھر بارہویں صدی کا ایک عظیم ترین ظہورِ علوم و معارف دیکھو۔ زمین بنجر ہو چلی تھی، پھر بھی کھیتوں کی سبزی اور چمنوں کی لالی سے کوئی گوشہ بالکل خالی نہ تھا۔ ۱۲ویں صدی کے تمام کاردبارِ علم طریقت کے اکابر اساتذہ اسی صدی میں سربرآوردہ ہوئے بعض بڑے بڑے سلاسلِ درس و تدریس کی بنیادیں اسی عہد میں استوار ہوئیں جیسے خاندانِ مشہور فرنگی محل اور ہندوستان سے باہر بلادِ عربیہ و عثمانیہ میں اکثر مشاہیر علم و ارشاد جیسے شیخ ابراہیم کورانی، محمد بن احمد سفارینی نجدی، سید عبدالقادر کوکبانی، شیخ سالم بصری، امیر محمد بن اسماعیل یمانی، شیخ عبدالخالق زبیدی، علامہ فانی صاحب "ایقاظ"، شیخ محمد حیات سندھی المدنی وغیرہ کہ شاہراہِ عام سے اپنی الگ راہ رکھتے تھے اور حقیقتِ مستورہ کے شناسا و حق آگاہ

تھے۔ یہ بات بھی معلوم ہے کہ وہ جو دور آخر کے "فاتح" اور "سلطان" ہونے کا مقام تھا اور "قطبیت وقت" کا وہ صرف حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہ رضی اللہ عنہ ہی کے لیے تھا اور لوگ بھی بیکار نہ تھے کام کرتے رہے مگر جو کام یہاں انجام پایا وہ صرف انہیں کے لیے تھا ؎

فیضی احمدیت زیں گلشن گردد ران امرز
گرم وارد نہ تو ہنگامۂ رسوائی را !

"تفہیمات" میں اسی معاملہ کے معارف لکھتے ہوئے کہیں تو اپنی طرف بیگانہ وار اشارہ کر جاتے ہیں اور کہیں جوش قلبی کی بے اختیاری میں صاف صاف لکھ گئے ہیں چنانچہ اپنے ترجمہ میں لکھتے ہیں

"بر صدرم دمیدا ند کہ این حقیقت برہم برساں کہ امروز وقت وکیت قسمت و زمام زبان تو وابستہ است کہ زیر دامن تو باشد"

ایک اور تعبیر میں یہ کیفیت زیادہ سرمستی کے ساتھ کھلی ہے :

"فہمنی ربی انا جعلناک امام ھذہ الطریقة وسددنا طرق الوصول الی حقیقة القرب کلھا الیوم غیر الطریقة الواحدة وھو محبتک والانقیاد لک والسما لیس علی من عاداک بسماً ولیست الأرض علیہ بارض فاھل الشرق والغرب کلھم رعیتک وانت سلطانھم علموا او لم یعلموا فان علموا فازوا وان جھلوا خابوا" ....

اس باب میں ان کے اشارات بے شمار ہیں علی الخصوص تفہیمات میں کہ متعدد رسائل و مقامات اسی مقام کی شرح و تحقیق میں لکھے ہیں اور ان سب کے آخر میں ذوق باطن کے التہاب و اضطراب سے بے خود ہو کر اپنے معاملات کی طرف بھی اشارہ کر جاتے ہیں گویا ابوالعلاء کی کا یہ شعر جا بجا نئے نئے پیرایوں میں ان کی زبان پر ترنم اور قلب تحدیث نعمت آمادہ ہو جاتا ہے ؎

وانی ان کنت الاخیر زمانہ
لآت بما لم تستطعہ الاوائل

شاہ محمد بن ولی اللہ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے حالات میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب انہوں نے رحلت فرمائی تو پانچ صاحبزادے یادگار چھوڑے۔ ان میں سب سے بڑے حضرت شاہ محمدؒ تھے۔ آپ اپنے دیگر بھائیوں کی طرح مشہور و معروف نہیں ہیں شاید اسی وجہ سے اکثر و بیشتر تذکرہ نگاروں نے آپ کا ذکر خیر ہی نہیں کیا۔ آپ بہت زیادہ صاحب علم اور صوفی منش بزرگ تھے۔ ولادت و نشأت دہلی میں ہوئی۔ تمام علم اپنے والد گرامی سے پڑھا۔ جب تک والد بقید حیات تھے آپ ان کے پاس رہے۔ ان کی وفات کے بعد بڈھانہ منتقل ہو گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ حتیٰ کہ ۱۲۰۸ھ میں دنیا فانی سے عالم جاودانی کو سدھار گئے۔ بڈھانہ کی جامع کبیر میں آپ کا مدفن ہے۔

شاہ عبدالعزیزؒ

آپ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے دوسرے نامور صاحبزادے ہیں۔ ۱۱۵۹ھ میں ولادت باسعادت ہوئی۔ تاریخی نام "غلام حلیم" تھا۔ خاندانی روایت کے مطابق نہایت ذہین، فطین، سلیم الطبع، خوش فہم اور طباع تھے۔ پانچ سال کی عمر میں قرآن مجید پڑھنا شروع کیا پھر فارسی کی ابتدائی درسی کتابوں کو پڑھا۔ صرف و نحو کی کچھ کتابیں بھی پڑھ لیں۔ قدرت کی طرف سے ذہن رسا پایا۔ سرسید نے لکھا ہے کہ:

> "بارہا اتفاق ہوا کہ کتب غیر مشہورہ کی کئی عبارات طویل زبانی یاد کے املا پر طلبا کو لکھوا دیں اور جب اتفاقاً وہ کتابیں دستیاب ہوئیں تو دیکھا گیا کہ جو عبارات آپ نے لکھوا دی تھیں اس میں کسی حرف کا فرق نہ تھا"

گیارہ سال کی عمر میں آپ کی تعلیم کا باقاعدہ آغاز ہوا اور تیرہ سال کی عمر تک آپ نے فقہ، اصول، صرف، نحو، منطق، عقائد، کلام، ہندسہ، ہیئت اور ریاضی وغیرہ بہت سے علوم میں کامل مہارت حاصل کر لی اور ساتھ ہی کتب تفسیر و حدیث کو بھی پڑھا

جب حضرت شاہ ولی اللہ رح کا انتقال ہوا اس وقت آپ سولہ برس کے تھے اگرچہ ان مذکورہ علوم میں مہارت حاصل کر کے اس وقت تک فارغ ہو چکے تھے تاہم علمی تشنگی کی مزید تسکین کے لیے آپ نے اپنے والد کی وفات کے بعد شیخ نور اللہ بڑھانوی رح شیخ محمد امین کشمیری رح اور شیخ محمد عاشق بن عبید اللہ پھلتی رح سے بھی کسب فیض کیا۔ یاد رہے یہ تینوں بزرگ شاہ ولی اللہ رح کے جلیل القدر رفقاء میں سے تھے۔ شاہ عبدالعزیز رح کا ایک مستقل رسالہ بھی ہے جس میں آپ نے جو اپنے والد گرامی سے پڑھا اور جو دیگر علماء سے پڑھا ہر ایک کی تفصیل بیان کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ :۔

> ”میں نے ”موطا“، ”مشکوٰۃ المصابیح“ اور دیگر کتب حدیث کو مکمل طور پر اپنے والد صاحب سے پڑھا ”حصن حصین“ اور ”شمائل ترمذی“ کی قرأت برادرم شیخ محمد نے کی اور میں نے سماع کیا۔ ”جامع ترمذی“، ”سنن ابی داؤد“ کی قرأت مولوی ظہور اللہ مراد آبادی نے اور سماعت میں نے کی۔ ”مقدمہ صحیح مسلم“ اور کچھ احادیث ”اور سنن ابن ماجہ“ کے کچھ حصوں کی قرأت محمد جواد پھلتی نے اور سماعت میں نے کی ”مسلسلات“ ”جامع الاصول“ کے کچھ اجزاء ”اور سنن نسائی“ کے کچھ حصوں کی قرأت مولوی حاد اللہ نے اور سماعت میں نے کی۔ ”اور سنن نسائی“ کا بقیہ اور دیگر کتب، صحاح میں نے شیخ نور اللہ اور خواجہ محمد امین سے پڑھیں اور ان کے علاوہ دیگر کتب کی سند اجازت میں نے اپنے والد کے افضل ترین خلیفہ شیخ محمد عاشق پھلتی سے حاصل کی۔ اور ان تینوں بزرگوں نے میرے والد صاحب سے پڑھا تھا۔ یاد رہے کہ شیخ محمد عاشق تو شیخ ابو طاہر مدنی سے پڑھنے میں میرے والد مرحوم کے شریک بھی رہے تھے جیسا کہ آپ کی اسانید ”الارشاد فی مہمات الاسناد“ اور دیگر کتابوں میں مذکور ہیں[۱۵]۔“

والد مرحوم کی وفات کے بعد آپ ان کی مسند پر فائز ہوتے اور اسے چار چاند

لگا دیتے۔ نہایت مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ حدیث اور دیگر مروجہ علوم کا درس دیتے کہ تشنگانِ علوم دیوانہ وار دور دراز سے کھنچے چلے آتے اور آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کو باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ آپ بھی طلبہ کے ساتھ شفقت اور حسنِ اخلاق سے پیش آتے تھے۔ غرضیکہ وہ عظیم درسگاہ، شاہ عبدالرحیمؒ نے جس کا سنگ بنیاد رکھا اور شاہ ولی اللہؒ نے جسے عروج پر پہنچا دیا تھا آپ نے اس کے وقار میں سرِمو فرق نہ آنے دیا؛ چنانچہ صاحبِ اتحاف فرماتے ہیں:۔

جناب شاہ عبدالعزیزؒ صاحب اپنے وقت کے نہایت زبردست عالم تھے۔ اس زمانہ کے تمام علماء و مشائخ آپ کی طرف رجوع کرتے تھے اور بڑے بڑے فضلاء آپ کی خدمتِ تلمذ پر بے حد فخر کیا کرتے تھے۔ آپ کا علوم متداولہ وغیرہ میں وہ پایہ تھا جو بیان میں نہیں آسکتا۔ کثرتِ حفظ، علم تعبیر رؤیا، سلیقۂ وعظ، انشاء پردازی، تحقیق نفاست علوم میں تمام ہمعصروں میں امتیازی نگاہوں سے دیکھے جاتے اور مخالفین اسلام کو ایسی سنجیدگی و متانت سے دندان شکن جواب دیتے تھے کہ وہ ہونٹ چاٹتے رہ جاتے تھے آپ کی تقریر میں اس بلا کا جادو تھا جس کا مخالف و موافق پر برابر اور یکساں اثر پڑتا تھا۔ آپ کی شیوا بیانی اور سلجھی ہوئی تقریر کی تمام ہندوستان میں دھوم مچی ہوئی تھی اور یہ بات تمام لوگوں میں مشہور تھی کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے وہ طرزِ بیان اختیار کی ہے کہ ان کی مجلسِ وعظ سے ہر مذہب و ملت کا شخص خوش ہو کر اٹھتا ہے متعصب اور ہٹ دھرم لوگ بھی آپ کی بات بلاتردد تسلیم کرتے اور حسنِ تقریر کے آگے فوراً اطاعت کی گردنیں جھکا دیتے ہیں

موافق تو موافق مخالف کے دل میں بھی آپ کا بے انتہا وقار و احترام تھا آپ نے اپنی عمر کا سارا حصہ طلبا کی تدریس، مریدوں کی ارشاد و تلقین، طالب العلموں کی تکمیل، وعظ و نصیحت اور فصل خصومات میں صرف کیا۔ آپ ظاہری جاہ و عزت، صوری احترام و تمکنت، باطنی کمالات کے ساتھ فراہم رکھتے تھے۔ غرضیکہ تقدس مذہبی کے علاوہ دنیادی اعزاز میں کوئی مرتبہ ایسا نہ تھا جو فیاضِ ازل نے آپ سے

دریغ رکھا ہو۔ آپ کی شاگردی پر بڑے بڑے فضلاء کو فخر ہے اور آپ کی ترتیب دی ہوئی کتابوں پر علمائے فحولِ کو بہت کچھ اعتماد و بھروسہ ہے۔ الحاصل جناب شاہ عبدالعزیزؒ صاحب کا واجب الاحترام خاندان علومِ حدیث اور فقہ کا مخزن اور رسمی فنون کا سرچشمہ ہے۔ اس مقدس و شریف علم کی خدمت جس قدر اس اہلِ بیت سے وجود پذیر ہوئی ہے ہندوستان میں کیا دوسری ولایتوں میں بھی کسی خاندان کی نسبت نہیں سنی گئی۔

درحقیقت عمل بالحدیث کا بیج ہندوستان کی بنجر اور ناقابل زمین میں آپ کے والد بزرگوار جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے بویا اور آپ نے اسے پانی دیتے دیتے یہاں تک نوبت پہنچائی کہ اس سے ایک نہایت خوشنما اور نونہال پودا پھوٹا جو چند روز میں سرسبز و شاداب ہو کر لہلہانے لگا اور پھر تھوڑے ہی عرصہ میں دُور دُور کے لوگ اس کے پھل و پھول سے گودیاں لبریز کر کے جانے لگے۱؎“

شاہ صاحب سرو قد، چھریرے بدن، گندمی رنگ، چمکیلی آنکھوں اور گھنی داڑھی والے مرنجانِ مرنج طبیعت کے بزرگ تھے۔ خطِ نسخ میں کمال حاصل تھا نیز نیزہ بازی اور شہسواری میں بھی مہارت رکھتے تھے۔

تلامذہ

بہت لوگوں نے آپ سے کسبِ فیض کیا اور بے شمار لوگوں نے آپ سے اکتسابِ علوم و فنون کیا چنانچہ آپ کے تلامذہ کی ایک مختصر سی فہرست درجِ ذیل ہے۔

(۱) شاہ عبدالقادر (۲) شاہ رفیع الدین (۳) شاہ عبدالغنی (۴) مولانا عبدالحی بڑھانوی (۵) مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (۶) سید قمر الدین سونی پتی (۷) شاہ غلام علی بن عبداللطیف دہلوی (۸) سید قطب ہدی بن محمد واضح بریلوی (۹) شاہ محمد اسحٰق صاحب مہاجر (۱۰) مفتی صدر الدین خان صاحب دہلوی (۱۱) مولانا مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدین (۱۲) مولانا رشید الدین خاں صاحب دہلوی (۱۳) مولانا کریم اللہ صاحب دہلوی (۱۴) مولانا میر محبوب علی صاحب (۱۵) مولانا محمد یعقوب صاحب (۱۶) مولانا عبدالخالق صاحب (۱۷) مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی (۱۸) مولانا حسن علی صاحب لکھنوی (۱۹) مولانا

حسین احمد صاحب ملیح آبادی (۲۰) مولانا محمد قاسم صاحب (۲۱) قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی (۲۲) مولانا سلامت اللہ بدایونی (۲۳) مولانا حکیم فیاض خاں (۲۴) مولانا شاہ ابوسعید (۲۵) شاہ فضل الرحمان گنج مرادآبادی (۲۶) مولانا خرم علی بلہوری (۲۷) شاہ احمد سعید مجددی (۲۹) مولانا محمد شکور مچھلی شہری (۳۰) مولانا سید حیدر علی (۳۱) مولانا شاہ ظہور الحق قادری پھلواری (۳۲) سید جیلانی فاروقی (۳۳) مولانا سید رمضان علی (۳۴) مولانا شیخ فضل حق کاکوروی (۳۵) شاہ رحمن بخش چشتی (۳۶) سید احمد شہید (۳۷) امام محمد اسمٰعیل شہید رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

یہ شاہ صاحبؒ کے علم و فضل میں کمال کا نتیجہ ہی تھا کہ اطراف و اکنافِ عالم سے یہ تشنگانِ علوم آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ حیرت ہوتی ہے کہ شاہ صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے ان علوم و فنون میں بھی ید طولیٰ عنایت فرمایا جن میں عام علماء کو قطعاً دلچسپی نہیں ہوتی؛ چنانچہ مولانا امیر شاہ خاں فرماتے ہیں کہ :۔

> "شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے پاس ایک جہازراں انگریز آیا اور کہا کہ میں نے سنا ہے آپ کو ہر فن میں دخل ہے۔ جہازرانی میں بھی آپ کو کچھ آتا ہے؟ شاہ صاحبؒ نے جو بعض پرزوں کے حالات بیان کیے تو وہ اس کو بھی یاد نہ تھے۔ اس کو حیرت ہوئی۔ پوچھا۔ تو فرمایا کہ بچپن میں اس فن کی ایک کتاب دیکھی تھی۔ اس میں سے ہی کچھ یاد ہو گیا تھا۔"

تفسیر و حدیث، منطق و فلسفہ، صرف و نحو، معانی و بیان اور دیگر علوم میں تبحر کے ساتھ علمِ فتاویٰ میں بھی آپ کو مجتہدانہ بصیرت حاصل تھی۔ آپ کے فتاویٰ اس قدر جامع، مدلل اور محقق ہوا کرتے تھے کہ بڑے بڑے مفتیانِ کرام اور علمائے عظام انہیں دیکھ کر دنگ رہ جاتے تھے اسی وجہ سے ملا رشیدی نے اپنے ایک مکتوب میں آپ کو لکھا :۔

> "شاہ صاحب! آپ کا کچھ ایسا اثر بلادِ اسلامیہ میں ہوا ہے کہ جب کوئی فتویٰ دیا جاتا ہے اور علماء اس پر اپنی مہریں کرتے ہیں تو ہر شخص فتویٰ

میں آپ کی مہر کا متلاشی رہتا ہے اور وہ فتویٰ جب تک اس پر آپ کی مہر نہ ہو زیادہ وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ اگر آپ یہاں تشریف لے آویں تو ہم لوگوں کے لیے بڑے افتخار کی بات ہے اور سلطان ٹرکی بھی آپ کی بڑی عزت کرتے ہیں[۲۰]“۔

تصنیفات

اگرچہ آپ نے اپنے والد مرحوم کی طرح کثرت سے کتابیں تصنیف نہیں فرمائیں تاہم وقتاً فوقتاً جو کچھ آپ کے قلم سے نکلا علم و تحقیق کی منہ بولتی تصویر ہے اور تب سے لے کر اب تک ایک دنیا اس سے استفادہ کر رہی ہے[۲۱]۔ چنانچہ آپ کی تصنیفات کی فہرست درجِ ذیل ہے۔

(۱) تفسیر عزیزی (۲) تحفہ اثنا عشریہ (۳) بستان المحدثین (۴) شرح میزان المنطق (۵) حواشی بدیع المیزان (۶) حواشی شرح عقائد (۷) عجالہ نافعہ (۸) سر الشہادتین (۹) الفتاوی فی المسائل المشکلۃ (۱۰) میزان البلاغہ (۱۱) میزان الکلام (۱۲) السر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل۔ (۱۳) رسالۃ فی الانساب (۱۴) رسالۃ فی الرؤیا (۱۵) حاشیہ میر زاہد (۱۶) حاشیہ میر زاہد ملا جلال (۱۷) حاشیہ میر زاہد شرح مواقف (۱۸) حاشیہ ملا کوسج (۱۹) حاشیہ شرح ہدایت الحکمۃ۔

قومی احساس

شاہ صاحبؒ عالم و فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ عربی و فارسی کے قادر الکلام اور صاحبِ طرز شاعر و انشاء پرداز بھی تھے آپ کے کلام کے نمونے ”حیاتِ عزیزی“ ”حیاتِ ولی“، ”نزہۃ الخواطر“ اور دیگر تذکروں میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ آپ کے مکتوبات اور منظومات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پہلو میں ایک دلِ دردمند رکھتے تھے جو مسلمانوں کی تباہی و بربادی اور زبوں حالی پر کڑھتا رہتا تھا۔

آپ نے اپنی بعض نظموں میں اسلام کی غربت، مسلمانوں کی ابتری حالت،

دلّی کی تباہی و بربادی اور سکھوں، جاٹوں اور مرہٹوں کی لوٹ مار اور غارت گری کا اس قدر درد انگیز پیرایہ بیان میں نقشہ کھینچا ہے کہ پڑھنے سے رقت طاری ہو جاتی ہے۔ آپ نے اسلام اور مسلمانوں کی بے کسی و بے بسی کے متعلق اپنے منظومات و مکتوبات میں جذبات و احساسات اور تاثرات کے اظہار پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کی بحالی کے لیے عملی طور پر بھی اقدام کیا کہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی تعلیم و تربیت کے بعد انہیں نواب امیر خاں کے پاس بھیج دیا تاکہ اس کے لشکر میں رہ کر عسکری تربیت حاصل کر کے جہاد کریں اور مسلمانوں کو آلام و مصائب کے جنگل سے باہر نکال لائیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز ہی وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا اور انگریزوں اور دیگر طاغوتی طاقتوں کے خلاف جہاد کرنے کے لیے فتویٰ صادر فرمایا آپ کے فتویٰ کی اصل عبارت ہم آگے نقل کریں گے۔

شاہ صاحبؒ کی سیاسی بصیرت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ یہ روایت مولانا امیر شاہ خاںؒ :-

> "مولوی عبدالقیوم کے صاحبزادے مولوی محمد یوسف صاحب فرماتے تھے کہ جب انگریزوں کا تسلط ہوا تو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ اب ہندوستان کی سلطنت حکماء کے ہاتھ میں آگئی ہے ان کے ہاتھ سے نکلنا بہت مشکل ہے یہ روایت میں نے مولوی یوسف صاحب سے بلا واسطہ بھی سنی ہے اور بواسطہ مولوی محی الدین خاں مرادآبادی بھی سُنی ہے انتہیٰ"

غور فرمائیے کہ شاہ صاحبؒ کی یہ پیشین گوئی کس قدر سچی ثابت ہوئی اور فرنگیوں نے کتنی شان و شوکت سے دو سو سال تک ہندوستان میں حکومت کی۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس حکایت پر حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس پیشین گوئی کا مبنی کرامت و فراست دونوں ہو سکتے ہیں انفراداً یا اجتماعاً۔

سفرِ آخرت

شاہ عبدالعزیزؒ نے عمر شریف کی ابھی تک صرف پچیس بہاریں ہی دیکھی تھیں کہ مہلک قسم کے امراض کا آپ پر حملہ ہونا شروع ہو گیا،

مراق، جذام، برص اور نابیناپن وغیرہ چودہ امراض میں وقتاً فوقتاً مبتلا رہے۔ بیماریوں کی شدت کے پیشِ نظر کبھی کبھی نوبت یہاں تک جا پہنچتی کہ آپ کا معدہ کام چھوڑ دیتا اور آپ مسلسل کئی کئی دن تک کھانے پینے کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگاتے۔ ان امراض مؤلمہ اور اسقام مفجعہ کے باوجود آپ نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیتے ہیں، ان پر یقیناً حیرت ہوتی ہے۔

آخر عمر میں تبخیر کی شکایت بھی تھی ساتھ بخار بھی شروع ہو گیا، جو کہ آہستہ آہستہ تیز ہوتا گیا اور بالآخر جان لیوا ثابت ہوا۔ مرض الموت میں اوراد و وظائف میں تو معمولی سا فرق آیا لیکن فرائض وسنن میں قطعاً کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی۔ چونکہ خلقِ خدا کی بھلائی ہر وقت پیشِ نظر رہتی تھی اس لیے شدتِ مرض کے زمانہ میں بھی جب وعظ کا دن آیا تو فرمایا کہ مجھے اٹھا کر بٹھا دو اور دو آدمی میرے کندھے پکڑے رہیں البتہ جب میں بیان کرنے لگوں تو پھر چھوڑ دیں؛ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اگرچہ آپ کے لہجہ میں کچھ ضعف کے آثار تھے لیکن استقلال ویسا ہی تھا۔ اختتامِ وعظ کے بعد اعزہ واقارب سے فرمایا میری ملکیت میں جس قدر مال و اسباب ہے سب ایک جگہ جمع کر دو۔ جب تعمیلِ ارشاد کی گئی تو آپ نے اپنا تمام مال واسباب جائز وارثوں میں شریعت کے مطابق تقسیم کر دیا۔

اس کے بعد آپ نے عربی و فارسی کے چند اشعار جو معرفتِ الٰہی کے رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے ایسے دردناک لہجہ میں پڑھے کہ سامعین پر رقت کا عالم طاری ہو گیا۔ بعد ازیں آپ نے وصیت فرمائی کہ میری تجہیز و تکفین مسنون طریقہ کے مطابق کی جائے کفن کے لیئے سادہ کپڑا جیسا کہ میں پہنتا رہا ہوں استعمال کیا جائے۔

پھر آپ اوراد و وظائف میں مشغول ہو گئے۔ زبان پر آیت شریفہ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ کا ورد جاری تھا کہ ۷ ر شوال بروز یک شنبہ بوقت صبح ۱۲۴۰ھ کو آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اور اسی وقت اعزہ و اقارب کی زبان سے غلغلہ بلند ہوا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

شاہ رفیع الدینؒ

شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبدالعزیزؒ سے چھوٹے اور انہیں کی طرح یگانۂ روزگار محدث، متکلم اور اصولی تھے۔ ۱۱۶۳ھ

میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ رحیمیہ میں تعلیم حاصل کی اپنے والدِ ماجد حضرت شاہ ولی اللہؒ کے علاوہ دیگر بڑے بڑے علماءِ کرام سے بھی علم حاصل کیا صرف و نحو، منطق و فلسفہ، ادب و انشا اور تفسیر و حدیث بہت سے علوم میں دسترس رکھتے تھے تفسیر و حدیث کی سند تو اپنے برادرِ اکبر شاہ عبدالعزیزؒ سے حاصل کی۔

شاہ عبدالعزیزؒ جب مختلف امراض میں مبتلا ہو کر نہایت ضعیف ہوگئے تو انہوں نے تدریس کے فرائض آپ کے سپرد کر دیئے۔ آپ ہر فن میں بہت زیادہ دلچسپی رکھتے تھے۔ حافظہ اور ذہانت خداداد پایا۔ ایک ہی وقت میں مختلف انواع و اقسام کے کئی علوم و فنون کا درس دیتے اور ایک فن سے دوسرے میں منتقل ہوتے وقت طبیعت میں قطعاً انقباض محسوس نہ کرتے۔

سخاوت و خدمتِ خلق

علم و فضل میں تبحر کے ساتھ ساتھ متانت و سنجیدگی عاجزی و انکساری، حلم و بُردباری اور جود و سخا کے اوصافِ حمیدہ سے متصف تھے۔ سیرت کی ان بلندیوں میں شاہ عبدالغنیؒ کے علاوہ کوئی آپ کا سہیم و شریک نہیں تھا۔ سخاوت و خدمتِ خلق میں تو آپ خاص طور پر مشہور تھے ایک ایمان افروز واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔ امیر شاہ خاں فرماتے ہیں کہ :۔

> " چار اشخاص شاہ صاحبؒ کے خاندان میں بہت سخی تھے ایک شاہ رفیع الدین صاحب۔ ان کی نسبت سید احمد خاں نے لکھا ہے کہ ان کا کیسۂ زر ہمیشہ خالی رہتا تھا یہ مکان کے باہر چبوترے پر بیٹھا کرتے تھے اور اس پر فرش نہ ہوتا تھا بلکہ صرف چٹائی ہوتی تھی اور کبھی چٹائی بھی دے دیتے تھے اور خالی زمین پر بیٹھتے تھے سارے محلے کی عورتوں کا کام کیا کرتے تھے میرے اُستاد میاں جی محمدی صاحب فرماتے تھے کہ ایک روز شاہ صاحب عورتوں کا سودا خریدنے گئے چونکہ سودے مختلف اور متعدد تھے اس لیے اوّل انہوں نے سودے رومال میں باندھے۔ جب رومال میں گنجائش نہ رہی تو کُرتے میں رکھے۔ جب اس میں بھی گنجائش نہ رہی اور ایک سودا باقی رہ گیا تو اسے ٹوپی میں لے

لیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت وہ اں مجھے دے دیجئے اور ٹوپی خالی کر کے اوڑھ لیجئے تو آپ نے فرمایا نہیں مسلمان کی ہر چیز کام میں آنی چاہیئے۔[۲۲]

تصانیف

شاہ عبدالعزیزؒ کے مبتلائے امراض ہونے کے بعد چونکہ تدریس کی ذمہ داری سے آپ کو عہدہ برآ ہونا پڑا۔ بنا بریں آپ کو تصنیف کے لیے زیادہ وقت میسر نہ آسکا تاہم آپ نے بھی کچھ نہایت مفید علمی یادگاریں چھوڑی ہیں جن میں سرفہرست آپ کا سب سے پہلا اردو ترجمۂ قرآن ہے جو آپ سے لے کر اب تک بہت مقبول ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی تصنیفات درج ذیل ہیں۔

(۱) تکمیل الاذہان (۲) مقدمۃ العلم (۳) دفع الباطل (۴) اسرار المحبۃ (۵) قیامت نامہ (۶) تفسیر آیت نور (۷) حملۃ العرش کی تحقیق میں ایک رسالہ (۸) کتاب التکمیل (۹) رسالہ عروض (۱۰) تاریخ میں ایک رسالہ (۱۱) اثبات شق قمر میں ایک رسالہ (۱۲) تحقیق الایمان میں ایک رسالہ (۱۳) پردہ کے متعلق ایک رسالہ (۱۴) برہان التمانع میں ایک رسالہ (۱۵) عقیدۃ الامالی میں ایک رسالہ (۱۶) منطق میں ایک رسالہ (۱۷) حاشیہ میر زاہد

علاوہ ازیں آپ نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بعض قصائد کو مخمس کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کے متعلق بھی آپ کا ایک قصیدہ ہے۔ یہ اور آپ کے دیگر قصائد آپ کی کتاب "اسرار المحبۃ" کے آخر میں ملاحظہ فرمائیے۔ مولانا فقیر محمد جہلمی نے "حدائق الحنفیہ" میں آپ کی ایک اردو تصنیف "راہ نجات" کا بھی ذکر کیا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی نے اپنے ایک مقالہ "اردو ترجموں کی نوعیت و اہمیت" میں شاہ صاحب کی دو اور کتابوں (۱) سورۃ بقرہ کی تفسیر اردو (۲) تنبیہ الغافلین کا بھی ذکر کیا ہے آپ کی مذکورہ تفسیر ۱۲۴۲ھ میں طبع بھی ہوئی اور اس کے حاشیہ پر مولانا یعقوب چرخی کی تفسیر بھی تھی۔ غرضیکہ حضرت شاہ رفیع الدینؒ کا دامن کمال بھی تصنیف کے موتیوں سے خالی نہیں بلکہ اس سلسلہ میں آپ کا مقام نہایت ارفع و اعلیٰ ہے۔ آپ کا یہ تمام ذخیرہ خاص اہل علم کے لیے ہے، عوام اس سے بہت کم استفادہ کر سکتے ہیں تاہم شاہ ولی اللہ کے فلسفہ اور افکار و نظریات کے سمجھنے

میں یہ کتابیں بہت ممد و معاون ہیں۔

وفات

شاہ عبدالعزیزؒ بقیدِ حیات تھے کہ آپ عمر شریف کی ستر بہاریں دیکھنے کے بعد ۶ر شوال ۱۲۳۳ھ میں دہلی میں اللہ کو پیارے ہو گئے[۲۳]۔ شاہ عبدالعزیزؒ کو آپ کی وفات سے بہت زیادہ صدمہ ہوا۔ نابینا ہونے کے باوجود جنازہ کو کندھا دینے کی کوشش کر رہے تھے اور فرما رہے تھے :۔

"چہ گویم من طاقتے ندارم"[۲۴]

شاہ عبدالقادرؒ

آپ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے فرزندِ رشید اور شاہ عبدالعزیزؒ و شاہ رفیع الدینؒ کے چھوٹے بھائی تھے۔ علم و فضل اور ورع و تقویٰ میں اپنے خاندان کی روایات کے امین تھے بلکہ سر سید نے تو لکھا ہے :۔

> "آپ کے علم و فضل کا بیان کرنا ایسا ہے کہ کوئی آفتاب کی تعریف فروغ اور فلک کی مدح بلندی کے ساتھ کرے زبان کو کیا طاقت کہ ایک حرف حضرت کی صفات سے لکھ سکے اور قلم کی کیا مجال کہ آپ کی مدائح سے ایک ذرہ لکھ سکے"[۲۵]

۱۱۶۷ھ میں ولادت باسعادت ہوئی۔ بچپن ہی سے بڑے باوقار اور سنجیدہ تھے تمام تعلیم اپنے والدِ ماجد ہی سے حاصل کی۔ علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ کسبِ فیضِ باطنی بھی کیا اور اس سلسلہ میں دوسرے بزرگوں سے بھی استفادہ کیا پوری زندگی تعلیم و تدریس ہی میں بسر کی علم و فضل، فہم و فراست۔ ورع و تقویٰ اور سیاسی تدبیر کے پیشِ نظر وقت کے تمام علماء، امراء سلاطین اور شہزادوں کی گردنیں آپ کے سامنے جھکی رہتی تھیں ایک تذکرہ نویس نے بالکل بجا کہا ہے :۔

> "اگرچہ درویش صفت انسان تھے مگر رؤسائے شہر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، بسبب ادب کے خاموش بیٹھتے اور بدوں آپ کی تحریک کے مجالِ سخن نہ پاتے اور ایک یا دو بات سے زیادہ منہ سے نہ نکلتی"

لیکن کسی جاہ و جلال کے باوصف اپنے اسلاف کی طرح دل کے درویش اور مزاج سے منکسر تھے پیکر اخلاق اور تواضع سے پیش آتے جب کبھی کسی کو خلاف شریعت امر کا مرتکب پاتے تو اُسے بھی نہایت احسن پیرایۂ بیان میں سمجھاتے چنانچہ اپنے وعظ کے دوران ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھا جس کا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے تھا۔ آپ نے وعظ کے بعد اس سے فرمایا ذرا ٹھہر جائیے مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے پھر اسے خلوت میں لے گئے اور فرمایا بھائی! مجھ میں ایک عیب ہے کہ میرا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے ڈھلک جاتا ہے اور حدیث میں یہ یہ وعیدیں آئی ہیں اور پھر آپ نے اسے اپنا پاجامہ دکھایا اور فرمایا خوب غور سے دیکھو کیا واقعی میرا خیال صحیح ہے یا محض وہم ہے۔ اس شخص نے شاہ صاحب کے پاؤں پکڑ لیے اور کہا کہ حضرت آپ کے اندر تو یہ عیب کیوں ہوتا البتہ میرے اندر ہے مگر اس طریقے سے آج تک مجھے کسی نے نہیں سمجھایا تھا اب میں توبہ کرتا ہوں اور انشاء اللہ آئندہ ایسا نہ کروں گا۔

جس طرح آپ کی طبیعت فخر، غرور اور تکبر سے متنفر تھی اسی طرح دوسروں میں بھی ان عیبوں کو آپ پسند نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ آپ کے تلامذہ مولوی فضل حق اور مفتی صدر الدین جس دن خود کتابیں لے کر جاتے اس دن آپ بھی سبق پڑھا دیتے اور جس دن خادموں سے کتابیں اٹھوا کر لاتے آپ سبق ہی نہ پڑھاتے۔

آپ بہت زیادہ صاحب کرامت بزرگ تھے آپ کی بہت سی کرامات زبان زد عام و خاص ہیں۔ مولوی فضل الحسن صاحب فرماتے تھے کہ شاہ عبدالقادرؒ صاحب سے کرامات کا اس قدر کثرت سے صدور ہوتا تھا جیسے خزاں کے زمانہ میں پت جھڑ ہو یا بارش کے وقت بوندیں گرتی ہوں۔

تفسیر، حدیث، صرف ونحو اور ادب وانشاء کے ساتھ ساتھ منطق وفلسفہ میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ مولوی فضل حق اور مفتی صدر الدین ایک دفعہ آپ سے پڑھنے جا رہے تھے کہ راستہ میں ہم ساتھیوں کی گفتگو کہ اس خاندان (ولی اللّٰہی) کے لوگ حدیث، تفسیر اور فقہ وغیرہ علوم دینیہ تو خوب جانتے ہیں مگر معقولات نہیں جانتے، چنانچہ ابھی وہ پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ شاہ صاحب نے خدام کو حکم دیا کہ ایک بوریا مسجد سے باہر ڈال دو اور ایک مسجد کے اندر اور جب فضل حق

اور صدر الدین آئیں تو ان کو وہیں بٹھا دو۔ جب ان کے آنے کی آپ کو اطلاع ہوئی تو تشریف لائے اور اپنے بیٹھے پہ جلوہ افروز ہوگئے اور فرمایا کہ میاں فضل حق اور میاں صدر الدین آج سبق پڑھانے کو توجی نہیں چاہتا۔ یوں جی چاہتا ہے کہ کچھ معقولیوں کی خرافات میں گفتگو ہو انہوں نے کہا جیسے حضرت کی خوشی ہو۔ اس پہ آپ نے فرمایا کہ اچھا بتاؤ کہ متکلمین کا کون سا مسئلہ ایسا ہے جو فلاسفہ کے مقابلہ میں بہت ہی کمزور ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت متکلمین کے تو اکثر مسائل کمزور ہی ہیں مگر فلاں مسئلہ تو بہت ہی کمزور ہے اس پہ آپ نے فرمایا کہ اچھا تم فلاسفہ کا مسئلہ لو اور ہم متکلمین کا اور گفتگو کریں انہوں نے عرض کیا کہ بہت اچھا اس پہ گفتگو ہوئی اور آپ نے دونوں کو عاجز کر دیا۔

اس کے بعد فرمایا کہ فلاسفہ کا کون سا مسئلہ کمزور ہے اس پہ انہوں نے عرض کیا کہ فلاں مسئلہ بہت کمزور ہے تو آپ نے فرمایا کہ اچھا اب تم متکلمین کا پہلو لو اور ہم فلاسفہ کا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور آپ نے اب بھی ان کو چلنے نہ دیا جب ہر طرح ان کو مغلوب کر دیا تو فرمایا کہ میاں فضل حق اور میاں صدر الدین تم یہ نہ سمجھو کہ ہم کو معقول نہیں آتی بلکہ ہم نے ان کو ناقص اور واہیات سمجھ کر چھوڑ دیا مگر انہوں نے ہمیں اب تک نہیں چھوڑا۔ وہ اب تک جاری قدم بوسی کیے جاتے ہیں۔

تصنیف

فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ اکبر آبادی مسجد میں فروکش ہوگئے اور تمام زندگی یہیں بسر کر دی۔ تدریس سے فارغ ہوتے تو اوراد و وظائف میں مصروف ہو جاتے۔ تصنیف و تالیف کی طرف توجہ کم مبذول فرمائی۔ اب بھی آپ کے صرف دو زندہ جاوید کارنامے ہیں ایک قرآن مجید کا اردو ترجمہ اور دوسرا تفسیر موضح القرآن۔

آپ کا ترجمہ قرآن مجید عمدہ اسلوب اور حسین پیرایۂ بیان میں سلیس، شگفتہ اور بامحاورہ اردو میں ہے جو دیکھنے میں نہایت سہل و مختصر لیکن حقیقت میں دقیق و باریک مطالب سے لبریز ہے۔ لفظ میں آسان مگر عمیق معانی سے پر ہے۔ چھوٹے چھوٹے مگر فصاحت و بلاغت میں ڈوبے ہوئے جملوں سے وہ حیرت انگیز مضامین کا سمندر امڈ رہا ہے جو انسانی طاقت سے بالکل باہر نظر

آتا ہے۔ اسی لیے ایک فاضل کا یہ قول بے شک بجا ہے کہ:

> اگر اردو زبان میں قرآن مجید نازل ہوتا تو ان ہی محاورات کے لباس سے آراستہ ہوتا جن کی رعایت مولانا شاہ عبد القادر صاحب نے اس ترجمے میں پیش نظر رکھی ہے۔

اگرچہ آپ سے پہلے آپ کے برادر اکبر شاہ رفیع الدین بھی قرآن مجید کے اردو ترجمہ کی سعادت حاصل کر چکے تھے مگر دونوں بھائیوں کے ترجموں میں نمایاں فرق یہ ہے کہ شاہ رفیع الدین کا ترجمہ لفظی اور شاہ عبد القادر کا ترجمہ نہایت شستہ اور بامحاورہ ہے۔ اردو کی خوش قسمتی کا اندازہ اسی سے لگائیے کہ مذہب نے اپنا دست مبارک اس کے سر پر اس وقت رکھا جب کہ یہ گھٹنوں کے بل چل رہی تھی۔

اس کے علاوہ آپ کی تفسیر موضح القرآن بھی نہایت مقبول ہے۔ عام فہم اور اپنے موضوع میں اردو کی پہلی کتاب ہے۔ اس مختصر ترین تفسیری حواشی کو دیکھئے کہ کس طرح شاہ صاحب نے اپنا ایجاز دکھایا ہے اور قرآن مجید کے مشکل مسائل کو ایسے سہل انداز میں حل فرمایا ہے کہ عالم و عامی یکساں طور پر اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ قرآن مجید کا یہ بے نظیر ترجمہ و تفسیر ہے۔ ۱۲۳۰ھ میں دنیائے فانی سے رخت سفر باندھ کر فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ جا پہنچا۔

شاہ عبد الغنی

آپ حضرت شاہ ولی اللہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں اپنے اسلاف کی سچی تصویر تھے۔ ساری زندگی عبادت و ریاضت اور تہجد گزاری و شب زندہ داری کے پیش نظر گوشۂ تنہائی میں بسر کی اور یہی وجہ ہے کہ آپ کی زیادہ شہرت نہ ہو سکی اور مفصل حالات زندگی بھی پردۂ خفا میں رہ گئے۔ تاہم مصنف حیات ولی نے آپ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

> آپ نے علوم خاص کر فقہ و حدیث کی تحصیل اپنے برادر بزرگوار جناب شاہ عبد العزیز صاحب سے کی۔ اتباع شریعت میں آپ کا قدم پیشروان سلف سے آگے بڑھا ہوا تھا و نیز صورت میں اپنے والد بزرگوار کے اس درجہ مشابہ تھے کہ جس نے آپ کو دیکھا تھا وہ آپ

> کو دیکھ کر شاہ صاحب مرحوم کو یاد کرتا۔ علم کامل کے علاوہ اخلاق
> فاضلہ آپ میں ایسے تھے جو دوسروں میں بہت کم پائے جاتے تھے
> توکل و قناعت میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے اور باوجود عیالداری اور
> تاہل کے دنیا اور اہلِ دنیا کی طرف بہت کم رجوع کرتے تھے آپ
> کے اکثر اوقات تدریس طلبہ میں حدیث اور مسائل محبت افادہ طالبین
> کی طرف مصروف تھی"[۲۱]

آپ کے فقر، استغنا اور تقویٰ کے کئی واقعات مشہور ہیں۔ خان امیر شاہؒ، مولانا گنگوہیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ شاہ عبدالغنی صاحبؒ کے ہاں کئی وقت کا فاقہ تھا جس کا تذکرہ ان کی ماما نے کہیں کر دیا۔ اس کی خبر کسی ذریعہ سے مفتی صدر الدین خانؒ کو بھی ہو گئی۔ مفتی صاحب نے تین سو روپے شاہ صاحب کی خدمت میں بھجوا دیئے۔ شاہ صاحبؒ نے واپس کر دیئے۔ اس پر مفتی صاحبؒ وہ روپے لے کر خود حاضر ہوئے اور تخلیہ میں روپے پیش کئے اور فرمایا کہ شاید حضور کو خیال ہو کہ یہ صدر الصدور ہے رشوت لیتا ہوگا۔ اس لئے میں عرض کرتا ہوں کہ میں رشوت نہیں لیتا بلکہ یہ روپے میری تنخواہ کے ہیں، آپ ان کو قبول فرمائیے۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا میں تمہاری نوکری کو بھی اچھا نہیں سمجھتا اور اس لئے میں ان کے لینے سے معذور ہوں۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ نے ماما کو بلا کر فرمایا کمبخت! اگر فاقہ کی برداشت نہیں ہے تو اور نوکری دیکھ لو مگر خدا کے لیے ہمارا راز افشا نہ کرو۔[۲۲]

اسی طرح ایک مرتبہ مفتی صدر الدین خان نے آپ کے ہاں سے کچھ کتابیں مستعار منگوائیں آپ نے بھیج دیں۔ جلدیں شکستہ تھیں۔ مفتی صاحب نے واپسی کے وقت نئی جلدیں بندھوا کر واپس کر دیں۔ جب آپ کے پاس کتابیں پہنچیں تو آپ نے جلدیں تڑوا کر مفتی صاحب کے پاس واپس فرما دیں اور کہلا بھیجا ہمارے واسطے وہی پرانے پٹھے رہنے دو۔[۲۳]

مولانا علاؤ الدین صاحب بلیغیؒ کی دختر فرخندہ اختر تھیں آپ کے حبالہ عقد میں تھیں، یہ وہی سعادت مند خاتون ہیں جس کے بطن اطہر سے حضرت امام محمد اسمٰعیل نے جنم لیا جن کے غلغلہ علم و عمل سے چار دانگ عالم گونج اٹھا۔ جب آپ کی ولادت باسعادت ہوئی تو حضرت شاہ

عبدالغنی صاحبؒ کا خیال تھا کہ آپ کی رضاعت کے فرائض کسی نیک انّا کے سپرد کر دیئے جائیں مگر اس نیک بخت خاتون نے اسے تسلیم نہ کیا اور اپنے لاڈلے کو خود ہی دودھ پلایا۔ چشمِ تصوّر دیکھتی ہے کہ آپ ایّامِ رضاعت میں شاید اپنے بچے کو اس طرح لوری دیا کرتی تھیں:

"اے ربِّ ذوالجلال! میرا نونہال مجاہد بنے اور تیرے محبوب
کے لگائے ہوئے درخت کو اپنی جوانی کے گرم گرم خون سے سیراب
کر دے"

اور پھر چشمِ فلک نے دیکھا کہ یہ بچہ جوان ہو کر مجاہد بنا۔ اتنا بڑا مجاہد کہ اس کی شجاعتوں اور بسالتوں کی برصغیر پاک و ہند میں مثال مشکل سے ملتی ہے۔

آپ کو اپنے فرزند ارجمند کی معیت میں حج بیت اللہ کی بھی سعادت نصیب ہوئی اور آپ حضرت سید احمد سے بیعت بھی تھیں۔ حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں ہی قیام پذیر تھیں کہ سخت بیمار ہو گئیں اور آخر کار پیامِ اجل آ پہنچا اور عازمِ ملکِ عدم ہو گئیں۔ جنت المعلیٰ میں آپ محوِ استراحت ہیں۔ غفر اللہ لہا و نوّر مرقدہا۔

نواب وزیر الدولہ اور مولانا محمد جعفر تھانیسری مرحوم نے لکھا ہے کہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ بھی حضرت سید صاحب سے بیعت تھے یہ درست نہیں کیونکہ صحیح روایت کے مطابق آپ کی وفات ۱۴ رجب ۱۲۰۳ھ میں ہوئی جب کہ سید احمدؒ کی عمر شریف کی ابھی صرف دو تین چار برس کی ہی تھی کیونکہ آپ کی ولادت باسعادت ۶ صفر ۱۲۰۱ھ میں ہوئی لہٰذا حضرت شاہ عبدالغنیؒ کے سید صاحبؒ کی بیعت کے کیا معنی؟

آپ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے صاحبزادوں میں سے سب سے چھوٹے تھے لیکن اپنے تمام بھائیوں کی نسبت سب سے پہلے یعنی ۱۶ رجب ۱۲۰۳ھ بمطابق ۱۲ اپریل ۱۷۸۹ء کو دنیا سے رخصت ہو گئے جب کہ عمر شریف کی ابھی تک صرف ستاون بہاریں دیکھی تھیں۔

آپ نے حضرت امام محمد اسمٰعیل شہیدؒ کے علاوہ رقیہ نامی ایک دختر نیک اختر کو بھی یادگار چھوڑا جو کہ مولانا علاء الدین پھلتی کے پوتے شیخ کمال الدین کے حبالۂ عقد میں تھیں۔

شجرۂ نسب حضرت امام محمد اسمٰعیل شہید

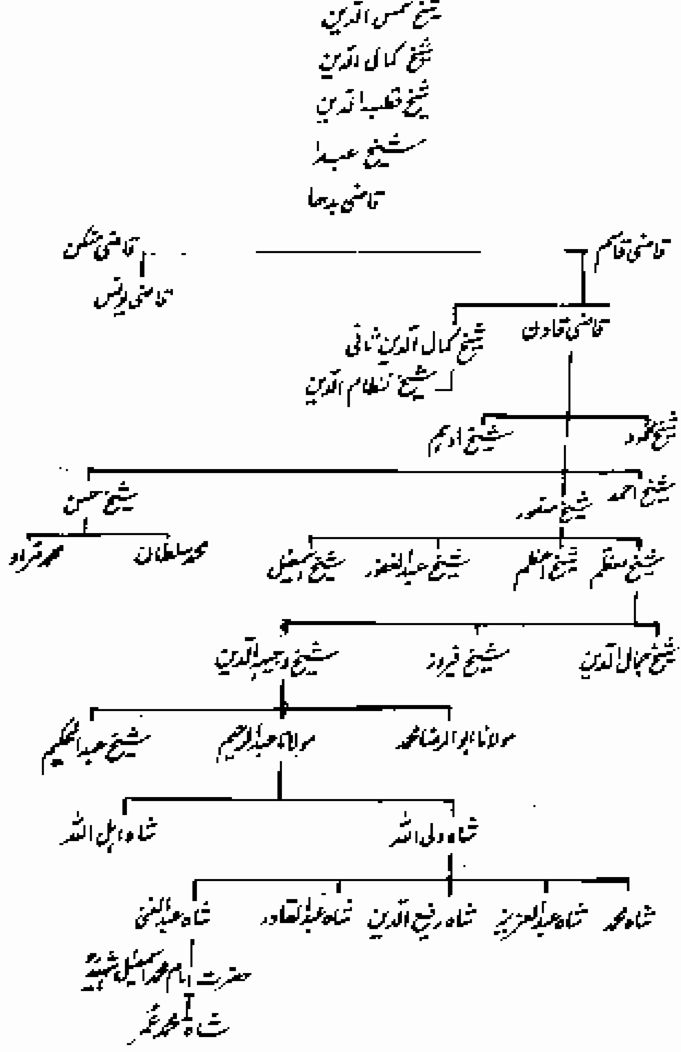
شیخ شمس الدین
شیخ کمال الدین
شیخ قطب الدین
شیخ عبدا
قاضی بدھا
قاضی قاسم
قاضی مٹھن
قاضی یونس
قاضی قادن
شیخ کمال الدین ثانی
شیخ نظام الدین
شیخ محمود
شیخ آدم
شیخ احمد
شیخ منصور
شیخ حسن
محمد سلطان
محمد فرہاد
شیخ معظم
شیخ اعظم
شیخ عبدالغفور
شیخ اسمٰعیل
شیخ جمال الدین
شیخ فیروز
شیخ وجیہ الدین
مولانا ابو الرضا محمد
مولانا عبدالرحیم
شیخ عبدالحکیم
شاہ ولی اللہ
شاہ اہل اللہ
شاہ محمد
شاہ عبدالعزیز
شاہ رفیع الدین
شاہ عبدالقادر
شاہ عبدالغنی
حضرت امام محمد اسمٰعیل شہید
شاہ محمد عمر

باب دوم

امام محمد اسمٰعیل شہیدؒ

دنیا کے عظیم المرتبت اور اولوالعزم شخص جن کی حیات ایک مشعلِ راہ ہوتی ہے اور وہ اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کی بدولت ایسے نمایاں سرانجام دیتے ہیں جو آنے والی نسلوں کے لیے مینارۂ نور ثابت ہوتے ہیں۔ ایسی ہی مقدس شخصیتوں میں سے ایک حضرت امام محمد اسمٰعیل شہیدؒ بھی تھے جن کے سوانح حیات اور مجاہدانہ کارناموں کی تفصیل آپ اس کتاب میں پڑھیں گے معلوم ہوتا ہے کہ تمام واقعات نے حب الٰہی، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جذبۂ جہاد کو ترتیب دے کر دین اور سنت کو از سر نو ایک منظم تحریک بنا دیا اور اس کو عملی روپ دے دیا۔ سچ پوچھئے تو حضرت امام محمد اسمٰعیل شہیدؒ کی حیات کے واقعات کی تمام کڑیاں ایک فطری ترتیب سے جڑی ہوئی ہیں بقول مرزا مرحوم ایک تیز رو ندی ہے کہ۔

دنیا عالم باعمل، فاضل بے بدل، صاحب اخلاق، شہرۂ آفاق ملحق زماں، لوذعی دوراں، واقف علوم معقول و منقول، کاشف دقائق فروع و اصول، رافع اعلام توحید و سنت، قاطع بنیان شرک و بدعت، نصرت کردہ ارشاد مصطفوی تھا، اس وقت میں جس نے کہیں دست شاہ و کیف ترک کیا ہے۔"

ولادت باسعادت

آپ نابغۂ عصر اور عبقری زماں ([illegible]) محدث و مفسر، خطیب و متکلم، مصنف و مبلغ اور غازی و مجاہد نے [illegible] ذی قعدہ [illegible]ھ مطابق ۱۹ اپریل [illegible]ء کو اس عالم رنگ و بو کو قدوم میمنت لزوم سے نوازا، دوسری روایت مستند ہے۔ میر شجاعت علی نے آپ کی تاریخ پیدائش ۱۸ شوال ۱۲۹۶ھ لکھی ہے مگر یہ روایت غلط ہے یہ سعادت پھلت ضلع مظفر نگر کے قصبہ میں آئی کہ جس کے مطلع پر یہ ماہ شب چہار دہم نمودار ہوا۔

تعلیم و تربیت

والدین نے نہایت عمدہ طریق سے اپنے نونہال کی تربیت کی۔ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب اپنے نواسے کی رضاعت کے فرائض کسی انا کے سپرد کرنا چاہتے تھے مگر آپ کی والدہ ماجدہ نے اسے منظور نہ کیا اور اپنی کمزوری و ناتوانی کے باوصف اپنے صاحبزادہ کو خود ہی دودھ پلایا۔ آپ بچپن ہی سے کچھ تیکھے تیکھے تھے حتیٰ کہ عنفوان شباب میں بھی دھان پان بلکہ مشت استخوان ہی رہے لیکن اس کے باوجود جسم توانا اور مضبوط تھا۔ لڑکپن ہی میں آپ عجز و ادب، مجسم اخلاق اور پیکر اخلاص تھے حضرت شاہ عبدالغنی صاحب فرمایا کرتے تھے:۔

"میرے ہاں جو بچہ پیدا ہوا ہے وہ بھی ایسا عجیب اور غریب ہے کہ رونا اصلاً نہیں جانتا۔"

لیکن یاد رہے حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کا یہ ارشاد آپ کے زمانۂ شیر خوارگی کے متعلق ہے ورنہ لڑکپن میں آپ بھی شوخ و شنگ تھے کھیل کود میں بھی دلچسپی لیتے، میلوں ٹھیلوں میں بھی شرکت فرماتے مولانا امیر شاہ خاں صاحب نے مولانا عبدالقیوم صاحب سے روایت

کیا ہے کہ :-

> "مولانا شہیدؒ ابتداء میں نہایت آزاد تھے، کوئی میلہ خواہ ہندوؤں کا ہو یا مسلمانوں کا ایسا نہ ہوتا تھا کہ جس میں وہ شریک نہ ہوتے ہوں اور کھیل بھی ہر قسم کے کھیلتے تھے کنکوا بھی اڑاتے تھے شطرنج بھی کھیلتے تھے مگر باوجود اس آزادی کے بزرگوں کا ادب اور لحاظ اتنا تھا کہ پتنگ اڑا رہے ہیں اور پیچ لڑا رہے ہیں، مخالف کے پتنگ کاٹنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ، اتنے میں شاہ عبدالقادر صاحبؒ حجرہ سے نکلے اور آواز دی اسمٰعیل! یہ آواز سنتے ہی فوراً جواب دیتے حضور! اور پتنگ کو اسی حالت میں چھوڑ کر چلے آتے۔"

آپ کی یہ آزادی، زندہ دلی اور طبیعت کا مرنجاں مرنج ہونا آپ کے زہد و تقویٰ اور تحصیل علم پر قطعاً اثر انداز نہ ہوا۔

آپ کے والد ماجد نے زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کا بیڑہ خود اٹھایا مگر افسوس کہ آپ نے عمر شریف کی ابھی صرف دس بہاریں ہی دیکھی تھیں کہ باپ کے سایۂ شفقت سے محروم ہو گئے۔ اسی وقت سے حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے برادرزادے کو اپنے دامن تربیت میں لے لیا اور حقیقی بیٹوں سے بھی زیادہ آپ کا خیال رکھا اور تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اسی طرح شاہ عبدالعزیزؒ اور حضرت شاہ رفیع الدینؒ بھی اپنے مرحوم بھائی کی اس یادگار سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔

صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں تو آپ نے اپنے والد مرحوم سے ہی پڑھ لی تھیں لیکن ان کے وصال تک آپ کو صرف و نحو میں کامل دسترس حاصل ہو چکی تھی۔ خاندانی رسم و رواج کے مطابق بچپن میں آپ کو ریاضی کی تعلیم بھی دی گئی اور ریاضی میں آپ نے اس قدر عبور حاصل کر لیا کہ مشکل سے مشکل مسائل پل بھر میں حل کر لیتے تھے ابھی چودہ برس کے ہی تھے کہ آپ نے اقلیدس کے تمام لازمی اصول نوک زبان کر لیے تاریخ سے بھی آپ کو بہت زیادہ دلچسپی تھی تاریخ کے لیے جغرافیہ سے واقفیت چونکہ ضروری ہے اس لیے آپ نے جغرافیہ کی

کتابوں کو بھی پڑھا اس وقت مختلف قسم کے جغرافیے نصاب تعلیم میں داخل تھے اس لیے آپ نے جغرافیہ کی بہت سی کتابوں کی ورق گردانی کی۔ آپ کے بعض سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ طالب علمی کے زمانہ ہی سے ہندوستان خصوصاً پنجاب کے جغرافیہ کو زیادہ دیکھا کرتے تھے شاید آپ اسی خطۂ ارض کو اپنے ارادوں کی تکمیل کے لیے سب سے زیادہ مناسب سمجھتے تھے۔ آٹھ برس کے ہوئے تو آپ کو حفظ قرآن کی سعادت بھی نصیب ہو گئی اور اس پر مستزاد یہ کہ یہ محض حفظ متن ہی نہ تھا بلکہ ترجمہ و معانی قرآن پاک تک آپ کو رسائی حاصل ہو چکی تھی۔

والد مرحوم کے دنیا فانی سے عالم جاودانی کی طرف رخت سفر باندھ جانے کے بعد منطق فلسفہ اور دیگر فنون کی زیادہ تر کتابیں آپ نے شاہ عبدالقادر سے ہی پڑھی تھیں ان کے علاوہ شاہ رفیع الدینؒ۔ شاہ عبدالعزیزؒ اور مولانا عبدالحیؒ سے بھی آپ نے کسب فیض کیا حدیث کی زیادہ تر کتابیں آپ نے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے پڑھیں اور اپنی خداداد استعداد سے بہت جلد حدیث میں مہارت حاصل کر لی بعض سوانح نگاروں کے بقول ہزاروں احادیث مبارکہ آپ نے حفظ کر لیں۔ مولانا کرامت علی حیدرآبادیؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں حدیث میں مولانا شہیدؒ کا ہم سبق تھا مجھے خوب معلوم ہے کہ آپ کبھی مطالعہ نہیں کرتے تھے۔ ساتھی آپ کو بے پرواہ کہتے اور شاہ عبدالعزیزؒ کے پاس شکایت کرتے رہتے تھے۔ شاہ صاحب بھی شکایتیں سنتے سنتے مجبور ہو کر ایک دن جماعت میں تمام طلبہ کے سامنے فرمانے لگے اسمٰعیل! تم مطالعہ نہیں کرتے۔ اور کھیل کود میں زیادہ دلچسپی لیتے ہو۔ سن کر آپ نے جواب دیا۔ حضور! آپ مجھ سے کچھ پڑھا ہوا دریافت فرمالیں۔ تو شاہ صاحبؒ نے اسی مجلس میں آپ سے کچھ سوالات دریافت فرمائے۔ آپ نے اس قدر احسن پیرایۂ بیان میں انہیں حل کیا کہ وہی ساتھی جو اسباق میں آپ کے دلچسپی نہ لینے کے پیش نظر اکثر نالاں رہتے تھے اب تحسین و آفرین کے پھول نچھا رہے تھے اور استاد محترم حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی مسرت کی بھی انتہا نہ تھی۔

اسی طرح ایک اور واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ عمر کے بارھویں برس آپ اقلیدس کی نہایت مشکل کتاب "صدرا" پڑھ رہے تھے اور اس کے آٹھ آٹھ دس دس صفحات بغیر کسی تمام

پڑھتے چلے جاتے تھے اور استاد سے کچھ دریافت نہ کرتے۔ عبدالکریم نامی ایک متعلم آپ کے ہم درس تھے وہ آپ کی ذہانت و فطانت کی وجہ سے آپ سے حسد کرتے تھے ایک دن آپ نے کتاب کھولی مگر یاد نہ رہا کہ کل کہاں تک پڑھا تھا۔ ورق گردانی کرتے ہوئے عبدالکریم نے دیکھا تو چہل کرنے لگے میاں! نشان رکھ لیا کرو تاکہ سبق تلاش کرنے میں تمہیں کسی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ آپ نے اس کا تبسم سے جواب دیا اور خاموش ہو رہے ایک دن "صدرا" کا انتہائی مشکل مقام تھا مگر آپ حسب معمول وہاں سے بھی رواں دواں گزر گئے بخاری صاحب کا خیال تھا کہ آپ یہاں ضرور رکیں گے اس لیے ان کی جبین پر شکنیں پڑ گئیں اور غصہ سے تلملاتے ہوئے کہنے لگے۔ صاحبزادہ! تم کچھ سمجھتے بھی یا یوں ہی گھاس کاٹتے چلے جاتے ہو؟ آپ نے بغیر کسی ناراضگی کے اظہار کے بڑی متانت سے فرمایا کہ اگر آپ کوئی بات نہ سمجھ سکے ہوں تو دریافت فرما لیجئے۔ انہوں نے فوراً کہا کہ اس عبارت کی وضاحت کر دیجئے۔ آپ نے اس عبارت کو اس قدر عمدہ، جامع اور شگفتہ انداز میں حل فرمایا کہ استاذ محترم اور طلبہ عش عش کر اٹھے۔ اس کے بعد آپ نے "صدرا" کے حاشیہ پر اعتراض کیا اور اپنے موقف کی تائید میں نہایت ٹھوس دلائل پیش کیے۔ درحقیقت علم ہیئت اور ریاضی سے تو آپ کو بچپن سے ہی نہایت دلچسپی تھی۔ بہت تھوڑی مدت میں آپ نے ان پر عبور حاصل کر لیا مزید برآں حیرت ہے کہ ریاضی کے بڑے بڑے مسائل آپ چٹکیوں میں حل کر دیتے تھے اور لاکھوں روپے کی رقموں کا جوڑ ضرب دو چار منٹ کے تامل سے فوراً بتا دیتے تھے[9] اور بقول حضرت نواب والاجاہ صدیق حسن خاں علم حساب آپ کی انگلیوں پر رقصاں تھا[10]۔ مبداً فیاض نے آپ کو بڑی عالی شان دماغ اور غیر معمولی ذہانت اور فطانت کی دولت سے آپ کو مالا مال فرمایا ہوا تھا۔ حضرت نواب والاجاہ رقمطراز ہیں[11]۔

"جوہر ذکاوت او بہ نہایت عالی
بود و حکایاتش ذہانت و فطانت
وے مشہور نقل ہر مجلس و زیب ہر محفل
اہل علم است[12]"

آپ کا جوہر ذکاوت بہت بلند تھا اور
آپ کی ذہانت و فطانت کی حکایات اب
تک اہل علم کی ہر مجلس کے لیے باعث
زینت ہیں۔

۱۴ مرزا حیرت نے بھی لکھا ہے کہ ایسے فرد کامل کا پیدا ہونا خدائے ذوالجلال کی قدرت کاملہ کا ایک خاص کرشمہ تھا۔ غیر معمولی ذہانت کے ساتھ طبیعت میں استغنا بھی بہت تھا مطالعے پر چنداں توجہ نہ تھی۔ تمام سبق اکثر محفوظ نہ رہتا کبھی اصل مقام چھوڑ کر آگے سے شروع کر دیتے شاہ عبدالقادرؒ ٹوکتے تو کہہ دیتے کہ بیچ کا حصہ آسان تھا کہ چھوڑ دیا کبھی پڑھا ہوا حصہ دوبارہ پڑھنے لگتے جب حضرت اس سے متنبہ فرماتے تو آپ اس میں کچھ شبہ فرما دیتے اور ۱۵ وہ شبہ ایسا ہوتا کہ حضرت استاد کو اس کے دفع میں بہت متوجہ ہونے کی حاجت ہوتی

پندرہ سولہ سال کی عمر میں درسی تعلیم سے فارغ ہو گئے۔ دستار فضیلت اور سند فراغت حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے خود اپنے دست مبارک سے عنایت فرمائی آپ کی ذہانت و طباعی اور فہم و فراست کی دھوم دھام تمام شہر میں بہت جلد پھیل گئی۔ اس لیے بڑے بڑے عالم جب آپ سے ملتے تو امتحان کی غرض سے میر لیے ایسے مسائل پوچھ لیتے جن کا جواب کتابوں اور شرحوں کے بغیر ممکن نہ ہوتا۔ لیکن آپ کتابوں کی اعانت کے بغیر فوراً ایسے تسلی بخش جواب دیتے کہ علماء محو حیرت رہ جاتے۔ سعادت یار خاں رنگینؔ کا قول بعض لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ جب انہوں نے آپ کی ذہانت و ذکاوت کو دیکھا تو کہا کہ :-

"اس خاندان سے جو اٹھتا ہے باون گزا اٹھتا ہے"۱۶

ایک مرتبہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے کسی اہم استفتاء کا جواب لکھا اور اسے اپنی مسند پہ چھوڑ کر کسی کام کی غرض سے اندر مکان میں تشریف لے گئے اتنے میں آپ بھی وہاں تشریف لے آئے فتویٰ کو ملاحظہ فرمایا تو اس میں چند فروگزاشتیں نظر آئیں تو آپ نے اپنے قلم سے تصحیح کر دی اور فتویٰ وہیں رکھ دیا اور چلے گئے۔ جب شاہ عبدالعزیز واپس تشریف لائے اور اسے ملاحظہ فرمایا تو بڑی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمانے لگے۔

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ علم ابھی ہمارے خاندان میں باقی ہے"۱۷

۱۸ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا رشید الدین صاحبؒ ایک دفعہ درس بیٹھے ہوئے طلبہ سے فرمانے لگے کہ مولانا اسمٰعیل کو دینیات کے ساتھ شغف ہے۔ باقی معقولات کی

طرف توجہ نہیں ہے اتفاقاً مولانا شہیدؒ کو ایک دن بخار آ گیا اور مولانا رشید الدین صاحب عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ مولانا شہیدؒ فرمانے لگے کہ مولانا آج بخار میں دماغ پریشان تھا اور اس پریشانی اور انتشار کی حالت میں ملا صدرا کے فلاں فلاں مسئلہ کی طرف ذہن منتقل ہو گیا اور ان مسائل پر میرے دل میں یہ یہ اعتراضات پیدا ہوئے مولانا رشید الدین خاں صاحبؒ بالکل ساکت رہے۔ جب چپ ہو گئے میاں کے تلامذہ نے کہا کہ آپ تو فرماتے تھے کہ مولانا اسمٰعیل علم معقولات کی طرف کوئی توجہ نہیں رکھتے، فرمایا کہ بے شک میں نے یہ کہا تھا مگر اب میری رائے یہ ہے کہ اگر ارسطو اور افلاطون بھی قبر سے نکل کر آ جائیں تو مولانا کے بیان کردہ اعتراضات کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔[۱۹] اس واقعہ کو شاہ عبد القادرؒ کے اس واقعہ سے ملا کر پڑھیے جو ان کے اور مولوی فضل حق خیر آبادی و مفتی صدر الدینؒ کے مابین رونما ہوا جس کا تذکرہ حضرت شاہ عبد القادرؒ کے حالات میں کر آئے ہیں تو اس کا لطف دو چند ہو جائے گا۔

اس سے سرسید کے اس قول کی بھی تائید ہو جاتی ہے جو انہوں نے آپ کے رسالہ منطق کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ نے اس میں شکل اول کے نتیجہ الطبایع اور شکل رابع کے ابعد البدیہیات ہونے کا دعویٰ کیا اور اس کے دلائل اس قوت و استحکام کے ساتھ ذکر فرمائے کہ اگر معلم اول موجود ہوتا تو یہی یقین کرتا کہ تار عنکبوت سے سست تر ہے۔[۲۰]

مولانا فضل حق صاحب خیر آبادیؒ نے آپ کی شہادت کی خبر سن کر کہا تھا:

"وہ امت محمدیہ کا حکیم تھا، کوئی شے نہ تھی جس کی انیت اور لمیت اس کے ذہن میں نہ ہو۔"[۲۲]

اسی وجہ سے تو حضرت والا جاہ نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ نے لکھا ہے:—

"در علوم معقول و منقول یاد پیشینیاں از	معقول و منقول میں اگلے لوگوں کی یاد بھلا دیتے
خاطرہا برد۔ در علم فروع و اصول، ہمہ آں	تھے فروع اصول میں ان کو پرے بٹھا
را دور تر می نشاند۔ و ہر علم کہ با او سخن رانی	دیتے تھے۔ جس علم میں ان سے بات کرو گے
واضح کرد کہ امام ہمیں فن است و در ہر فن	تو تمہیں معلوم ہوگا کہ وہ اس فن کے امام ہیں
کہ با وے مناظرہ کنی دست نارسی کردے	اور جس فن میں ان سے مناظرہ کی نوبت آئے

حافظ ابن حجر اصابہ ...... تمام عمر خود را در اعلائے کلمۃ اللہ و احیاء سنن رسول اللہ و جہاد فی سبیل اللہ و ہدایت خلق اللہ بسوئے رشد و رسانیدن بمراتب عالیہ اسلام صرف نمود

کی توجہ ان لوگوں پر رہی وہ اس کے محافظ ہیں .... ساری عمر خدا کے کلمہ کی سربلندی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے احیاء، راہ خدا میں جہاد اور خلق خدا کی ہدایت میں گزاری اور ان کو اعلیٰ اسلامی مقامات پر پہنچانے کیلئے بھی عزم بلند فرمایا۔

یہ تو برسبیل تذکرہ چند اقوال آ گئے ورنہ جماعت علماء کرام ہو یا سلاطین، علم و فضل سے تحسین و آفرین کے پھولوں کے جو گلدستے آپ کی خدمت میں پیش کئے ہیں ان کا تذکرہ ہم آئندہ ایک مستقل باب میں کریں گے۔ یہاں تو یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام صاحبؒ کو بے شمار علوم و فنون میں درجہ کمال تک پہنچا دیا تھا۔ آپ کے والد حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمایا عبدالحئی تفسیر میں، رشید الدین عربی میں، مولانا حسن علی حدیث میں اور شاہ اسحاقؒ فقہ میں میرا نمونہ ہیں۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ آپ نے اس سلسلہ میں حضرت امام صاحبؒ کا نام گرامی نہیں لیا؛ چنانچہ آپ سے استفسار کیا گیا تو فرمانے لگے وہ تو علم کسی خاص شعبہ میں محدود نہیں، جنہوں نے میرے عہد شباب کا نمونہ دیکھنا ہے۔ اس کا نمونہ دیکھنا ہو تو ان کو دیکھ لو۔ حقیقت علم و فضل میں آپ کا مقام بہت ہی زیادہ بلند تھا اسی وجہ سے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ آپ کو حجۃ الاسلام کے لقب سے یاد فرمایا کرتے تھے۔

غیر مستند روایات

بعض لوگوں نے حضرت امام صاحبؒ کی طرف ورزش وغیرہ کے متعلق بعض ایسی روایات کا انتساب کیا ہے جو صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہیں مثلاً حیرت دہلوی نے حیات طیبہ کے باب دوم میں شمشیر زنی، نیزہ بازی، پٹہ بازی، تیراکی، سواری اور ورزش وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے جو یہ لکھا ہے کہ آپ تیز دھوپ میں مسجد فتح پوری کے تپتے ہوئے فرش پر گھنٹوں برہنہ پاؤں چلتے رہتے تھے، کئی کئی روز بھوکے پیاسے رہتے، زلزلے جاڑوں میں برہنہ بیٹھنے کا عادی بنا لیا۔ کم سونے کی اتنی عادت پیدا کر لی کہ آٹھ آٹھ دس دس دن تک نہ سوتے تھے یہ سب روایات ذہنی مصنوعہ معلوم ہوتی ہیں۔ مولانا غلام رسول مہر جو کہ تحریک مجاہدین کے سلسلہ میں محقق

وسیع کارناموں سے عاری ہی کی حیثیت رکھتے ہیں اور اسی باب میں آگے عظیم الشان کتاب کے مصنف میں ان روایات کو غیر مستند قرار دیتے ہوئے لکھا ہے۔

> ۔ شاہ صاحب لاریب ایک غیر معمولی انسان تھے اور ان روایتوں
> یا دوسرے کے بغیر بھی ان کی عظمت میں کوئی کمی نہیں آسکتی[۴۵]۔

مگر افسوس کہ مولانا مرحوم نے ان روایات کے غیر مستند ہونے کے دلائل ذکر نہیں فرمائے واللہ اعلم بالصواب۔

نکاح

حضرت شاہ عبد القادرؒ کی اولاد میں صرف ایک صاحبزادی تھیں جن کا نام زینب تھا شاہ صاحبؒ نے اسے شاہ رفیع الدینؒ کے صاحبزادے مخصوص اللہ عرف مصطفیٰ کے نکاح میں دے دیا تھا ان کے ہاں بھی صرف ایک بچی تولد ہوئی جس کا نام کلثوم رکھا گیا۔ شاہ عبد القادرؒ نے کلثوم حضرت امام کے حبالۂ عقد میں دے دی تھی۔ اس طرح ان کو حضرت امام سے کئی نسبتیں پیدا ہو گئی تھیں۔ اولاً یہ کہ وہ آپ کے حقیقی تایا تھے ثانیاً انہوں نے آپ کو شاگرد بنا لیا تھا۔ ثالثاً اپنی نواسی سے آپ کا نکاح کر دیا۔

حضرت شاہ عبد القادرؒ نے اپنی زندگی ہی میں کل جائیداد وصیت شرعیہ کے مطابق اپنی صاحبزادی اور بھانجیوں کے نام کر دی تھی اور ان کی اجازت سے ایک تہائی حضرت امام کو بھی دے دیا تھا[۴۶]۔

اولاد

حضرت امام محمد اسماعیل شہیدؒ سے حسب ایک صاحبزادے مولوی شاہ محمد عمر نے جنم لیا۔ آپ کی ولادت [illegible] دہلی میں ہوئی۔ تحصیل علم سے فراغت کے بعد مسند تدریس پر رونق افروز ہوئے۔ انتہائی عابد، زاہد اور تہجد گزار، شب زندہ دار تھے۔ ساری زندگی قناعت، عبادت، توکل، استغناء، تبتل الی اللہ اور ریاضت و مجاہدہ کے ساتھ گزار دی۔ حتیٰ کہ ابو ظفر بہادر شاہ بادشاہ نے خود آپ کی ملاقات کی تمنا کی اور ارکان سلطنت کے ہاتھ پیغام ملاقات بھیج کر قدم رنجہ فرما کر عزت افزائی کی التماس کی۔ مگر آپ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ جس بادشاہ کی نسبت سے بادشاہ کو مجھ سے ملاقات کا شوق ہے میں ان کی زندگی اور بزرگی کے قدموں میں بیٹھا ہوں اسی غرض سے بچتے رہے آپ کبھی ملاقات کے لیے نہ گئے۔

حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی فرمایا کرتے تھے کہ ۔
مولانا محمد عمر نہایت عابد و زاہد آدمی تھے نماز نہایت ہی خشوع و
خضوع سے ادا کرتے ۔ رکوع و سجود میں اتنا طویل کرتے کہ آدمی
سبحان ربی العظیم و سبحان ربی الاعلیٰ ۲۰ ـ ۲۵ بار پڑھ لیتا ۔

خان امیر شاہ صاحبؒ نے مفتی صدر الدین صاحبؒ کی زبانی یہ بیان فرمایا ہے کہ مشہور تھا کہ مولوی محمد عمر صاحبؒ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت زیارت ہوتی ہے اس پر میں اور امام صاحبؒ جامع مسجد اور دو دوسرے اشخاص نے ان سے اصرار کیا کہ ہم کو بھی زیارت کرا دیجئے مگر مولوی محمد عمر صاحب نے منظور نہ کیا لیکن ہم نے اپنا اصرار برابر جاری رکھا۔ ایک مرتبہ میں نے خواب میں دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جامع مسجد کے منبر پر تشریف فرما ہیں اور مولوی محمد عمر آپ کو پنکھا جھل رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ صدر الدین آؤ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرلو اور بعینہٖ یہی خواب امام صاحبؒ نے دیکھا اور وہی دونوں دوسرے اشخاص نے دیکھا۔ جب صبح ہوئی تو میں امام صاحب کی طرف چلا تاکہ ان سے یہ خواب بیان کروں اور وہ اپنا خواب بیان کرنے کے لیے میری طرف چلے اور وہ دوسرے اشخاص بھی جاری طرف چلے۔ اتفاق سے راستہ میں ایک مقام پر ہم سب مل گئے اور میں نے کہا کہ میں تمہارے پاس جا رہا تھا۔ رات میں نے یہ خواب دیکھا ہے انہوں نے کہا کہ ہم تمہارے پاس آ رہے تھے ہم نے بھی بعینہٖ یہی خواب دیکھا ہے اب ہم سب مل کر مولوی محمد عمر صاحبؒ کے مکان پر پہنچے تو اس وقت مولوی صاحبؒ بیٹھے [illegible] کے ساتھ شغل رہے تھے ہم نے ان سے یہ خواب بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ نہیں میں ایسا نہیں ہوں اور یہ کہتے ہوئے بھاگ گئے۔

آپ کے اساتذہ کرام میں سے حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ تو [illegible] علوم سلف کے آخری یادگار اور مجسم اخلاق للہیت اور پیکر زہد و اتقا ہوئے ۱۲۶۲ھ میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی اور جس مرتبہ خاندان شہیدؒ کا خاتمہ ہو گیا۔ اگرچہ دوسرے اقتدار سے تمام تر [illegible] ایک وحید [illegible] دونوں عالم سے مختلف ہے مگر آج [illegible] ہو رہا ہے کہ گراں مایہ دولت نایاب ہو جانا کس قدر افسوس ناک ہے۔

اے فلک یوں بھی مٹاتے ہیں کسی عاشق کو
قیس کا نقش قدم تک نہ بیاباں میں رہا

حضرت سید احمد کا آغاز بیعت

حضرت سید احمدؒ کو دہلی میں تشریف لائے ہوئے ابھی تھوڑی ہی مدت ہی ہوئی تھی کہ آپ نے بیعت طریقت لینے کا سلسلہ شروع فرما دیا اور یہ ۱۲۳۳ھ بمطابق ۱۸۱۸ء کی بات ہے آپ کے دست حق پرست پر سب سے پہلے بیعت کرنے والے حضرت مولانا محمد یوسفؒ[۲۲] صاحب پھلتی تھے۔ آپ نے حضرت امام صاحبؒ اور حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ[۲۳] سے پہلے بیعت کی اور ترقی درجات وبلندی مراتب میں وہ مقام حاصل کر لیا کہ یہ دونوں مقدس شخصیتیں بھی آپ کو رشک کی نگاہوں سے دیکھتی تھیں آپ کے بعد یہ دونوں بزرگ بھی بیعت ہو گئے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ایک روز مولانا عبدالحی صاحبؒ نے اسرار نماز اور حضور قلب کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے گفتگو کی۔ انہوں نے فرمایا کہ تصوف و اخلاق کی کتابوں میں ان امور کی تشریح موجود ہے مثلاً احیاء علوم الدین وغیرہ لیکن مرشد کامل کے بغیر حصول مقصد مشکل ہے اور اس کے لیے انہوں نے حضرت سید صاحبؒ[۲۴] کی طرف رجوع کا مشورہ دیا۔

مولانا عبدالحی صاحبؒ نے شاہ صاحبؒ کے مشورہ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے فوراً حضرت سید صاحبؒ کی طرف رجوع کیا اور خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنی آمد کا مقصد بیان کیا تو حضرت سید صاحبؒ فرمانے لگے :-

نماز کی حقیقت یہ ہے کہ چونکہ رب ذوالجلال والاکرام نے حضرت انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اس کے سر پر تاج خلافت رکھا ہے لہذا اسے حکم دیا کہ اس کے دربار عالی میں روزانہ حاضری دے ورنہ غیر حاضری کی صورت میں سخت باز پرس کی جائے گی۔ لیکن نماز اس شہنشاہ عالی کے بلند مرتبت دربار میں حاضری سے تعبیر ہے۔ لہذا نماز پڑھتے وقت یہ ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ میں کس ذات اقدس کے دربار میں حاضری دے رہا ہوں اس دربار کے تقدس کا تقاضا ہے کہ انسان پاک اور طیب لباس زیب تن کرے اور ہر طرح کی صفائی، پاکیزگی، نظافت

اور طہارت کا خیال رکھے اسی لیے قبل از نماز وضو ضروری قرار دیا گیا اور اگر ضرورت ہو تو غسل بھی۔ پھر نماز میں خشوع و خضوع کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر رکعت کے مضمون پر غور کیا جائے اور جس سورہ کی تلاوت کی جا رہی ہو اس کے مضامین میں تدبر کیا جائے ۔

دربارِ الٰہی میں انتہائی عقیدت ، احترام ، تعظیم اور اخلاصِ نیت سے کھڑا ہونا چاہیے اور تصور یہ ہو کہ میں ہر طرف سے اپنا رُخ پھیر کر صرف اور صرف اسی کی طرف مڑ رہا ہوں اور جس طرح چہرہ کعبہ کی طرف ہوتا ہے ایسے ہی روح کی توجہ بھی ذاتِ اقدس کی طرف ہونی چاہیے یعنی نماز پڑھنے والے کو ظاہری و باطنی ہر طرح سے خدا سے لو لگا لینی چاہیے ۔

جب قبلہ رو ہو کر دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھائے اور اللہ اکبر کہے تو تصور یہ ہو کہ اے اللہ! میں دنیا و مافیہا سے دستبردار ہو کر تیری طرف متوجہ ہو رہا ہوں اور دونوں ہاتھ سینہ پر باندھ کر نہایت خشوع و خضوع اور ادب سے کھڑا ہو اور تصور یہ ہو کہ اس شہنشاہ و مالک کے دربار میں کھڑا ہوں جو کہ میری تمام حرکات و سکنات کا مشاہدہ فرما رہا ہے ۔

پھر دعائے استفتاح پڑھے چونکہ شیطان لعین انسان کا ازلی و ابدی دشمن ہے جو ہر وقت اسے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے دور کرنے کی کوششوں میں مصروف رہتا ہے لہٰذا اس خطرہ کے پیش نظر کہ وہ کہیں بہکا نہ دے تعوذ پڑھنا ضروری قرار دے دیا گیا اور اس کے بعد سورۃ فاتحہ اور کوئی دوسری سورۃ تلاوت کرے اور پھر امامؐ کی پیروی کرتے ہوئے اللہ اکبر کہہ کر دربارِ الٰہی میں جھک جائے اور خیال یہ ہو کہ اے اللہ! تیری عظمت و جلال کے پیش نظر میری کمر جھک گئی اور زبان سے سُبحانَ ربیَ العظیم کا تکرار لب پر رہا ہو۔ جب رکوع میں حضوری کی سی کیفیت پیدا ہو جائے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہوا سیدھا کھڑا ہو جائے اور دل میں خیال یہ کرے کہ اے اللہ! میں تیری اطاعت و فرمانبرداری پر مستقیم ہو گیا ہوں ۔ اب پھر امامؐ کی پیروی سے اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ ریز ہو جائے اور سُبحان ربیَ الاعلیٰ کا بار بار اس تصور سے ورد کرے کہ اے اللہ! میں نے اپنے اعضاء میں سب سے افضل یعنی سر کو تیرے آستانہ کی زمیں پر رکھ دیا ہے ؎

زندگی کی اب یہی سب سے بڑی ہے آرزو
ہو جبینِ شوق میری اور تیرا آستان

سجدہ چونکہ تقرب الٰہی اور انوار و تجلیات کے نزول کا محل ہے اس لیے نیت عبدیت خداوندی کے سبب تمام عضوں ایک مرتبہ عرض کرنے سے قاصر ہے اس لیے حکم ہوا کہ کچھ دیر ٹھہر کر دوسری بار پھر عرض کرے اسی وجہ سے سجدہ سے سر اٹھا کر کچھ دیر بیٹھنا پڑتا ہے اور کہنا پڑتا ہے: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَارْفَعْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ ریز ہو جائے۔ اسی طرح دوسری رکعت پڑھے اور خیال میں ہو کہ اب میں دربار الٰہی میں بیٹھنے کے قابل ہو گیا ہوں اور قعدہ میں بیٹھ جائے چونکہ اپنے عظیم الشان اور جلیل القدر دربار میں خاموش بیٹھنا خلاف ادب ہے لہٰذا قعدہ میں بیٹھ چکے ذکر الٰہی میں رطب اللسان ہونے کا حکم ہوا۔ التحیات للہ الخ پھر خیال کرے کہ اب دربار خداوندی سے رخصت کا وقت آ گیا لہٰذا سرور عالم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف اور اپنے لیے دعا کے بعد دائیں بائیں کے نمازی بھائیوں اور فرشتوں کو سلام کہتا ہوا رخصت ہو جائے۔ یہ کیفیت بیان کرتے ہوئے آخر میں سید صاحب نے فرمایا:۔

مولانا صاحب: حصول این مقصد بہ گفتگو راست نمی آید۔ ہمیں نماز است کہ در بدو نبوت سید الانبیاء را صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیل بحکم رب العالمین برائے تعلیم آں امامت فرمودہ اند۔ بیا بہ تقلید و تحریمہ دو رکعت نماز بہ اقتدائیم بہ نیت مولانا علیہ الرحمۃ حسب الامر عمل آوردہ تحریمہ دو رکعت نماز بہ اقتدائے آں عالی جناب بہ انجام۔ دریں مقام اکثر آں عالی مقام و مولانا عبدالحی بیانش فرمودند کہ آنچہ در آں دو رکعت یافتہ ام ہیچگاہ در عمر خود نیافتہ ام۔

مولانا صاحب! یہ مقصد گفتگو سے حاصل نہیں ہو سکتا یہی نماز ہے جو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بحکم رب العالمین امام بن کر حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائے نبوت میں پڑھائی تھی۔ آئیے اور دو رکعت نماز میری اقتدا میں پڑھیے۔ مولانا علیہ الرحمۃ نے حسب حکم سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اقتدا میں دو رکعت نماز کی نیت باندھ لی۔ اور آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ان دو رکعتوں میں جو کچھ حاصل ہوا وہ ساری زندگی حاصل نہ ہو سکا۔

مولانا کرامت علی صاحب جون پوری[۳۸] نے اس بارے میں مولانا عبدالحی صاحبؒ کا جو بیان اپنی کتاب "نورٌ علیٰ نور" میں نقل کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مولانا عبدالحی نے سلوک الی اللہ کے متعلق شاہ عبدالعزیزؒ سے استفسار کیا تو انہوں نے حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ[۳۹] کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا ہر چند کہ تصوّف و سلوک میں حضرت شاہ صاحب موصوف کا مقام بہت بلند تھا لیکن مولانا محترم کی تسلّی نہ ہوئی تو شاہ عبدالعزیزؒ نے سیّد صاحب کی طرف مراجعت کے لیے کہا۔ چند روز بعد سیّد صاحبؒ، مولانا عبدالحی اور حضرت امام صاحبؒ رات کو مدرسہ میں سوئے ہوئے تھے کہ آدھی رات سے کچھ قبل حضرت سیّد صاحبؒ نے مولانا کو آواز دی اور فرمایا اٹھیے اور اس وقت اللہ کے لیے وضو کیجیے، دو تین قدم چلنے کے بعد روک کر بار بار فرمایا اور پھر فرمایا کہ اللہ کے لیے نماز پڑھیئے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ یہ سن کر جسم کے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور میں مشاہدہ جلال میں اس طرح غرق ہوا کہ کچھ ہوش باقی نہ رہا۔ اور روتے روتے آنسوؤں سے داڑھی تر ہوگئی۔ جب دو رکعت نماز پڑھ چکا تو خیال آیا کہ فاتحہ نہیں پڑھی پھر نیت باندھ لی غرض اسی طرح بار بار کسی فرض کے ترک کا خیال آتا اور میں از سر نو نیت باندھ لیتا اس طرح کم و بیش سو رکعت پڑھ لیں پھر استغفار پڑھنے لگا حتیٰ کہ صبح ہوگئی[۴۰]۔

سیّد صاحبؒ سے بیعت

حضرت مولانا عبدالحیؒ نے صبح اپنا تمام ماجرا حضرت امام صاحبؒ سے کہہ سنایا حضرت نے سماعت فرماتے ہی مولانا کو ساتھ لیا اور حضرت سیّد صاحبؒ کی خدمت میں جا پہنچے۔ آپ نے حضرت امام صاحبؒ کو بھی مولانا صاحبؒ کی طرح دو رکعت نماز پڑھائی۔ اسی دن سے ان دونوں مقدس شخصیتوں نے حضرت سیّد صاحبؒ کے دامن کو اس طرح تھاما کہ تازیست جُدا نہ ہوئے صاحب "انوار العارفین" نے بھی لکھا ہے۔

> "شاہ اسمٰعیلؒ اور مولانا عبدالحی اکٹھے امتحان کی غرض سے سیّد صاحبؒ کے پاس پہنچے اور نماز میں حضورِ قلب کے متعلق سوال کیا تھا سیّد صاحبؒ نے مسکراتے ہوئے فرمایا آج رات میرے حجرے میں آکر میرے پیچھے دو رکعت نماز ادا کیجیے؛ چنانچہ دو رکعت نماز سیّد صاحبؒ کے ساتھ

پڑھ چکنے کے بعد دو رکعتوں کی نیت باندھ لی۔ سید صاحبؒ کی صحبت اور حقانی توجہ کی برکت سے ساری رات استغراق میں گزار دی۔ بس اسی وقت سے ایسے معتقد ہوئے کہ پھر ساتھ نہ چھوڑا۔

ہنٹر نے بھی اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

> سید احمد صاحبؒ کے پہلے دو مرید وہ شخص تھے جو اپنے لاثانی مذہبی جوہروں اور اعلیٰ قابلیتوں میں اپنے وقت کے فرد اکمل تھے۔ یہ دونوں فرد اکمل دہلی کے سب سے بڑے حکیم یا فاضل اجل حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے کنبے سے تعلق رکھتے تھے۔

لیکن یاد رہے کہ یہ دونوں بزرگ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ پھلتی کے بعد حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے۔ حضرت امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: مجھے بیعت کئے ہوئے تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ ایک روز شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت والا درجت میں حاضر ہوا تو انہوں نے پوچھا کہ میاں! سید کے فیض صحبت سے جو نعمتیں حاصل ہوئیں ان کی کیفیت بیان کرو۔ میں نے عرض کیا کہ سید عالی تبار کے مرتبے کا اندازہ میرے لیے مشکل ہے، البتہ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ خدا نے آپ پر خاص احسان فرمایا جس کا شکر واجب ہے۔ آپ کو دو علم عطا فرمائے تھے۔ علم ظاہر کے حامل شاہ عبدالقادرؒ تھے علم باطن کی وراثت سنبھالنے کے لیے خدا نے سید صاحبؒ کو کھڑا کر دیا۔ یہ سن کر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے بارے میں کلمات عجز کہے، پھر فرمایا:۔

میاں! یہ بات سمجھنے کے لائق ہے۔ بارگاہ احدیت کے مقرب بہت ہیں، محبوب کمیاب ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ جناب رسالت مآبؐ حبیب رب العالمین تھے۔

فرمایا: مرتبۂ محبوبیت مرتبۂ رسالت کی طرح نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا ہو۔

میں نے عرض کیا: مثلاً محبوب سبحانی سید عبدالقادر جیلانیؒ

فرمایا: محبوبیت کا مرتبہ سید عبدالقادر جیلانیؒ پر بھی ختم نہیں ہوا۔ محب ہمیشہ بلا و محنت اور رنج و الفت میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس کے برعکس محبوبوں کو کوئی تکلیف نہیں دیتا بلکہ ان کے راحت و آرام کو دل و جان سے پسند کیا جاتا ہے۔ رب العالمین کے محبوبوں کو اکثر سرگردانی و پریشانی لاحق

رہتی ہے۔ لیکن محبوبانِ بارگاہِ اقدس دنیا میں الفقر فخری۔ المعمر لغیرہ اور خدم و حشم سے ممتاز رہتے ہیں اور آخرت میں ان سے بھی زیادہ انعام پاتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیزؒ نے سید صاحب کا نام تو نہ لیا لیکن تمام اشارے براہِ راست آپ ہی کی طرف تھے۔

تدریس

ابھی دہلی ہی میں ۱۲۳۰ھ میں آپ کے مربی و مشفق استاد اور چچا محترم حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا انتقال ہو گیا۔ اس لیے اب حضرت امام صاحبؒ نے علوم و فنون کی تدریس کا بیڑا اٹھایا اور خاندانی روایات کے مطابق مسندِ تدریس کی زینت کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ اسے چار چاند لگا دیئے۔

چنانچہ مولانا ابو یحییٰ امام خان نوشہرویؒ رقمطراز ہیں:-

> "آپ نے اپنے "باقی دارالتعلیم" مدرسہ رحیمیہ کی مسند تدریس کے ساتھ ہی قرآن و حدیث کی تدریس شروع فرما دی۔ نصاب میں جملہ کتب مروجہ علوم و فنون کے ایک جامع النصاب کتاب کا اس وقت کے نصاب میں اس کا وجود نہ تھا، یعنی قرآن مجید گلی میں آویزاں شہر کا ہر کوچہ و بازار مدرسہ رحیمیہ کے حلقے بنا رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے یہ مدرسہ دہلی کے جن پر منتقل ہو جاتا ہے کہ سید اسماعیل دریا میں جیتی کی کشتی بھی تیر رہے ہیں اور طلباء کو بھی پڑھا رہے ہیں۔ آخر جامع مسجد کی سیڑھیوں پر شاہ محمد اسماعیل صاحبؒ کا یہ درس، درسِ خارجی بن کے آج کل لیکچر کی جاتی ہے کی شکل میں ہونے لگا۔ یہاں تک کہ وعظ ہو رہے نہایت دہلی، ملک اور اطراف پنجاب کی وادیوں سے گزرتی ہوئی کوہستان جبالہ کے پرچم تلے جا کر اٹک، کشمیر اور کابل کے درمیان پہنچ رہا ہے۔"

لیکن افسوس کہ آپ کو تدریس کے لیے بہت کم وقت میسر آیا کیونکہ آپ سید صاحبؒ اور دیگر احباب و رفقاء کی معیت میں شوال ۱۲۳۶ھ مطابق ۳۰ جولائی ۱۸۲۱ء کو فریضہ

حج ادا کرنے کے لیے رائے بریلی سے سوئے حجاز مقدس روانہ ہوگئے اور دو سال، دس مہینے کے بعد ۲۹ر شعبان سنہ ۱۲۳۹ھ بمطابق ۲۹ر اپریل ۱۸۲۴ء کو وطن واپس تشریف لائے اور مراجعت کے بعد تیاریِ جہاد کے انتظام میں مصروف ہوگئے اور صراحت اور تفصیل کے ساتھ یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ آپ نے دوران تدریس کن کن کتابوں کا درس دیا اور کن کن حضرات نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے۔ تاہم ان لوگوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے جنہوں نے آپ کے لیکچر اور وعظ و ارشاد کی محفلوں میں شرکت کرکے آپ کے علم و فضل سے استفادہ کیا۔ اسی طرح بقول مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ان لوگوں کی تعداد بھی ڈھائی لاکھ سے متجاوز ہے جو "تقویۃ الایمان" کا مطالعہ کرکے آپ کی حیات طیبہ میں ہی درست ہوگئے۔ اور آپ کے بعد اس سے خلق خدا کو جو نفع ہوا اس کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔

تلامذہ

جیسا کہ ذکر کیا گیا صراحت اور تفصیل کے ساتھ آپ کے تلامذہ کے متعلق علم نہیں ہوسکا۔ تاہم جستجو اور تلاش کے بعد آپ کے جن تلامذہ کا سراغ مل سکا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(۱) حضرت سید احمد شہید (۲) مولانا سخاوت علی جونپوری (۳) مولانا عبدالحق بنارسی۔
(۴) مولانا عبداللہ علوی (۵) مولانا عبدالہادی پھلکوی (۶) حکیم سید محمد بن اعلیٰ نصیر آبادی
(۷) مولانا معین الدین سہسوانی (۸) مولانا وحید الدین پھلتی (۹) مولانا ولایت علی صادقپوری
(۱۰) مولانا کرامت علی دہلوی (۱۱) مولانا جعفر علی بستوی (۱۲) مولانا جلال الدین بنارسی۔

اب ان حضرات گرامی کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ وبیدہ التوفیق

حضرت سید احمد شہیدؒ

حضرت امام ہمام مجاہد کبیر شہید سعید سید احمد بن عرفان بن نور حسنی بریلویؒ، شیخ الاسلام قطب الدین محمد بن احمد مدنیؒ کی اولاد میں سے تھے اور آپ کا سلسلۂ نسب ۳۴ واسطوں سے سیدنا امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک جا پہنچتا ہے۔ آپ ۶ر صفر سنہ ۱۲۰۱ھ / ۲۹ر نومبر ۱۷۸۶ء کو پیر کے دن رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ چار سال، چار ماہ اور چار دن کی عمر میں آپ کو مکتب میں بٹھا دیا گیا۔ لیکن کوششوں کے باوجود آپ کی طبیعت تحصیل علم کی طرف مائل نہ ہوئی

لیکن اس کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ آپ تمام عمر ناخواندہ ہی رہے جیسا کہ بعض بزرگوں نے امیت کا افسانہ مشہور کر رکھا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ عربی و فارسی بخوبی جانتے تھے۔ جب ۱۲۲۲ھ میں دہلی گئے اور حضرت شاہ عبد العزیزؒ سے آپ کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے آپ کو خوش آمدید کہا اور اپنے بھائی عبد القادرؒ کے پاس اکبر آبادی مسجد میں آپ کے قیام کا انتظام کر دیا۔ وہاں آپ نے شاہ عبد القادرؒ سے عربی و فارسی کی کتابیں پڑھیں پھر شاہ عبد العزیزؒ سے بیعت کی حتیٰ کہ علم و معرفت میں آپ کو بہرہ وافر نصیب ہو گیا۔ اس وقت آپ کے مفصل حالات بیان کرنا مقصود ہے اور نہ اس کی گنجائش۔ آپ کے سوانح حیات میں متعدد ضخیم کتابیں لکھی گئی ہیں۔

اس وقت یہ بیان کرنا مطلوب ہے کہ حضرت امام محمد اسمٰعیل شہیدؒ کو اللہ تعالیٰ نے جن بہت سی سعادتوں سے نوازا ان میں سے ایک قابل فخر یہ بھی ہے کہ آپ کے پیر و مرشد حضرت امیر المومنین سید احمد شہیدؒ نے بھی آپ سے کسب فیض کیا، تعلیم حاصل کی، اور آپ کے تلامذہ میں شامل رہے چنانچہ امیر شاہ خاں صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

> میرے استاد میاں جی محمدی صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں نے مولانا محمد اسحٰق صاحبؒ سے کافیہ شروع کیا تھا۔ اور سید صاحبؒ جب تشریف لائے تو انہوں نے شاہ اسحٰق صاحبؒ سے میزان شروع کی تھی اور اتنی جلدی ترقی کی کہ مجھ سے آگے نکل گئے۔ نحو میں جا پکڑا اور کافیہ ہی پڑھتے ہوئے انہوں نے مشکوٰۃ بھی شاہ صاحبؒ سے شروع کر دی اور کئی کتابیں مولوی اسمٰعیل صاحبؒ سے بھی پڑھی تھیں۔

مولانا سخاوت علی جونپوری

مولانا سخاوت علی بن رعایت علی بن درویش علی بن خدا علی عمری جونپوریؒ

مشہور علماء میں سے ہیں۔ آپ ۱۲۲۳ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی کتابیں مولانا قدرت علی رودولوی سے اور متوسطات مولانا احمد اللہ انامیؒ اور مولانا احمد علی چڑیا کوٹی سے پڑھیں۔

جب کہ معقولات کی تعلیم آپ نے حضرت امام محمد اسمٰعیل شہید اور مولانا عبدالحی بڈھانوی ؒ سے حاصل کی۔ حضرت سید احمدؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور کچھ مدت تک ان کے ساتھ رہے پھر جونپور واپس آ گئے اور شیعوں سے جامع مسجد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور وہاں جمعہ و جماعت اور قرآن مجید کی تعلیم کے لیے مدرسہ کا انتظام کیا۔ پھر آپ بنگال چلے گئے اور دو سال تک درس و تدریس میں مشغول رہنے کے بعد جونپور واپس تشریف لے آئے ۱۲۶۷ھ میں اپنے خالو مفتی محمد یوسف جونپوریؒ کے ساتھ حرمین شریفین چلے گئے اور حج و زیارت کے بعد واپس وطن تشریف لے آئے اور سات آٹھ سال تک درس و تدریس کی محفلوں کو گرم رکھنے کے بعد ۱۲۷۶ھ میں اپنے اہل و عیال سمیت مکہ معظمہ ہجرت کر گئے اور وہیں [illegible] ہو گئے۔

آپ بہت بڑے عالم، محدث، فقیہ اور زاہد تھے اور ناقل اوصاف حمیدہ کے مالک تھے۔ خلق خدا نے آپ سے بہت فائدہ اٹھایا۔ آپ کی تصنیفات میں سے "التقریر الحاوی حاشیہ الحنفی الکریم" اور منطق کی ایک کتاب "الاصول" کے نام ملتے ہیں نیز آپ نے ناسخ و منسوخ معرفت اوقات نماز، رویت اور تصوف و سلوک کے متعلق بھی چند رسائل تصنیف فرمائے ہیں۔ شوال ۱۲۸۲ھ میں مکہ معظمہ میں آپ کا انتقال ہوا۔

شیخ عبدالحق محدث بنارسی

حضرت شیخ عبدالحق بن فضل اللہ عثمانی بنارسی قصبہ نیوتنی ضلع اناؤ میں ۱۲۰۶ھ میں متولد ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار نیوتنی سے ترک سکونت کر کے بنارس میں قیام پذیر ہو گئے۔ آپ نے پہلے اپنے والد صاحب اور دیگر علماء سے پڑھا اور پھر علمی تشنگی کی تسکین کے لیے دہلی روانہ ہو گئے اور وہاں آپ نے شیخ عبدالقادر محدث دہلوی، مولانا عبدالحی بڈھانوی اور حضرت امام صاحبؒ سے حدیث کی کتابیں پڑھیں۔ فراغت کے بعد حج کے لیے تشریف لے گئے۔ پھر دوبارہ سید صاحبؒ، حضرت امام صاحبؒ اور دیگر رفقاء کے ساتھ حج کے لیے گئے۔ ان دنوں ارباب حکومت نجدیوں سے بہت زیادہ بگڑے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ جنگ [illegible] اشاعت

میں سرگرم نظر آتا۔ جو بدعات کی تردید میں سختی سے کام لیتا تو اسے وہابی سمجھ کر فوراً انتقام کے شکنجے میں کس دیا جاتا۔ مولانا عبدالحق صاحب بہت تیز مزاج تھے آپ غیر شرعی رسوم کی تردید بہت سختی سے کرتے تھے بعض حنفی دوستوں نے شکایت کر دی کہ یہ وہابی ہیں؛ چنانچہ آپ پر مقدمہ قائم کر دیا گیا لیکن مولانا عبدالحی صاحبؒ نے ضمانت دے کر چھڑا لیا، جواب دہی کے موقع پر بھی مولانا عبدالحی صاحبؒ نے ہی عدالت میں بات کی۔ جدہ میں آپ رفقاء سے جدا ہو گئے اور صنعاء یمن چلے گئے وہاں سے آپ امام قاضی محمد بن علی شوکانیؒ، قاضی عبدالرحمن بن حسن اکبلیؒ، شیخ عبداللہ بن محمد بن اسماعیل امیر یمانیؒ اور شیخ محمد عابد احمد علی سندیؒ سے سنہ ۱۲۳۸ھ میں حدیث کی سندیں حاصل کر کے ہندوستان آئے۔ آپ نے سات مرتبہ حجازِ مقدس کا سفر اختیار کیا؛ آخری سفر دنیا سے بھی سفر ثابت ہوا۔

آپ نے اپنے سفر یمن شریف کے حالات کو ایک رسالہ میں لکھا ہے جس میں فرماتے ہیں کہ میں نے مدینہ طیبہ سے جب یمن کی طرف امام شوکانیؒ کی زیارت کے لیے رخت سفر باندھا تو راستہ میں بے پناہ مصیبتوں اور تکلیفوں کا سامنا کرتے ہوئے صنعاء پہنچ گئے جب امام موصوفؒ سے ملاقات ہوئی تو بڑی خندہ پیشانی سے پیش آئے اور فرمانے لگے عمر کیا ہے؟ پڑھا کیا کچھ ہے؟ جب میں نے جواب دیا تو انہوں نے اپنی تصنیفات کا ایک ایک نسخہ عنایت فرمایا اور ان کے مطالعہ کے لیے کہا۔ میں ہفتہ میں سوموار اور جمعرات دو دن آپ کی خدمت میں حاضری دیتا اور سماعت کرتا حتیٰ کہ اسی اثناء میں بیمار پڑ گیا جب اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت عنایت فرمائی تو امام شوکانیؒ کسی سفر کے لیے تیاری کر رہے تھے میں الوداع کہنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ بڑی شفقت سے پیش آئے۔ میں نے کچھ کتابوں کے بعض حصے آپ کے پاس پڑھے تو آپ نے اپنے دست مبارک سے سندِ اجازت لکھ کر مجھے عنایت فرمائی نیز آپ نے مجھے اپنی سند اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر دی اور فرمایا اسے نقل کر لو چنانچہ میں نے اسے نقل کر لیا۔ یہ جمعۃ المبارک ۱۰ جمادی الآخرہ سنہ ۱۲۳۸ھ کا واقعہ ہے۔

مولانا عبدالحق صاحبؒ نے ایک رسالہ میں شیخ محمد عابد سندھیؒ کی اسانید اور ایک دوسرے رسالہ میں سید عبداللہ بن محمد امیر یمانیؒ سے ملاقات کے واقعات وغیرہ کو بھی ذکر کیا ہے۔ سید امیر یمانیؒ نے بھی آپ کو سند عطا فرمائی۔

اسی طرح آپ نے ایک رسالہ میں قاضی عبدالرحمٰن بن احمد بن حسن بھکلیؒ سے ملاقات کے واقعات کو قلم بند کیا ہے۔ قاضی موصوف نے آپ کو منظوم سند مرحمت فرمائی۔

مولانا عبدالحق صاحبؒ مقلد نہ تھے بلکہ مجتہد تھے اور نصوص کتاب و سنت پر عمل پیرا تھے اسی وجہ سے علماء احناف سے مسئلہ اجتہاد و تقلید کے متعلق آپ کے مباحثے ہوتے رہتے تھے اسی موضوع پر آپ نے ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی جس کا نام "الدر الفرید فی المنع عن التقلید" ہے۔

جمعرات کی شب مؤرخہ ۲ ذوالحجہ ۱۲۷۶ھ کو منیٰ میں بحالت احرام میں انتقال ہو گیا اور جمعہ کی رات مسجد خیف کے دروازہ کے پاس دفن کیے گئے۔ اللہم اغفر لہ وارحمہ۔

مولانا عبداللہ علوی

مولانا عبداللہ بن قاسم علی خانؒ جید علماء کرام میں سے تھے۔ آپ کا اصل وطن موضع قائم گنج ضلع فرخ آباد تھا۔ چونکہ بچپن سے ہی بود و باش دہلی میں رہی اس لیے دہلی وطن ثانی بن گیا۔ آپ نے دیگر علماء کے علاوہ حضرت امام صاحبؒ سے بھی علم کی تحصیل کی۔ آپ شعر و انشاء، خطبہ اور دیگر فنون میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ مرزا حیرت لکھتے ہیں:۔

"بسبب شعور خداداد کے ہر فن میں ید طولیٰ رکھتے تھے خصوصاً نظم و نثر فارسی و عربی میں اور چونکہ فن فارسی میں خواہ باعتبار انشاء نظم و نثر کے خواہ باعتبار درس و تدریس کے مزاولت کمالی اور مشغولی اوقات بہت رکھتے تھے۔ اسی فن کی نسبت سے شہرت پائی تھی اگر بانصاف دیکھے اور اور حسد و رشک سے خالی ہو کر اس تذکرہ در باب کتاب کا حال دیکھا جائے اور رتبۂ سخن پر نظر کی جائے تو

معلوم ہو کہ ذات تقدس آیات اس صاحب استعداد کی کیا جوہر قدسی تھی کہ پرکار دوران فلکی بعد ہزار گردش کے بھی ایسا نقش پیدا نہیں کر سکتی۔ اگر نظم ہے تو رنگینی میں تر از گل ہے اور اگر نثر ہے مطبوع تر از گل ہے۔ الغرض ان کی بیاض کا سبب شگفتگی چمن کے گل سے خنداں تر اور قلم بسبب رفتار دلکش کے سرو سے خراماں تر، سطور اس کی لطافت سے موج سبزہ سیراب اور الفاظ بسبب کیفیت معنی کے قطرات شراب ناب، فکر ترانہ ہائے شیریں سے بلبل اور اوراق بسبب مضامین رنگین سے برگ گل تر ہے ......

مرزا عبدالغنی خاں رقم طراز ہیں :-

طوطی مرحوم عبداللہ خاں مولدش مئو ناتھ بھنجن ضلع فرخ آباد و همین مقر بود بچہ بدہلی رفتہ و کسب علوم و تکمیل فنون از علمائے نامدار آں دیار نمود، جامع اکثرے از فضائل بود، در انشاء و سخنوری قدرت تمام داشت، امام بخش صہبائی و محمد حسین تجوید ناظم اندور و مولوی امین الدین خاں امین دہلوی شاگرد اویند۔ با شیخ ابراہیم ذوق و مومن خاں کمال اتحاد و ارتباط داشت انشائے صغیر و عصمت نامہ از مصنفات شریفہ اوست، بوجہ وراثت ترکہ خانگی تنازعہ بود، در آخر عمر بوطن مراجعت نمود و ہماں جا فوت شد۔

طوطی مولوی عبداللہ خاں کی جائے ولادت مئو ناتھ بھنجن ضلع فرخ آباد ہے۔ آپ بچپن میں ہی اپنے والد کے ساتھ دہلی تشریف لے گئے اور وہاں کے نامور علماء کرام سے کسب علوم اور تکمیل فنون کی۔ آپ اکثر فضائل کے جامع تھے۔ انشاء و سخنوری میں مہارت تامہ رکھتے تھے، امام بخش صہبائی، محمد حسین تجوید ناظم اندور اور مولوی امین الدین خاں امین دہلوی آپ کے شاگرد ہیں۔ شیخ ابراہیم ذوق اور مومن خاں کے ساتھ کمال اتحاد و ارتباط رکھتے تھے۔ انشائے صغیر اور عصمت نامہ آپ کی تصنیفات ہیں۔ وراثت ترکہ کی وجہ سے خانگی نزاعات کے امور تھے۔ آخر عمر میں وطن تشریف لائے اور وہیں فوت ہو گئے۔

آپ سید احمد صاحبؒ سے بیعت بھی تھے اُردو، عربی اور فارسی تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے لیکن اصلاً فارسی کے شاعر تھے آپ کی نظم و نثر کے کچھ نمونے آثار الصنادید میں دیکھے جا سکتے ہیں سید صاحبؒ کی مدح میں آپ نے درج ذیل اشعار کہے ؎

بر خیز اے بہار گلستانِ احمدی
کاندر سپہر زمانہ ہوائے تو یافتند
آں گوہرے کہ حاصل صد گنج شائگان
یک فلس را لکان زبہائے تو یافتند
آں لالۂ شگفتہ باغ سیادتے
کز گلشن مدینہ صبائے تو یافتند
گلزار کہ بہار باد خزاں سنگ دل
کایں ابلہاں نہ قیمت بہائے تو یافتند
دریاب ای مسیح کہ دل خستگانِ کفر
بنہادہ گوش و دل بصدائے تو یافتند
بشتاب ای کلیم کہ لب تشنگانِ دیں
آب جگر بضرب عصائے تو یافتند

امروز سر عروجے اسلام در جہاں
موقوف تیغ کفر زدائے تو یافتند

آخر عمر میں جب تشریف لائے تو نواب سید محمد علی خاں بہادر شمس آبادی کے ہاں ملازم ہو گئے تو مدۃ العمر انہیں کے پاس مقیم رہے حتی کہ بعارضۂ تپ محرقہ ۱۲۶۲ھ میں انتقال فرما گئے کسی نے آپ کی تاریخ وفات کہی تھی ؎

علوی کہ بجز او ندادکس داد سخن
چوں او نہ رسیدہ کس بفریاد سخن
ناگہ زجہاں رخت اقامت بربست
الٰہ گفتہ افتادہ بنیاد سخن

حضرت نواب والاجاہ سید صدیق حسن خاں مرحوم نے اپنی کتاب العلم الخفاق من علم الاشتقاق کے آخر میں اپنے کتب خانہ سے متعلق ایک فہرست میں آپ کی ایک کتاب "المنہج السدید فی رد التقلید" کا بھی ذکر کیا ہے جو کہ بزبان فارسی ہے چنانچہ فرماتے ہیں المنہج السدید فی رد التقلید بالفارسی للعالم المتقی عبد اللہ خان بن قاسم علی خان العلوی تلمیذ الشیخ العلامۃ محمد اسمٰعیل الشہید صاحب تقویۃ الایمان۔

یاد رہے کہ حضرت نواب صاحب کے خزانۃ الکتب میں اس کا مخطوطہ تھا لیکن یہ کتاب زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوئی۔ آپ نے اپنی کتاب میں بھی اس کا ذکر فرمایا ہے مولانا

امام خان نوشہروی نے اپنے ایک مقالہ "کتب خانہ میر الطاف علی میں چند نوادر" میں اس کتاب کے متعلق لکھا ہے کہ یہ "تقویت الایمان" کی شرح ہے جیسا کہ اس کے متن میں مذکور ہے

مولانا عبد الہادی جھوکویؒ

حضرت مولانا عبد الہادی جھوکویؒ علاقہ چمپارن کے ایک گاؤں جھوکا میں [illegible] میں پیدا ہوئے۔ بہت علماء سے پڑھے ہوئے۔ قراءت، حساب، انشاء، تاریخ اور انگریزی زبان کی تعلیم حاصل کی نیز امور سلطنت سے متعلق قوانین کا ذخیرہ مطالعہ کیا بلکہ انہیں ازبر بھی کیا۔ ایک امتحان کے سلسلہ میں عظیم آباد گئے۔ خوش قسمتی سے حضرت سید احمدؒ کی زیارت ہوگئی۔ آپ ان دنوں حجاز مقدس کی طرف جاتے ہوئے یہاں فروکش تھے۔ مقدر کا ستارہ چمکا اور آپ حضرت سید صاحبؒ کے دست حق پرست پر بیعت کر کے کفر سے تائب اور دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر خصوصی نوازش یہ بھی ہوئی کہ آپ کو حضرت امام صاحبؒ، مولانا ولایت علی عظیم آبادیؒ، سید حسن بن علی بخاری قنوجیؒ اور حضرت شاہ محمد اسحاقؒ جیسے اکابر اتقیاء سے تلمذ کی سعادت نصیب ہوئی چنانچہ حضرت سید صاحبؒ نے آپ کو بہار کے علاقہ سارن اور چمپارن میں اپنا نائب مقرر فرمادیا۔ آپ نے اس علاقہ کے دورے کیے اور حکمت و دانش کے ساتھ دعوت و ارشاد کا سلسلہ جاری کیا چونکہ مسلک اہل حدیث کے والہ و شیدا اور سلف کی روش کے متبع تھے اس لیے مخالفین و معاندین نے ایک محاذ قائم کیا اور آپ کی ایذا رسانی کے درپے ہو گئے لیکن یہ تمام تکلیفیں اور مصیبتیں آپ کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہ کر سکیں اور اللہ تعالیٰ نے اس علاقہ کے لوگوں کو آپ کے وجود مسعود سے بہت نفع بخشا بالآخر سفر حج میں تشریف لے گئے اور [illegible] میں آپ نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

سید محمد بن اعلیٰ نصیر آبادیؒ

مولانا سید محمد بن اعلیٰ بن محمد بن تقی بن عبد الرحیم بن ہدایت اللہ حسنی نصیر آبادیؒ بہت بڑے عالم و عابد تھے۔ آپ نے پہلے لکھنؤ کے اساتذہ سے پڑھا اور پھر مزید تحصیل علم کے لیے حضرت امام صاحبؒ کی خدمت اقدس میں حاضری دی۔ آپ سید صاحبؒ

سے بیعت بھی تھے ، ایک مدت تک ان کے ساتھ رہے پھر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے مولانا عبد الحیی ؒ بن فخر الدین صاحب "نزہۃ الخواطر" کے دادا مولانا سید عبد العلی ؒ جو ان کے برادر عم زاد تھے ۔ سید خواجہ احمد نصیر آبادی ؒ اور بہت سے دوسرے لوگوں نے آپ سے کسب فیض کیا۔ ہفتہ کی رات یکم شعبان ۱۲۸۶ھ میں بعمر ۷۰ سال بہ عارضۂ فالج اللہ کو پیارے ہو گئے[۵۸]۔

مولانا معین الدین سہسوانی

مولانا معین الدین بن بخشش الدین انصاری سہسوانی ؒ بہت بڑے عالم، خطیب اور عابد و زاہد تھے، ولادت سہسوان میں ہوئی۔ بچپن بھی وہاں گزارا پھر طلب علم کے لیے رامپور چلے گئے اور اساتذۂ وقت سے درسی کتابوں کو پڑھا علمی تشنگی کی تسکین کے لیے کچھ اور شہروں کے سفر بھی اختیار کیے بالآخر حضرت امام صاحب ؒ اور مولانا عبد الحیی صاحب ؒ کی خدمت میں پہنچے اور طویل مدت تک ان کے پاس رہ کر فیوض و برکات حاصل کرتے رہے پھر اپنے شہر واپس دعوت و ارشاد میں مصروف ہو گئے اور بلا خوف لومۃ لائم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تقاضوں کو پورا کرنے لگے اس طرح بے شمار خلقِ خدا کو آپ سے بہت بہت فائدہ پہنچا۔ ۱۲۷۲ھ میں آپ اللہ کو پیارے ہو گئے[۵۹]۔

مولانا وحید الدین پھلتی ؒ

مولانا وحید الدین بن معین الدین پھلتی ؒ دہلوی عالم باعمل، عبد صالح اور بہت بڑے مجاہد تھے دہلی سے بیس میل کے فاصلہ پر واقع بستی پھلت میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ علم کی تحصیل آپ نے حضرت امام صاحب ؒ سے کی نیز تیرہ سال تک آپ کو حضرت شاہ عبد العزیز ؒ اور شاہ عبد القادر ؒ کی صحبت بھی نصیب رہی پھر حضرت سید صاحب ؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے اور ان کی معیت میں حرمین شریفین کا سفر کر کے حج و زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔ اور پھر سرحد کے سفر میں بھی آپ سید صاحب ؒ کے ساتھ رہے تھے[۶۰]۔ مکہ معظمہ کے زمانۂ قیام میں سید صاحب ؒ نے جب مولانا عبد الحیی اور امام صاحب سے فرمایا تھا کہ ایسے متبرک مقام میں کچھ علوم دینیہ کا مشغلہ ہونا چاہیے یہ وقت غنیمت ہے۔ تو مولانا عبد الحیی صاحب ؒ نے حافظ سید محمد کو مشکوٰۃ کا اور امام صاحب ؒ نے مولانا

وحید الدین صاحب کو اپنے جدِ محترم کی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" کا درس دینا شروع کیا حتیٰ کہ دونوں مجلسوں میں بڑی کثیر تعداد میں لوگ شرکت کرنے لگے اور اس طرح عوام الناس کو بھی اپنے عہد کے ان دونوں جلیل القدر علماء سے استفادہ کا موقع ملا۔

مولانا ولایت علی صادقپوریؒ

تعلیم وتعلّم : حضرت مولانا ولایت علی بن فتح علی بن وارث علی بن محمد بن سعید ہاشمی۔ صادقپوری عظیم آبادیؒ علماء ربانیین میں سے تھے آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰-۹۱ء میں صادقپور کے ایک ممتاز زبیری خاندان میں ہوئی جسے عظیم آباد میں امارت وریاست کا درجہ حاصل تھا شرفاء ہند کے معمول کے مطابق چار سال کی عمر میں آپ کو مکتب میں بٹھایا گیا ذہانت و ذکاوتِ وافر سے سات برس کی عمر میں آپ کی استعداد اسی حد تک پہنچ گئی کہ اُستاد سے تشفّی نہ ہوتی تھی تو پھر والدِ بزرگوار نے اپنے نونہال کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کا بیڑا خود اٹھایا۔ بارہ برس کی عمر میں جب آپ نے مختصرات سے فراغت حاصل کرلی تو آپ کو معقول کے مشہور اُستاد اور مذہبِ امامیہ کے مجتہد مولانا رمضان علی کے حلقۂ درس میں داخل کر دیا گیا پھر مزید تحصیلِ علوم کے لیے ماہرِ معقول ومنقول مولانا محمد اشرف بن نعمت اللہ کے پاس لکھنؤ تشریف لے گئے اور تقریباً چار سال تک وہاں اقامت پذیر رہے اسی عرصہ میں حضرت سید صاحبؒ سے ملاقات ہوئی اور پہلی ہی صحبت میں نقدِ دل ہار بیٹھے۔ لکھنؤ سے فراغت کے بعد کچھ مدّت کے لیے اپنے شہر تشریف لے آئے اور جمعہ وجماعت، درس وتدریس اور وعظ وتذکیر میں مصروف ہوگئے لیکن جلد ہی پھر سیّد صاحبؒ کی خدمت میں پہنچ گئے اور اسی عرصہ میں حضرت امام صاحبؒ سے کتبِ حدیث کو پڑھنا شروع کردیا۔

سادگی : حضرت امام صاحبؒ نے اپنی جماعت میں آپ کو اپنا نائب مقرّر کردیا تھا۔ مگر آپ کو اب اسوۂ حسنہ نبوی سے ایسا ذوق حاصل ہوچکا تھا کہ آپ اپنی جماعت والوں کی آپ خدمت کیا کرتے تھے اور جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر اور اپنے سر پہ رکھ کر لایا کرتے تھے اور اپنے ہاتھوں سے کھانا پکاتے اور مٹی گارے کا کام خود انجام دیتے چنانچہ اسی زمانہ میں آپ کے والدِ ماجد نے ایک خدمت گار کو جو بچپن میں آپ کی خدمت میں

رہتا تھا، چار سو روپے نقد و ملبوسات پیش بہا دے کر روانہ کیا۔ ملازم نے بریلی پہنچ کر سید صاحب کے قافلہ میں آپ کو دریافت کیا، لوگوں نے بتایا کہ دریا کنارے وہ مٹی کا کام کر رہے ہیں۔ دریا کے کنارے بہت سے لوگ تعمیر مسجد و مکان قافلہ میں مصروف تھے مولانا بھی ایک موٹا سیاہ تہبند باندھے ہوئے گارے میں تھڑے ہوئے کام میں مشغول تھے۔ آپ کی صورت ایسی متغیر ہو گئی تھی کہ یہ قدیم ملازم وہاں پہنچ کر اور آپ سے ہم کلام ہو کر بھی آپ کو نہ پہچان سکا۔ بلکہ مولانا ولایت علی صاحب کے خود اقرار کرنے کے باوجود اس نے اسے تمسخر پر محمول کیا اور سخت ناراض ہوا آخر کار آپ نے فرمایا اچھا پھر جا کر قافلہ میں تلاش کرو جب وہ قافلہ میں واپس آیا تو لوگوں نے اس کو یقین دلایا کہ مولوی ولایت علی عظیم آبادی وہی شخص ہیں جن سے تم دریا کنارے بات کر آئے ہو، تب وہ دوبارہ آپ کے پاس آ کر اپنی جسارت پر نادم و پشیمان ہوا اور آپ سے معافی چاہی۔ آپ نے اسے گلے سے لگا لیا اور بہت اخلاق و تواضع سے پیش آئے۔ اس ملازم نے نقد و ملبوسات پیش کر کے ان کے استعمال کی آرزو ظاہر کی اور آپ کی طبیعت دیکھ کر زار زار رونے لگا مگر آپ اسی روز جب آئے تھے ہی نقد و ملبوسات جیسے بندھے ہوئے تھے، سید صاحب کے حضور میں رکھ کر خاموش چلے آئے۔ بالآخر ملازم چند روز تک آپ کو اسی حالت میں دیکھ کر آپ سے رخصت ہوا اور واپس آکر آپ کے بزرگوں سے ساری کیفیت بیان کی، اس کیفیت کو سن کر آپ کے والد ماجد اپنے فرزند خورد مولوی فرحت حسین کے ہمراہ بریلی پہنچے اور سید صاحب کی صحبت میں بہت فیض یاب ہوتے رہے۔

مختلف اوقات

آپ سید صاحب کے ساتھ ہجرت کر کے بغرض جہاد گئے تھے لیکن سید صاحب نے آپ کو دعوت و تبلیغ کی غرض سے حیدرآباد بھیج دیا۔ حیدرآباد میں آپ کم و بیش چار سال رہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے وجود مسعود سے اپنے بعض بندوں کو ہدایت فرمائی۔ اسی اثناء میں معرکہ بالاکوٹ میں حضرت سید صاحب، حضرت امام صاحب اور بہت سے دیگر رفقاء جام شہادت نوش فرما گئے اور ادھر آپ کے والد ماجد بھی رحلت فرما گئے تو آپ حیدرآباد سے عظیم آباد تشریف لے گئے۔ وہ

سال کی اقامت کے بعد حجاز مقدس کے سفر پر روانہ ہو کر حج و زیارت کی سعادت حاصل کی اور شیخ عبد اللہ سراج مفتی مکہ سے حدیث کی سند حاصل کی ۔ پھر یمن ، زبید اور حضرموت میں بھی گئے ۔ یمن میں علامہ شوکانیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیث کی سند حاصل کی ۔ شیخ عبد القادر سراج فرمایا کرتے تھے ، مولانا نے حدیث کے اعتبار سے سند مجھ سے لی اور صنعانی کی سند بھی مولانا سے حاصل کی ۔ یہ شاید اس لیے کہ حضرت امام صاحبؒ سے تلمذ کے پیش نظر آپ میں بہت عمدہ ذوق حدیث و رائی پیدا ہو چکا تھا ۔

جب خود ستھانہ تشریف لائے تو آپ نے اپنے برادر حضرت مولانا عنایت علیؒ کو خراسان بھیج دیا اور خود کشمیر میں جہاد میں مصروف ہو گئے جہاں آپ کو نمایاں کامیابیاں حاصل ہوئیں ۔ لیکن کشمیر کے حکمران نے انگریزوں سے مداخلت کے لیے درخواست کی ، چنانچہ انگریز آپ کو پکڑ کر لاہور لے آئے اور انہوں نے آپ کے خاندان پر پابندی عائد کر دی اور آپ کو دو سال کے لیے عظیم آباد میں نظر بند کر دیا ، چنانچہ عظیم آباد پہنچ کر آپ نے دینی مدارس اور دینی کتب کی نشر و اشاعت کا سلسلہ شروع فرما دیا ۔ مولانا عبد الرحیم صاحبؒ رقمطراز ہیں :-

> " آپ کی اشاعت دین کی انتھک کوشش غرب ، شرق ، شمال و جنوب کل کو محیط تھی ۔ پنجاب اور میلوں تک بہار کا چپہ چپہ ان کی تبلیغ و تصنیف سے معمور تھا ۔ دور دراز علاقوں کو آپ جا کر اور لوگوں کو ان کے گھروں میں جا کر اللہ کی اطاعت و بندگی کی ترغیب دیتے اور ان کی بدعتوں اور غلطیوں کو شہد کی طرح چوس کر جاتے ۔ آپ اپنے دورہ میں قریہ قریہ گشت کرتے جاتے اور رشد و ہدایت پھیلاتے جاتے ، یہاں تک کہ مخصوص مقامات تک پہنچتے میں مسجدوں اور مدرسوں کو آباد کر دیتے ۔ دینیات کی تعلیم کے لیے مکانوں میں بعد نماز فجر تا نماز عصر قرآن و حدیث کا درس دیتے مولوی عبد اللہ آپ کے خلیفہ اکبر قاری ہوتے ۔ دوسرے علماء ایک تفسیر با قاعدگی سے بیٹھتے ۔ علاوہ ازیں مریدوں کی بڑی بڑی جماعتیں

ہوئی "قرآن مجید اور بلوغ المرام" کا لفظی ترجمہ مردوں، عورتوں اور بچوں کو پڑھواتے تاکہ لوگ اللہ کی مرضی اور غیر مرضی (اوامر و نواہی) سے آگاہ ہو جائیں۔ ان پڑھ بھی نمازوں میں اپنے پڑھنے کی سورتوں اور دعاؤں کے معانی اور مطالب سے خوب آگاہ ہوتے۔ عوام واقفیت کے لیے سوائے ترجمہ کے دوسری سبیل نہیں، جناب نے شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نبیرۂ مولانا شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ دہلوی کی خدمت میں ترجمہ قرآن از شاہ عبدالقادر صاحبؒ اور رسائل مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے ارسال کی درخواست کی اور جناب شاہ صاحبؒ کے ارسال فرمانے پر پہلے مطبع حسینی لکھنؤ میں ان کے طبع کرانے کی سعی فرمائی بعد انکار صاحب مطبع آپ نے تاشر دو روپیہ بنگال کے اس خدمت طبع کو اپنے خلیفہ مولوی بدیع الزمان صاحب بردوانی کے حوالہ فرمایا۔ چنانچہ مولوی صاحبؒ نے ایک ٹائپ پریس قیمتی دس ہزار خرید کر کے بجرأت مزاحمت تعمیل ارشاد کی۔ پھر تو دیگر مطابع نے بھی بغرض تحصیل زر و مال کتب دینی کے طبع کی طرف توجہ کی۔ آپ نے جہاں جیسی ضرورت دیکھی یا لوگوں نے مسائل دریافت کیے عوام کی تفہیم کی غرض سے مختصر اور عام فہم رسائل تصنیف فرما کر لوگوں کے حوالے کیے ایسے رسائل کی تعداد سو سے کم نہ ہوگی مگر اس وقت صرف چند دستیاب ہو سکے جو مجموعہ رسائل میں شامل ہیں۔ تحریک جماعت اور امامت اور واعظین بھی مقرر کیے گئے۔[۴۳]

قیام وطن کے زمانہ میں بھی آپ کا معمول تھا کہ ہر ہفتہ شب جمعہ کو مغرب کی نماز کے بعد اپنے مکان میں مجلس وعظ منعقد فرماتے جس میں بڑی کثیر تعداد میں لوگ شرکت کرتے اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے بیان میں عجیب تاثیر ودیعت فرمائی تھی۔ جب قبر و قیامت کا ذکر فرماتے تو لوگوں کی حالت دگرگوں ہو جاتی۔ دعوت و تبلیغ کے علاوہ بڑی سرگرمی سے آپ امر جہاد میں

کی صورت رہے۔ تردد ثبت وغیرہ کی جنگ آپ کے زمانہ میں برپا کی گئی آخر کار آپ نے ۱۴ر شوال ۱۲۶۸ھ (یکم جولائی ۱۸۵۲ء) کو گھر بار چھوڑا اور ہجرت کر کے سوات تشریف لے گئے مولانا عنایت علی بن مولانا الٰہی بخش اور چند دیگر احباب بھی آپ کے ساتھ روانہ ہوئے اور ہجرت کے بعد سے ابھی کچھ عرصہ بھی کوئی خاص کارنامہ سرانجام دینے نہیں پائے تھے کہ ۲۲ر محرم ۱۲۶۹ھ (۵ر نومبر ۱۸۵۲ء) کو بعارضہ خناق راہگرائے ملک بقا ہوئے ستھانہ میں آپ کی قبر ہے۔ وفات پر درج ذیل دو تاریخیں کہی گئیں ؎

ولایت علی العالم المتورع　　توفی بالھجرۃ للدین ناصر
وھذا الذی قد طاب حیا ومیتا　　فارّخ قلبی مات غاز مھاجر

۱۲ ۵ ۶۹

دوسری تاریخ وفات فارسی میں کہی گئی ؎

ولایت علی رہبر دین حق　　بماہ محرم چو شد زیر خاک
بگو از سر آہ سال وفات　　شدہ جائے سیرش بہ فردوس پاک

ازواج واولاد

آپ کی پہلی شادی سید مقصود علی کی دختر نیک اختر امیرن سے ہوئی تھی جب یہ وفات پا گئیں تو آپ نے حیدرآباد کے ایک رئیس مرزا احمد بیگ کی دختر فرخندہ اختر قمر النساء بیگم سے نکاح کیا۔ آپ کے بطن اطہر سے پانچ بچے تولد ہوئے اور آپ نے تیسرا نکاح مولانا الٰہی بخش کی بیوہ صاحبزادی کلثوم النساء سے کیا۔ ان کے بطن سے چار بچوں نے جنم لیا۔ اولاد کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

۱۔ مولانا عبداللہ　۲۔ نعمت اللہ　۳۔ ولایت اللہ　۴۔ عبدالرحمٰن　۵۔ مولانا عبدالکریم

۶۔ مولانا محمد حسن ذبیح　۷۔ شاکرہ　۸۔ زینب　۹۔ محمد حسین

تصنیفات

آپ کی ساری زندگی دعوت و ارشاد اور امور جہاد میں بسر ہوئی ان معروفیتوں کے پیش نظر آپ کو تصنیف کے لیے خاص وقت میسر نہ آسکا تاہم آپ نے بے شمار رسائل مختلف عنوانات پر تصنیف فرمائے جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں ۱۔ رد شرک (فارسی) ۲۔ شجرۂ باقرہ (اردو) ۳۔ تیسیر الصلوٰۃ (اردو) ۴۔ اربعین فی

الاربعین (عربی) ۵۔ عمل بالحدیث (فارسی) ۶۔ تنبیہات اشراک (اردو) ۷۔ دعوت (اردو)

استقامت

حضرت مولانا ولایت علیؒ ایک ایسے خاندان کے چشم و چراغ تھے جو بہار کے رؤسا کبار میں شمار ہوتا تھا۔ ناز و نعمت میں پرورش پائی لیکن عشق حق۔ ولولہ جہاد اور تڑپ احیاء کے سامنے پیش نظر سب کچھ تج دیا اور اس راہ کا انتخاب کیا جس میں آلام و مصائب کے سوا استقبال کے لیے کچھ نہ تھا اور پھر ایسے ایسے کار ہائے نمایاں سر انجام دیئے جو ارباب حکومت و عزیمت سے بھی مخفی نہ رہے آپ کے برادر اصغر مولانا عنایت علی بھی آپ کے ساتھ برابر کے شریک رہے اور انہوں نے بھی راہ خدا میں استقامت اور عزیمت کی زندہ جاوید مثالیں چھوڑی ہیں ہائے ان سادہ قلوب پر کیا ستم! اہل صفا و قیود پر کیا اثر! نہ معلوم [illegible]

مولانا کرامت علی دہلوی

مولانا کرامت علی بن حیات علی اسرائیلی۔ شافعی دہلوی کبار علماء کرام میں سے تھے آپ کی ولادت دہلی میں ہوئی والد ماجد سے تعلیم پائی۔ شاہ رفیع الدین صاحب اور مولانا فضل امام بن محمد ارشد خیرآبادی سے علم پڑھا اور مسند حدیث شاہ محمد اسحاق صاحبؒ سے لی۔ آپ کو حضرت امام صاحبؒ کے تلمذ کی سعادت بھی نصیب ہوئی اور آپ سے حدیث کی کتابیں پڑھیں۔ تحصیل علم سے فراغت کے بعد مدت دراز تک دہلی میں مسند تدریس پر جلوہ افروز رہے اور پھر حیدرآباد تشریف لے گئے اور ہزار روپیہ مشاہرہ پر منصب عدل و قضا پر بیس سال تک فائز رہے۔ متعدد کتب لکھی ہیں۔

> فضل و کمال ان کا حد تقریر اور احاطہ تحریر سے باہر ہے استعداد مسائل اس درجہ کو پہنچا ہے کہ معقول ان کے ذہن میں حکم ضروری کا رکھتا ہے عرصہ چند سال کا ہوا کہ شہر شاہجہان آباد کو تلاش معاش کی تقریب سے چھوڑا اور حیدرآباد کی طرف راہی ہوئے چونکہ السفر وسیلۃ الظفر حدیث مشہور ہے گردش فلک نے وہاں ان کے موافقت کی اور پانچ ہزار روپیہ ماہانہ کے منصب سے

سرفراز ہیں۔ اس نواح میں موقر قابل اور ممتاز رہ کے بسر کرتے ہیں
نظم و نثر ان کا کچھ راقم کو بہم نہیں پہنچا۔

"سیرت احمدیہ" بزبان عربی ایک ضخیم جلد میں آپ کی تصنیف ہے معلوم نہیں سرسید کو اس کا علم نہیں ہو سکا یا مولانا کرامت علیؒ نے ہی اسے سرسید کے "آثار الصنادید" لکھنے کے بعد تصنیف فرمایا۔ ۱۲۹۰ھ میں حیدر آباد میں آپ کا انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہیں۔

مولانا جعفر علی بستویؒ

مولانا جعفر علی بستوی بن قطب علی حسینی نقوی بستوی موضع امیر ضلع بستی (یو۔ پی) میں ۱۲۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی اور تکمیل کے لیے لکھنؤ تشریف لے گئے آپ کو حضرت امام صاحبؒ سے بھی تلمذ کی سعادت نصیب ہوئی نیز حضرت سید صاحبؒ سے بیعت بھی تھے۔ آپ کے چھوٹے بھائی سید حسن علی اور والد صاحب تکیہ شریف جا کر بیعت کر چکے تھے مگر آپ علالت طبع کے باعث نہ جا سکے۔ ان کی بیعت پر سید صاحبؒ کا رنگ دیکھ کر آپ بھی بہت بے قرار تھے۔ ان دنوں گورکھپور میں مقدمے کی پیروی کے لیے اکثر جایا کرتے تھے اس لیے فیصلہ کر لیا کہ وہیں سے حضرت سید صاحبؒ کی طرف چلے جائیں گے رخصت کے وقت والد صاحب سے دعا کے لیے کہا انہوں نے کہا شاید مقدمہ میں کامیابی کے لیے دعا کے تو اطمینان رکھیں چنانچہ انہوں نے دعا کی۔ چھوٹا بھائی حسن علی کچھ دور ساتھ گیا۔ اس کے پاس بندوق تھی اس نے پیش کش کی مگر انہوں نے فرمایا کہ اسے اپنے پاس رکھو مجھے اللہ تعالیٰ اور دے گا۔ بھائی نے گلوگیر لہجہ میں کہا جب آپ راہ خدا میں جا رہے ہیں تو دنیا کی دولت میرے لیے کیا حقیقت رکھتی ہے سید جعفر صاحب نے اسے تسلی دی اور ساتھ ہی والدین کی خدمت کی از حد تاکید کی۔

سید صاحبؒ جب گھر سے نکلے تو موسم برسات شروع ہو چکا تھا ندی نالے اور دریا طغیانی پر آ رہے تھے اور انہیں عبور کرنا بہت دشوار تھا اور عجب لطف یہ کہ پہلی رات ہی آشوب چشم میں مبتلا ہو گئے اور درد کی شدت سے پیشِ نظر دھندلا ہو گئے اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں مشتاق کو ان کٹھن منزلوں سے گزرنا ہی پڑتا ہے اور یہ بھی ان سے ہی پوچھئے کہ ان سنگلاخ گھاٹیوں اور خارزار وادیوں کو طے کرتے وقت انہیں کس قدر فرحت اور مسرت حاصل ہوتی ہے وہ اختصاص

جنہیں عشق و سرمستی کی راہوں سے گزرنا کبھی نصیب نہ ہوا ہو وہ تڑپ اور اضطراب کی لذت کیا جانیں یہ حقیقت ہے کہ مشکل منزلیں انہی کی راہ میں آتی ہیں جن میں اضطراب ہو، تڑپ ہو، کشش ہو، حوصلہ ہو اور راہِ خدا میں سر کٹا دینے کا عزم ہو۔ اب راہِ حق کے اس مسافر کی کیفیت ملاحظہ فرمایئے کہ منزل نہایت دشوار، راستہ نا ہموار، کہیں صحرا اور کہیں دریا۔ کھانے پینے کی کوئی چیز ساتھ نہیں اور پھر راستہ میں ہر مقام پر سکھوں کی طرف سے قتل کا شدید خطرہ لیکن یہ غازی راہِ خدا نہ صرف خود رواں دواں ہے بلکہ قدم قدم پر ہمراہیوں کو ولولۂ تازہ دیئے جا رہا ہے۔ ساتھیو! ہمت کرو آگے بڑھو ہم نہتے نہیں ہیں اور اسلحہ ہمارے پاس موجود۔ اگر سکھوں سے مقابلہ ہو گیا تو انہیں مار کر اونٹ اور گھوڑے لے لیں گے اور پھر بہت جلد حضرت سید صاحبؒ اور اپنے مجاہدین بھائیوں سے جا ملیں گے۔

کچھ لوگ راستہ میں اور آ ملے تھے۔ اب اہلِ حق کا یہ قافلہ "۱۲" افراد پر مشتمل تھا جو ۱۹ رمضان المبارک سنہ ۱۲۴۶ھ (۴ مارچ ۱۸۳۱ء) کو پنجتار پہنچ گیا۔ سید صاحبؒ ان دنوں امب تشریف فرما تھے لہٰذا یہ حضرات سیدھے امب پہنچے۔ مولانا جعفر علی صاحبؒ تقریباً ایک سال تک جہاد میں مصروف رہے حتیٰ کہ سانحۂ بالاکوٹ پیش آ گیا اور انہوں نے وطن مراجعت کا ارادہ کر لیا۔

بالاکوٹ سے واپسی پر آپ نے دو اہم خدمتیں انجام دیں۔ اوّل یہ کہ آپ نے اپنی بستی سے چھ میل کے فاصلے پر گڑھی میں "ہدایت المسلمین" کے نام سے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ دوسری یہ کہ نواب وزیر الدولہ والیٔ ٹونک اور آپ کے صاحبزادے نواب محمد علی خاں کی فرمائش پر حضرت سید صاحبؒ اور دیگر حضرات مجاہدین کے حالات پر مشتمل "منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء" نامی بزبانِ فارسی ایک مفصل کتاب تصنیف فرمائی جس کا دوسرا نام "تاریخ احمدی" ہے۔ مگر افسوس کہ یہ نہایت قیمتی معلومات سے لبریز اور ایک اہم دستاویز آج تک زیورِ طباعت سے آراستہ نہ ہو سکی۔ اس کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔

آخرکار عمر شریف کی ستر بہاریں دیکھنے کے بعد یہ غازیٔ اسلام رمضان المبارک سنہ ۱۲۸۱ھ (نومبر ۱۸۶۴ء) میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ وفات سے قبل آپ نے یہ خواب دیکھا کہ ایک انتہائی آراستہ و پیراستہ مقام میں شاہ عبد العزیزؒ، حضرت سید احمدؒ اور حضرت امام محمد اسمٰعیلؒ اور کچھ دیگر حضرات کرسیوں پر جلوہ افروز ہیں اور ایک کرسی خالی پڑی ہے کسی نے دریافت

کیا۔ یہ کس کے لیے ہے؟

جواب ملا جعفر علی کے لیے۔

اولاد میں زینب نامی صرف ایک دخترِ فرخندہ اختر چھوڑی جن کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی برادرِ اصغر سید حسن علی کے صاحبزادے محمد ذکریا کی اولاد میں سے سید محمد مصطفےٰ، سید محمد احمد، اور سید محمد صالح سنہ ۱۹۴۱ء تک بقیدِ حیات رہے۔ یاد رہے مولانا جعفر علی صاحب حضرت امام صاحبؒ کے تلمیذِ رشید ہونے کے علاوہ آپ کے کاتبِ خاص بھی تھے۔[۶۷]

مولانا جلال الدین بنارسیؒ

مولانا جلال الدین بن عبد الاعلیٰ بن کریم اللہ بن ظہور محمد ہاشمی جعفری بنارسیؒ سنہ ۱۲۱۹ھ یا سنہ ۱۲۲۱ھ میں بنارس میں پیدا ہوئے۔ شاہ محمد غوث صاحب گوالیاری کے واسطہ سے آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام حسینؓ رضی اللہ عنہ تک جا پہنچتا ہے آپ نے تعلیم اپنے والد صاحبؒ مولانا احمد اللہ نامیؒ اور حضرت امام صاحبؒ سے حاصل کی اور سندِ حدیث مولانا عبد الحق بن فضل اللہ نیوتینی سے حاصل کیں اور انہیں بزرگوں کی صحبت کے پیشِ نظر ترکِ تقلید اور عمل بالحدیث کا رنگ آپ پر غالب تھا۔ چنانچہ مولوی خرّم علی صاحبؒ[۶۸] سے مسئلہ فاتحہ خلف امام میں آپ کا مناظرہ مشہور ہے اسی مبحث میں آپ نے بزبانِ فارسی رسالہ "فاتحۃ الصواب فی قرأۃ فاتحۃ الکتاب" محرّم سنہ ۱۲۵۶ھ میں تصنیف فرمایا پھر اس کا خلاصہ بزبانِ اُردو بنام "زبدۃ الالباب" فرمایا جو مطبع سعید میں طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے۔ آپ بے حد ذہین تھے حفظِ قرآن کا شوق ہوا تو رمضان المبارک کی پہلی تاریخ کو التزام کیا دن میں ایک پارہ حفظ کر لیتے اور شب کو تراویح میں سنا دیتے۔ خاندان میں مہر فاطمی کا رواج آپ ہی کی سعی سے ہُوا۔

ایک مدت تک بنارس کالج میں مدرس رہے بڑے بڑے انگریز حکّام نے آپ کی شاگردی کی ہے آپ کو وائسرائے کے دربار میں خاص کرسی ملتی تھی باوجود ایسے اعزاز کے استغنا کا یہ عالم تھا کہ اپنے لیے عہدہ کی ترقی ناپسند فرمائی اور دینیات کی طرف آپ کی توجہ بہت زیادہ رہی۔ صاحبِ کرامات بھی تھے۔"

"فاتحۃ الصواب" اور "زبدۃ الالباب" کے علاوہ آپ کی دوسری تصانیف یہ ہیں "زبدۃ القوانین"

۔ انجاز عبارۃ الکافیۃ، البیان الشافیۃ۔ ترجمہ اخوان الصفا اور قواعد اردو۔
جمادی الاولیٰ ۱۲۹۶ھ ۱۸۷۹ء میں انچاس برس کی عمر میں وفات پائی اور سعید الدین احمد
مجید الدین احمد، حمید الدین احمد اور شبیر الدین احمد چار صاحبزادگان عالی مرتبت یادگار چھوڑے[۹۹]

مولانا محمد حسن صاحبؒ

مولانا محمد حسن صاحبؒ رامپور منہاران سے تعلق رکھتے تھے امیر شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ حکیم ضیاء الدین رامپوری کے بھتیجے مولوی محمد حسن صاحب کو میں بچپن سے جانتا ہوں کیونکہ یہ اپنے استاد میاں جی محمدی صاحبؒ سے ان کے بیعت کے حالات سنے ہیں مولوی صاحبؒ موصوف مولوی اسمٰعیل صاحبؒ اور مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی کے شاگرد تھے۔

روایت ہے کہ آپ ابتداء میں نہایت نفاست پسند اور نازک مزاج تھے لیکن آپ کی نازک مزاجی و حس کا حضرت امیر صاحبؒ نے علاج کیا کا جو قصہ حکایات اولیاء میں مولانا گنگوہی سے منقول ہے بقول مولانا غلام رسول مہر مرحوم وہ کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہم اتنا جانتے ہیں کہ دوران جہاد میں انتہائی سادگی سے زندگی گزاری۔ یہاں تک کہ اپنے بیٹھنے سونے کی بھی کوئی جگہ مقرر نہ کی۔ سید صاحبؒ کی باتیں سننے کے شوق میں پاس بیٹھے رہتے۔ نیند کا غلبہ ہوتا تو وہیں پڑ کر سو جاتے۔[۱۰۰]

مولانا مہر صاحب آپ کے حالات میں مزید رقمطراز ہیں:۔

> مولوی محبوب علی دہلوی قافلے سے کٹ کر سرحد پہنچے تو راستے کی تکلیفوں سے اس قدر پریشان ہوئے کہ واپسی کا قصد کر لیا اور مجاہدین سے کہنا شروع کر دیا کہ سید صاحب اور قافلے کے جو حقوق تمہارے ذمے ہیں انہیں ادا کرو۔ دوسرے مجاہدین کے علاوہ مولوی محمد حسن نے بھی اس موقع پر مولوی محبوب علی سے گفتگو کی۔

محمد حسن: حضرت! آپ کس دلیل سے مجاہدین کے قیام کو غلط ٹھہراتے ہیں؟
محبوب علی: آخر یہ کس وجہ سے جنگ درپیش ہے؟
محمد حسن: جنگ قرآن پڑھتے ہیں اور اس کا مرتبہ کا ہے کا سب کو علم ہے۔ جہاد یہ ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے سعی کی جائے۔ یہاں سب لوگ اسی کام میں مصروف ہیں۔ آپ ان کے فعل

کو عبث قرار دیتے ہیں اگر کسی روز کافروں سے مقابلہ پیش آجائے اور آپ دہلی میں ہوں تو کون سی کرامت سے دُور دراز کا راستہ طے کرتے ہوئے اس میں شریک ہو سکیں گے؟

مولوی محبوب علی یہ دلیل سن کر لاجواب ہو گئے۔

فتح امب کے بعد پاینده خاں تنولی سے مصالحت کی گفتگو شروع ہو گئی تو ایک مرتبہ شیخ ولی محمد پھلتیؒ[۷۴] اور مولوی خیرالدین شیرکوٹیؒ[۷۵] کے علاوہ مولوی محمد حسنؒ کو بھی سید صاحبؒ نے پائنده خاں[۷۶] کے پاس بھیجا تھا اور وہ سید صاحب کی مجلسِ شوریٰ کے بھی مستقل رکن تھے یعنی تمام اہم مشوروں میں شریک ہوتے تھے۔

سید احمد علی رائے بریلوی[۷۷] کو سالارِ اعلیٰ بنا کر پھولڑہ بھیجا تو مولوی محمد حسن کو ان کا خاص مشیر مقرر کر دیا گیا۔ یہ اور رحیم بخش جراح جنگ کے وقت پاس پاس کھڑے تھے۔ جب سید احمد علی کی شہادت کا علم ہوا تو ایک دم گھمسان کے رن میں گھس گئے اور مردانگی سے لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ پھولڑہ ہی کے گنجِ شہیداں میں سید احمد علی اور دوسرے رفقاء کے ساتھ دفن ہوئے۔ "منظورہ کا بیان ہے شاہ اسمٰعیل کے بعد لشکرِ اسلام میں عجز، حلم، خاکساری اور قابلیت کے لحاظ سے مولوی محمد حسن جیسا کوئی نہ تھا۔"[۷۸]

آپ کے ہزاروں تلامذہ میں سے مشتے نمونہ از خروارے" چند ایک کے مختصر حالات ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ تفصیل کے لیے تو کئی دفاتر درکار ہیں آپ کے لیے یہ فخر ہی کیا کم ہے کہ جہاں حضرت سید احمد شہیدؒ آپ کے سلسلۂ تلمذ میں شامل ہیں وہاں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جب آپ حج کے لیے تشریف لے گئے تو مکہ کے نامور مفتی شیخ عبداللہ سراجؒ بھی آپ کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھتے اور اپنے شبہاتِ علمی کو پوچھتے ہیں اور خاص طور پر علمِ مناظرہ کی تحصیل تو انہوں نے آپ ہی سے کی۔

الغرض بقول غالب ؎

میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھُل گیا
بلبلیں سن کر مرے نالے غزلخواں ہو گئیں

آپ جہاں تہاں بھی تشریف لے گئے دبستانِ علم و فضل کھلتے گئے۔

باب سوم

دعوت و تبلیغ

مدرسہ رحیمیہ سے سندِ فراغت کی تکمیل کے بعد آپ نے جب گردوپیش پر نگاہ دوڑائی اور ماحول کا جائزہ لیا تو ہر طرف شرک و بدعت کی ظلمتوں میں ٹامک ٹوئیے مارتے ہوئے انسان نظر آئے آپ نے ان کی حالتِ زار کا مشاہدہ فرمانے کے بعد عزمِ صمیم کر لیا کہ گم گشتگانِ راہ بھائیوں کو شیطانی پگڈنڈیوں پر چلنے سے منع کریں گے۔ اور کوشش کریں گے کہ وہ پھر سے صراطِ مستقیم پر چلنے لگیں۔ چنانچہ اس عزم کی تکمیل کے لیئے آپ نے وعظ و ارشاد کا سلسلہ شروع فرما دیا۔ لیکن حضرت سید صاحبؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کرنے کے بعد تو آپ نے اپنی حیاتِ طیبہ کو دعوت و ارشاد، اصلاح و تبلیغ احیائے دین اور ردِ شرک و بدعات کے لیئے وقف کر دیا اور اس مشن کا باقاعدہ آغاز رمضان المبارک ۱۲۳۱ھ کے پہلے جمعۃ المبارک سے کیا۔ اس سے قبل حالت یہ تھی کہ خطباً حضرات عربی کے خطبات ہی پڑھا کرتے تھے جس سے عربی سے ناواقف عوام کو قطعاً کوئی فائدہ نہ ہوتا اس لیئے حضرت امام صاحب نے افادۂ عوام کی خاطر عربی کی بجائے اردو میں خطبہ ارشاد فرمایا اور شاید برصغیر پاک و ہند میں یہ پہلا خطبہ تھا جو اردو میں دیا گیا۔ امید ہے کہ قیامت تک آپ کو

اپنے اس "صدقہ جاریہ" کا ثواب ملتا رہے گا۔ آپ نے اپنے اس ابتدائی خطاب میں دہلی کی جامع مسجد میں "مسئلہ توحید اور ردِّ شرک وبدعت" کو اس قدر جرأت اور حق گوئی و بے باکی سے بیان فرمایا کہ جہاں دلائل و براہین کی فراوانی پر لوگ عش عش کر رہے تھے وہاں تاثیر کا بھی یہ عالم تھا کہ سامعین پر ایک سناٹا طاری تھا اور ان کے دل خشیّتِ الٰہی سے لرز لرز اٹھے اور آنکھوں سے آنسوؤں کے سیلاب رواں دواں ہو گئے۔ ؎

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

جنگل کی آگ کی طرح اس ابتدائی خطاب کا عوام وخواص میں چرچا ہوگیا اس کے بعد آپ نے باقاعدہ ہر جمعۃ المبارک کے دن جامع مسجد دہلی میں خطاب فرمانا شروع کر دیا اور علماء بدعت کی طرف سے مخالفت کے طوفانِ بدتمیزی کے برپا کر دیئے جانے کے باوصف لوگ تھے کہ کشاں کشاں پہنچتے اور کھنچے کھنچے چلے آتے اور خطاب کے اختتام تک قوّتِ تاثیر کے پیشِ نظر محویّت اور استغراق کا یہ عالم ہوتا گویا کسی ماہر اور مشّاق جادوگر نے اپنی کرشمہ سازیوں اور سحر آفرینیوں سے ساکت وجامد بنا دیا ہے۔ کیوں نہ ہو جب کہ ؎

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پَر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

سرسیّد آپ کی تقریر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"وعظ ونصائح سے اہلِ غفلت کے کان کھول دیئے جو جو مسائل کہ ان پر مواظبت کرنی ضروریاتِ دین سے تھی اور بسبب سستی اور کاہلی کوئی علمائے وقت کے عوام روزگار کیا بلکہ خواص کے گوشِ وہم تک بھی نہ پہنچے تھے آپ کی سعی وجہد سے سب پر کھل گئے اور آوازہ اعلام سنّت اور ہدمِ بنیانِ شرک وبدعت کا وضیع وشریف کے کان تک پہنچ گیا باوجودیکہ اربابِ مشیخت اور صاحبانِ تشخیص کہ سلسلہ اعتقاد و سررشتہ ارادت خاص وعام کا ان کے ساتھ مستحکم تھا اور

کسی کو مداہنت کا گمان نہ ہوتا تھا۔ اور کسی گمان سے کہ اگر مسائل حقہ گوش مردم روزگار تک پہنچایا تو ہمارے حق میں موجب ضعف اعتقاد کا ہو جائے گا، یا منازعت اور ہوائے مخالفت بلند کر کے درپے اذیت و اہانت ہوئے نہیں چونکہ مؤید بتائید الٰہی تھے اس ہدایت و ارشاد سے باز نہ آئے۔ اور خلق کو بیان سے توفیق نصیب حقیقی ہوئی اور ترک بدعات و محدثات کی ہدایت کر دی۔ اور اسی طرح کا نور پیشانی احوال سے چمکنے لگا اور ان مفسدین مضلین کا بازار کاسد ہو گیا اور لوگوں نے جان لیا کہ یہ لوگ بطمع نقد و جنس کے امر حق کو آج تک چھپاتے رہے اور بچشم خود دیکھ لیا کہ ترویج شریعت کی توفیق نماز کی ایسی ہوئی کہ مسجد جامع میں نماز جمعہ کے واسطے ایسی کثرت ہونے لگی جیسے عیدگاہ میں نماز عیدین کے واسطے ہوا کرتی ہے اور تائید الٰہی اور ان کی صدق نیت اور خلوص طویت کی برکت سے الی الآن وہی حال چلا آتا ہے اور یہ ثواب انہیں حضرت کے جریدۂ اعمال میں لکھا گیا، اور آج تک اس کا اجر ان کی روح پر فتوح پر پہنچتا جاتا ہے۔ الحمد للہ علی ذالک ثم الحمد للہ علی ذالک۔ آپ کی عادت یوں تھی کہ روز جمعہ و روز سہ شنبہ کو مسجد جامع میں مجلس وعظ مرتب فرماتے تھے طرفہ تر یہ ہے کہ سامعین کو کہ ہزارہا سے متجاوز ہوتے تھے ایسی چار روز کے عرصہ میں جب ہوائے شیطانی ضلالت پیدا کرتے یا جب خرافات نفس امارہ سے اثر شر پیدا ہوتے اور ارادہ کرتے کہ اپنے وعظ میں آپ کی حسن تقریر سے اس کو دفع کر لیتے۔ جب درس کی مجلس میں آن کر حاضر ہوتے تو حضرت ابتداء وعظ کی طرف چند لطیف تمہید سے ارشاد کرتے اور ان کی تقریر کی جامعیت سے وہ چیزیں مذکور ہو گئیں کہ ہر شخص اپنے شبہ کا جواب پاتا اور کچھ خدشہ باقی نہ رہتا یہاں

تک کہ بعد اختتام درس کے کسی کو یہ خلجان نہ رہتا کہ ان شبہات کو پھر اپنی زبان سے بیان کر کے دلیل طلب کرے اور عمدہ مقاصد تردید شرک و بدعت اور احیائے سنت تھا۔ آپ کی حسن تقریر سے وہ مسائل غامضہ کہ طالب علم کو بعد رد و قدح کے ذہن نشین ہوں۔ جہلائے عامی کو بمجرد استماع کے سمجھ میں آجاتے تھے اور اس طرح منقوش خاطر ہوتے تھے کہ مخالفین سے بعض اہل علم چاہتے تھے کچھ دلائل علمی سے اس کو رد کر کے اس کے ذہن سے نکالیں ممکن نہ ہوتا جب یہ مطالب خوب ٹھن گئے بموجب ارشاد سید اصفیا یعنی پیر طریق ہدیٰ کے اس طرح سے تقریر و وعظ کی بنیاد ڈالی کہ مسائل جہاد فی سبیل اللہ بشیتر بیان ہوتے اور یہاں تک آپ کے صیقل تقریر سے مسلمانوں کا آئینہ باطن مصفا اور مجلا ہو گیا اور اس طرح سے راہ حق میں سرگرم ہوئے کہ بے اختیار چاہنے لگے کہ سر ان کا راہ حق میں فدا ہو اور جان ان کی لوائے دین محمدی میں صرف ہو[1]۔“

آپ انتہائی سادگی اور بے تکلفی سے وعظ ارشاد فرمایا کرتے تھے جبہ و دستار کہ بقول شخصے ریا کار کے ہتھیار ہیں، کا بالکل اہتمام نہ کرتے تھے، خطبۂ مسنونہ کے بعد دل سوزی کے ساتھ قرآن حکیم کی آیات تلاوت فرماتے اور پھر کتاب و سنت کی روشنی میں ہی ان کی تفسیر شروع فرما دیتے جیسا کہ ابھی ابھی ذکر کیا جا چکا اس سادہ سے پیرایۂ بیان میں ہی قدرت نے وہ تاثیر ودیعت فرما دی تھی کہ سامعین کے دل خوف خدا سے کانپ اٹھتے اور آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اسی لیے بعض ثقات نے لکھا ہے کہ حضرت کے ایک ایک وعظ سے وہ نسبتیں پیدا ہو جاتی تھیں جو دس بارہ سال کے اشتغال و مراقبہ سے پیدا ہوتی ہیں“ مشتے نمونہ از خروارے ” آپ کے بیان کی تاثیر کی چند ایک مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

طوائف کو وعظ

ایک دفعہ آپ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے مکان کے دروازے پر کھڑے تھے کہ آپ نے دیکھا کہ بہت سی حسین و جمیل و خوشپوش نازنین جلو میں مختلف سواریوں پر سوار کہیں جا رہی ہیں آپ نے کسی سے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہیں، کہاں جا رہی ہیں اور یہ پردے کے بغیر کیوں ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ یہ سب طوائفیں ہیں اور فلاں بڑی طائفہ کے مکان پر ایک تقریب میں شرکت کے لیے جا رہی ہیں۔ آپ نے ازراہ تعجب استفسار کیا یہ سب مسلمان ہیں؟ اس نے جواب دیا جی ہاں! یہ سب مسلمان ہیں۔ سن کر آپ کو شدید صدمہ ہوا فرمانے لگے یہ تو ہماری مسلمان بہنیں ہیں۔ اگر روز حشر خدا تعالیٰ نے مجھ سے پوچھ لیا کہ انہیں کیوں نہ سمجھایا تو میں کیا جواب دوں گا۔ اس لیے میں تو ان کے مکان پر پہنچ کر انہیں ضرور نصیحت کروں گا۔

احباب و رفقاء نے کہا کہ آپ کا وہاں تشریف لے جانا قرین مصلحت نہیں ہے۔ دشمن ہوائی اڑائیں گے کہ آپ قحبہ خانوں میں بھی جانے لگے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے ان طعنوں اور ملامتوں کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں۔ میں بلا خوف لومۃ لائم پیغام الٰہی ہر کس و ناکس اور ادنیٰ و اعلیٰ کے گوش گزار کر کے رہوں گا۔

اس کے بعد اپنے دل کو سمجھانے لگے اے دل! اگر تیرے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کتوں اور چیلوں کو کھلا دیئے جائیں اور اس جسم کو جس میں تیرا مسکن ہے ہاتھی کے پاؤں سے باندھ کر کھنچوا دیا جائے اور خواہ تجھے کیسے ہی آلام و مصائب کا تختۂ مشق بنایا جائے تو نے ہمیشہ اللہ ہی کی بات کہنا ہے اور اس کے پیغام کو پہنچانے سے قطعاً نہیں رکنا۔ دل نے کہا جب تک میرے اندر جان ہے راہ خدا میں بڑے سے بڑے آلام و مصائب کو برداشت کروں گا۔

اسی جذبۂ صادق اور عزم مصمم کے ساتھ آپ درویشوں والا لباس زیب تن فرمائے ہوئے اس مکان پر پہنچ گئے جہاں تقریب کا اہتمام تھا اور صدا کرنے لگے اے اللہ والیو! اے اللہ والیو۔ چند لڑکیوں نے دروازے پر آکر پوچھا کون ہو؟ فرمایا۔ فقیر ہوں کچھ صدا سنا دوں

لہذا انہوں نے دیکھا شاید کوئی تماشہ گیر فقیر ہے دروازہ کھول دیا اور اندر بلا لیا تشریف لے گئے تو معلوم ہوا کہ مالکِ مکان بالا خانے پر اپنے مہمانوں کے ساتھ جشن میں مصروف ہے آپ بھی اوپر تشریف لے گئے اور دیکھا کہ بڑی ہی بڑی شان و شوکت کے ساتھ مہمانوں کے ہجوم میں کرسی پر بیٹھا ہے دو طرف شمعیں اور رقص مغنیہ پیش ہیں۔

آپ چونکہ مشہور و معروف خاندان نبوی کے چشم و چراغ تھے اور بالمرتبت بافقر تھے اس لیے لباس کی شکل کے باوجود وہ آپ کو پہچان گیا اور ادب سے کھڑا ہو کر کہنے لگا حضرت آپ نے یہاں تشریف لانے کی زحمت کیوں گوارا کی؟ آپ نے فرمایا خیر! تجھے کچھ سنانے آیا ہوں تو سب اہلیانِ مجلس نے اپنی اپنی جگہ پر بیٹھی رہیں۔ اس منظر کا نظارہ بڑا کچھ انوکھا تھا اس لیے سب مہمان آپ کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

آپ نے قرآن مجید کھول کر بڑے خشوع و خضوع اور سوز کے ساتھ کچھ آیات تلاوت فرمائیں جسے سب نے مع ترجمہ کے ساتھ سنا۔ پھر آپ نے ان کا ترجمہ کرنے کے بعد فرمایا یہ دنیا اور اس کی ہر چیز فانی ہے۔ مال و دولت کو دوام ہے اور نہ حسن و شباب کو قیام اس مضمون کا بیان اس قدر پُر تاثیر اور پُر درد تھا کہ سب پر گریہ طاری ہو گیا۔

اس کے بعد آپ نے موت و حیات کی فلسفیانہ حقیقت بیان کرتے ہوئے وقت کی قدر و قیمت، نیکی اور انسان کی بے چارگی و بےکسی کی ایسی تصویر کھینچی کہ تمام کا تمام روتے روتے برا حال ہو گیا۔

پھر آپ نے قبر کی تنہائیوں، آخرت کی ہولناکیوں، دوزخ کی آگ، جنتوں اور منکر نکیر کے سوالوں کا ذکر شرح و بسط سے فرمایا یہ محسوس ہوتا تھا کہ سب پر بے خودی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ ناچ و جام بادہ و ساز تو پہلے سے بند ہو چکے تھے۔

جب آپ نے شراب اور اس پر قیامت کی سختیوں اور عقوبتوں کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہاں دوسرے مجرموں کی طرح شراب کے پینے والوں کو بھی اذیت دی جائے گی تو حضرات ابھی یہ منظر ہی دیکھ رہے تھے کہ ایک بڑا انقلاب آیا اس کے ساتھ مقبول و معزز زبانی وہ لوٹ پوٹ ہو گئے جس کی وجہ سے اس پر غلاظت کا شبہ ہو رہا تھا تو میزبان حضرات ان کے

پاس تھا کیا جواب ہوگا یہ بیان بھی اس قدر پُر درد اور پُر سوز تھا جس کی وجہ سے روتے روتے ان کا بُرا حال ہوگیا اور ہچکیاں بندھ گئیں۔

اس کے بعد آپ نے توبہ کی فضیلت بیان فرمائی اور فرمایا کہ توبہ سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں سرور دنیا و دیں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ

یعنی گناہ سے توبہ کرنے والے نے گویا کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔

اور ساتھ ہی آپ نے نکاح کی فضیلت بیان فرمائی اور فرمایا کہ جس کا دل چاہے وہ نکاح کرے۔

جب آپ یہ وعظ ارشاد فرما رہے تھے۔ آناً فاناً سارے شہر میں یہ خبر پھیل گئی اور لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ دیوانہ وار لپکتے ہوئے وہاں آپہنچے گرد و پیش کے تمام مکانوں کی چھتوں پر انسانوں کے سر ہی سر نظر آتے تھے اور تمام لوگ ہمہ تن گوش بر آواز تھے۔ آپ کے اس بیان کا یہ اثر ہوا کہ تمام عورتوں نے اسی مجلس میں صدق دل سے توبہ کر لی، جوان عورتوں نے بعد میں نکاح کر لیے اور عمر رسیدہ نے محنت مزدوری سے اپنا پیٹ پالنا شروع کر دیا۔

ایک مخنث کی توبہ

ایک دفعہ آپ جامع مسجد دہلی کی سیڑھیوں کے پاس خواب فرما رہے تھے کہ ایک مخنث کی قسمت کا ستارا چمکا وہ مہندی لگائے ہاتھوں میں چوڑیاں پہنے پاؤں میں کڑے اور شرعی جوڑا پہنے اور بن ٹھن کر آپ کے پاس آکھڑا ہوا اور وعظ سننے لگا۔ ابھی تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ آپ کے ملفوظات اثر دکھا رہے تھے وہ اس کی طبیعت پر خوشگوار اثر پڑنے لگا کچھ دیر وہ گزری تو اس پر محویت کا عالم طاری ہو گیا اور آپ کے قریب آکر بیٹھ گیا۔ آپ نے بھی اس کی طرف توجہ مبذول فرمائی اور اس کی نسوانی ہیئت کی مذمت کی۔ خدا تعالیٰ کی مغفرت اور عذاب آخرت کی حقیقت اس قدر سوز و گداز سے بیان فرمائی کہ بے ساختہ [illegible] رونے لگا اور وہ اس قدر متاثر ہوا کہ فوراً توبہ کر لی، چوڑیاں توڑ ڈالیں۔ زیورات اُتار

پھینکے اور مہندی کا رنگ دور کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں کو مٹی کے ٹھیکروں پر اس قدر زور سے رگڑا کہ خون جاری ہو گیا اس کے بعد وہ ہمیشہ آپ کے حلقۂ خدام میں شامل رہا اور آپ کی معیت میں ہی خراسان گیا اور وہاں کا یہ سعادت مند مخنث سکھوں کے مقابلہ میں شجاعت کے جوہر دکھاتا ہوا جام شہادت نوش کر گیا۔

دربار اکبری میں وعظ

ایک مرتبہ آپ نے ایام محرم میں قلعہ کے اندر بھی ایک تاریخی خطاب فرمایا جس میں بادشاہ اکبر ثانی بھی شریک مجلس تھا اس خطاب کا پس منظر یہ تھا کہ ایک دن آپ چند معتقدوں کی معیت میں جامع مسجد کے حوض کے پاس تشریف فرما تھے کہ خدام تبرکات لے کر اکبر کو زیارت کرانے کے لیے شہر سے قلعہ جا رہے تھے۔ لوگوں نے جب ان کو دیکھا تو فوراً تعظیماً کھڑے ہو گئے اور کلمۂ طیبہ کا ورد کرنے لگے مگر آپ اور آپ کے معتقدین بدستور بیٹھے رہے اور اس کی طرف قطعاً توجہ مبذول نہ فرمائی۔ تبرکات سے اعتنا رکھنے والے یہ دیکھ کر بہت نالاں ہوئے اور انہوں نے دربار اکبری میں شکایت کی کہ شاہ عبدالعزیزؒ کا بھتیجا اسمٰعیل دین اسلام کی توہین کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قطعاً ادب نہیں کرتا ابھی ابھی جب ہم تبرکات لے کر حاضر خدمت ہوئے تھے تو تمام مسلمان تعظیماً کھڑے ہو گئے مگر اس نے تعظیم نہیں کی بلکہ بیٹھے رہے اور تبرکات کو نہایت حقارت کی نظر سے دیکھا۔

اکبر نے سن کر آپ کی طرف قلعہ میں آنے کے لیے پیغام بھیجا۔ آپ تمام معاملہ سمجھ گئے۔ معتقدوں اور چند افراد خاندان نے مشورہ دیا کہ آپ پہلے ریذیڈنٹ سے مل کر اپنی حفاظت کی وجوہ بیان فرما دیں مبادا کہ اکبر آپ کو کچھ نقصان پہنچائے۔ جواب میں آپ نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی۔

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا
كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○

فرما دیجئے۔ ہمیں ہرگز کوئی برائی یا بھلائی نہیں پہنچتی مگر وہ اللہ نے جو ہمارے لیے لکھ دی ہے۔ اللہ ہی ہمارا مولیٰ ہے اور اہل ایمان کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔

اور فرمایا کہ میں نے دو تین روز تک کسی قسم کے طعام کا انتخاب نہیں کیا تو کسی طرح کا خوف دامن گیر نہیں ہوا لیکن اب جب تک میں ان کے پاس جاتا ہوں، جو دریافت کریں گے اس کا برملا جواب دوں گا۔

آپ دربار میں تشریف لے گئے۔ اکبر نے حوض کے وقوع کی تفصیل دریافت کی آپ نے فرمایا یہ بیانات مصنوعی ہیں ان کی تعظیم کے ہم مکلف نہیں۔ آپ نے مسلسل بیان کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا ہے یہ تبرکات میں نے فرمایا جب کہ حقیقت میں آپ کے رخ انور پر نقصان تھا کہ میں تو صرف کہتا ہوں کہ ان سے اور آپ ان کو مصنوعی سمجھتے بھی ہیں۔ اکبر نے تعجب سے پوچھا کہ یہ کیسے؟ آپ نے فرمایا سنو اکبر یہ دو تبرکات آپ کی زیارت کے لئے لائے جاتے ہیں آپ ایک دفعہ بھی ان کی زیارت کے لئے تشریف نہیں لے جاتے۔ سن کر اکبر چپ ہو گیا اس نے کہا۔ آپ نے کسی سے فرمایا کہ قرآن مجید اور بخاری شریف لاؤ وہ لائے گئے تو آپ نے ان دونوں کو واپس کر دیا اور مجمع پر تقریر فرمائی۔

ان تبرکات کے متعلق اولاً تو کلام ہے کہ یہ مصنوعی ہیں یا حقیقی۔ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ حقیقی ہیں تو بھی یہ اکثر تبرکات مثلاً جبہ و دستار وغیرہ ایسے ہیں جن کا کوئی ذاتی شرف نہیں ان میں شرف محض نسبت کی وجہ سے ہے لیکن قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے میں قطعاً کوئی شک نہیں اسی طرح بخاری شریف بالاتفاق اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے اور اس کا کلام رسول ہونا بھی ناقابل انکار ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیب تن فرمائی ہوئی چیز دوسرے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے کلام سے باشرف ہو سکتے ہیں کوئی شک نہیں مگر ان تمام باتوں کے باوصف کلام خدا و کلام رسول تمہارے سامنے آیا مگر تم لوگوں نے ان کی کوئی تعظیم نہیں کی بلکہ بدستور بیٹھے رہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ حضرات تبرکات کی تعظیم ان کے شرف کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ محض ایک رسم کے پیش نظر کرتے ہیں۔

اس مضمون کو جب آپ نہایت شرح و بسط سے بیان فرما رہے تھے تو اکبر گردن جھکائے خاموش بیٹھا رہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری رہے۔ دوران خطاب آپ نے دیکھا کہ اکبر کے ہاتھ اور پاؤں میں سونے کے کڑے ہیں اور پاس بیٹھے ہوئے

شہزادہ کی داڑھی صاف ہے تو فرمایا کہ مردوں کو سونا پہننا حرام ہے۔ وہ شہزادہ تو چلا گیا اس کے بعد پھر پاس ہی سے حضرت شاہ عبدالعزیز کا وعظ سنتے گزرا تب تک داڑھی نہیں رکھی۔ اس وعظ کا یہ اثر ہوا کہ شہزادہ نے داڑھی رکھ لی اور بادشاہ نے فوراً سونے کے زیور سے اتار پھینکے۔

ان حضرت کے خلوص و للہیت کا یہ اثر تھا کہ زبان مبارک سے جو کلمہ بھی نکلتا تاثیر میں ڈوبا ہوا نکلتا۔ یہ لوگ بھی کتنے سعادت مند تھے کہ حق سنتے اور اس کے واضح ہو جانے کے بعد فوراً سر تسلیم خم کر دیتے تھے۔ آج قرآن و سنت ترک کرنے والوں سے ہزار بار کہیے کہ یہ فرض ہے یہ سنت ہے یہ صحت ہے اور مسلمان کا شعار ہے مگر کیا مجال کہ ٹس سے مس ہوں۔

کلکتہ میں وعظ

جب حضرت سید احمد صاحب قدس سرہ کلکتہ تشریف لائے تو ہزاروں آدمی جوق چلتے ہوئے آئے اور آپ کے دست حق پرست پر بیعت کر کے معصیت اور بدعتوں سے تائب ہو گئے تو حضرت امام صاحب نے مذہب سے ڈرے ہوئے ان دونوں کو تبلیغ کرنے کے لیے ہر فرقہ اور شیعہ کو ظاہر سے مشاہم کر کے وعظ فرمانا شروع کر دیا۔ حضرت مولانا عبدالحی صاحب بھی اس مبارک کام میں ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ یہاں کے لوگ کثرت سے شراب نوشی کے عادی تھے۔ لہذا حرمت شراب کو بھی موضوع سخن بنایا گیا اور خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ مولانا جعفر تھانیسری لکھتے ہیں۔

> ان بزرگوں کے وعظ کی یہ تاثیر ہوئی کہ خلقت جوق در جوق
> آئی اور ہزار ہا ایک جماعت کثیر کے شراب نوشی سے تائب ہوئے یہ
> شراب کی دوکانیں بند ہو گئیں۔ کلکتہ شراب سے خالی ہو گیا
> حتیٰ کہ دوکانداروں نے شراب کے استعمال پر شکایت کر دی اور کہا کہ ہم صبح سے شام
> تک ایک خریدار بھی نہیں پاتے جس کے ہاتھ فروخت کریں۔

شیعہ حضرات کو وعظ

ایک مرتبہ لکھنؤ میں آپ نے اعلان فرمایا کہ کل ہم شیعوں کی عیدگاہ میں وعظ کہیں گے۔ چنانچہ آپ

حسب اعلان وعظ کہنے کے لیے عیدگاہ تشریف لے گئے۔ اس اعلان کی اطلاع عام طور پر ہو چکی تھی اس لیے دونوں فریق کے لوگ جمع ہو گئے اور بہت بڑا مجمع ہو گیا مولانا منبر پر تشریف لائے اور وعظ شروع فرمایا۔ مولوی عبدالحلیم صاحب، مولوی عبدالحی صاحب کے صاحبزادے آپ کے پاؤں کے پاس بیٹھے تھے۔ وعظ میں آپ نے مذہب شیعہ کی خوب دھجیاں اڑائیں۔ اس وعظ میں دو نوعمر اور نوجوان لڑکے جو آپس میں بھائی بھائی تھے جن میں سے ایک کا نام محمد ارتضا تھا اور دوسرے کا محمد مرتضیٰ تھا مولانا کے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان پر اس وعظ کا اثر ہوا اور ان میں سے چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے کہا کہ مولانا کی تقریر کو سن کر میرے دل میں یہ بات آتی ہے کہ جس شہر میں شیعوں کی حکومت ہے اور یہ شخص جو مذہب تشیع کی اس بے باکی سے تردید کر رہا ہے محض ایک معمولی اور دبلا پتلا آدمی ہے نہ کہیں کا بادشاہ ہے نہ نواب، نہ اس کے پاس فوج ہے نہ ہتھیار۔ پھر باوجود اس بے کسی و بے بسی کے جو یہ اس قدر جرأت دکھلا رہا ہے تو وہ کون سی بات ہے؟ جو اس کو اس بے باکی اور بے خوفی پر آمادہ کر رہی ہے۔ وہ صرف اس کا ایمان ہے۔ اور اب ہم اپنے ائمہ پر نظر کرتے ہیں ہمارے ائمہ ہمارے مذہب کی روایات کے مطابق اس قدر قوی اور شجاع تھے کہ ان کی قوت کو نہ کسی فرشتے کی قوت پہنچتی تھی اور نہ جن کی اور اس کے ساتھ ہی وہ تقیہ بھی اس قدر کرتے تھے کہ مخالف تو در کنار خود اپنے شیعوں سے بھی صاف بات نہ کہتے تھے اس سے میں سمجھتا ہوں کہ مذہب شیعہ تو کسی طرح حق نہیں ہو سکتا کیونکہ یا تو ان کی بہادری کے افسانے جھوٹے تھے یا ان کے تقیہ کی کہانی غلط ہے۔ اب صرف دو مذہب سچے ہو سکتے ہیں یا مذہب خوارج جو ان کو فاسق سمجھتے ہیں یا مذہب اہل سنت والجماعت جو کہتے ہیں کہ ائمہ نہایت راست گو اور نہایت با ایمان تھے اور ان کی شان "لا یخافون فی اللہ لومۃ لائم" تھی اور ان کا مذہب وہی تھا جو اہل سنت کا مذہب ہے اور جو باتیں ان کی طرف شیعہ نسبت کرتے ہیں وہ ان کا افترا ہے اور جب مذہب تشیع بالکل افسانہ ثابت ہوا اور حق دائر ہو گیا خوارج اور اہل سنت کے درمیان تو جب میں ان دونوں مذہبوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں تو مجھے اہل سنت کا مذہب اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے

اسی اثنا میں بڑے بھائی نے کہا کہ مجھے بھی یہی خیال ہوتا ہے۔ جب وہ دونوں متفق ہو گئے تو چھوٹا بھائی اٹھا اور کہا کہ مولانا! منبر پر سے اتر جائیے مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ مولانا سمجھے کہ شاید میری تردید کرے گا اور یہ خیال کر کے آپ نیچے تشریف لے آئے۔

اس لڑکے نے منبر پر جا کر تمام شیعوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ صاحبو! آپ کو معلوم ہے کہ اس مقام پر شیعوں کی حکومت ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ مولانا جو اس جرأت سے مذہب شیعہ کی تردید فرما رہے ہیں اور نہ ان کو بادشاہ کا خوف تھا اور نہ ارکان دولت کا اور نہ عام رعایا کا۔ محض ایک معمولی شخص ہیں نہ ان کو کوئی جماعتی قوت ہے نہ دولت سے امتیاز حاصل ہے اور نہ ان کے پاس کوئی فوجی قوت ہے پھر باوجود اس بے کسی و بے بسی اور کمزوری کے جو وہ اس قدر جرأت رکھتے رہے تھے اس کا سبب کیا ہے؟ اور وہ کون سی قوت ہے جس نے ان کو اس قدر جانباز بنا دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ قوت صرف قوت ایمانی ہے۔ اب یہ دریافت کرنا رہ جاتا ہے کہ تم جو ہمیشہ تقیہ کرتے رہے حتیٰ کہ خود اپنے شیعوں سے بھی ڈرتے رہے تو اس بزدلی کا کیا سبب ہے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ ان میں قوت ایمانی نہ تھی اور تمہارا مذہب جبن کا اظہار کرتا ہے اور ان کے اندر ایمانی طاقت سے زیادہ طاقت ہوتا ہے پھر اگر اس کو تسلیم نہ بھی کر لیا جاوے تو وہ قوت میں مولوی اسمٰعیل صاحب کے کسی صورت میں کم نہ ہوں گے پھر کیا وجہ ہے کہ ان میں مولوی اسمٰعیل صاحب کی سی جرأت نہ تھی اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایمان میں وہ مولوی اسمٰعیل سے بھی کمزور تھے اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذہب شیعہ کسی طرح سے حق نہیں ہو سکتا اگر حق ہو سکتا ہے تو مذہب خوارج یا مذہب اہل سنت اور یا آئمہ (نعوذ باللہ) سرے سے بے ایمان تھے جیسے خوارج کہتے ہیں اور یا وہ پکے سنی تھے جیسے اہل سنت کہتے ہیں۔ میرا تجربہ ہے اگر کسی شیعی کے پاس کسی بات کا جواب ہو تو اس کا جواب دے ورنہ میں مذہب شیعہ سے تائب ہوتا ہوں اور میرے ساتھ میرا بڑا بھائی بھی۔ جب یہ گفتگو ختم کی تو مجلس میں مجتہدین بھی تھے مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا اس نے پھر کہا کہ کوئی صاحب جواب دیں ورنہ میں سنی ہوتا ہوں اس کا بھی کچھ جواب نہ ملا تو دوبارہ منبر پر سے اتر کر مولانا سے عرض کیا کہ میں اپنا کام کر چکا ہوں اب آپ

وعظ فرمائیں مولانا نے فرمایا کہ وعظ سے جو میرا مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا اور جو تقریر تم نے کی میں ایسی نہ کرتا اس لیے اب مجھے کہنے کی ضرورت نہیں رہی۔

یہ دونوں لڑکے کسی بڑے وثیقہ دار کے لڑکے تھے جب یہ سُنّی ہو گئے تو انہوں نے اپنا سب گھر بار چھوڑ دیا اور چھوڑ کر مولانا کے ساتھ ہو گئے اور انہی کے ساتھ رہے یہاں تک کہ جہاد میں مولانا کے ساتھ شہید ہو گئے[۶]

شہزادی کو تبلیغ

اکبر بادشاہ دہلی کی ایک بہن تھیں جن کو بی چھکّو کہتے تھے یہ اکبر شاہ سے بہت بڑی تھیں اور انہوں نے اکبر بادشاہ کو گود میں کھلایا تھا اس لیے بادشاہ بھی ان کا ادب کرتے تھے۔ اور تمام شہزادے اور شہزادیاں بھی ان کو بڑا مانتے تھے غرض تمام اہل قلعہ ان سے دبتے تھے اور یہ کوسنے اور گالیاں بہت دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ چند شہزادوں اور چند شہدوں نے مشورہ کیا کہ ایک دن بھرے مجمع میں بی چھکّو سے مولوی اسمٰعیل کو گالیاں دلوانی چاہئیں اور اس کے لیے تدبیر یہ کی گئی کہ ان شہزادوں نے ایک دعوتی جلسہ تجویز کیا جس میں بی چھکو کو بھی مدعو کیا اور مولانا شہیدؒ کو بھی اور جو شہزادے اور شہدے اپنے ہم مذاق تھے ان کو بھی دعوت دی گئی اور جو شہزادے وغیرہ ان کے ہم مذاق نہ تھے ان کو مدعو نہیں کیا گیا اور اس عرصہ میں یہ کارروائی کی گئی کہ مولانا شہیدؒ کی طرف سے بی چھکو کو خوب بھر دیا گیا کہ اسمٰعیل بی بی کی صحنک کو منع کرتا ہے اور میراں کے بکرے کو ناجائز کہتا ہے، فلاں کے روٹ کو منع کرتا ہے، فلاں کے توشہ کو، شیخ عبدالقادرؒ کی گیارھویں کو منع کرتا ہے، اور یہ کرتا ہے وہ کرتا ہے۔ جب خُوب اچھی طرح بی چھکو کے کان بھر دیئے تو جلسہ منعقد کیا گیا۔

یہ سب لوگ جلسہ میں آئے اور بی چھکو بھی آئیں (مگر یہ پردہ میں تھیں) اتفاق سے مولوی اسمٰعیل صاحب کو ذرا دیر ہو گئی اس پر اور ان کو موقع ملا اور انہوں نے بی چھکّو سے کہا کہ دیکھیئے یہ شخص کتنا مغرور ہے کہ اب تک نہیں آیا اس پر وہ اور بھی برہم ہو گئیں۔ غرض یہ کہ جب مولانا شہیدؒ جلسہ میں پہنچے اس وقت یار لوگ بی چھکو کو خوب برہم کر چکے تھے ان کے پہنچنے پر بی چھکّو نے غصّہ کی آواز سے پُوچھا کہ عبدالعزیز کا بھتیجا اسمٰعیل آ گیا۔ مولانا جلسہ کا رنگ دیکھ کر تاڑ

گئے تھے کہ آج ضرور کوئی شرارت کی گئی ہے آپ نے اس کا تو کوئی جواب نہیں دیا اور فرمایا اخّاہ! یہ آواز تو چھکو اماں کی معلوم ہوتی ہے۔ اماں سلام!

جب انہوں نے اس انداز سے گفتگو کی تو بی چھکو کا غصّہ سب کافور ہوگیا اور انہوں نے بڑوں کے قاعدے سے اُن کے سلام کا جواب دیا اور اِدھر اُدھر کی دو چار باتیں کر کے کہا اسمٰعیل ہم نے سُنا ہے کہ تم بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہو۔ مولانا نے فرمایا کہ امّاں میں منع نہیں کرتا بھلا میری کیا مجال ہے کہ میں بی بی کی صحنک کو منع کردوں۔ انہوں نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ جو کوئی کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے بات صرف اتنی ہے کہ بی بی کے آبا جان منع کرتے ہیں میں لوگوں کو بی بی کے ابّا جان کا حکم سُناتا ہوں اس پر بی چھکو نے حیرت کے لہجہ میں فرمایا کہ بی بی کے آبا منع کرتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا جی ہاں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

"مَن احدث فی دیننا هٰذا مَا لَیسَ منه فهو ردّ"

اور حدیث پڑھ کر اس کی تفصیل فرمائی اور اس سے صحنک کی ممانعت ثابت فرمائی۔ بی چھکو نے جو یہ تقریر سنی تو مان گئیں اور کہا کہ اب اگر کوئی عورت کرے گی تو اس حرامزادی کی ناک چٹیا کاٹ لوں گی۔ ہم بی بی پر ایمان نہیں لائے ہم تو بی بی کے آبا پر ایمان لائے ہیں جب وہی منع کرتے ہیں تو پھر ہم کیوں کریں۔

مجمعوں اور میلوں میں وعظ

"مولوی اسمٰعیل صاحب کاندھلوی (مولوی یحییٰ صاحب کے والد) اور مولوی عبدالرّحیم (رانڈوں کی شادی والے) بیان کرتے تھے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کا قاعدہ تھا کہ جہاں کہیں کوئی میلا ہوتا خواہ ہندوؤں کا ہو یا مسلمانوں کا یا کوئی اور مجمع ہوتا جیسے ناچ کی محفل تو آپ وہاں پہنچتے اور کھڑے ہو کر وعظ فرماتے اور اس کا اثر یہ ہوتا کہ جہاں ناچ یا قوالی وغیرہ کی محفل ہوتی اور آپ وہاں وعظ فرماتے تو اکثر لوگ محفل کو چھوڑ کر آپ کے وعظ میں آجایا کرتے تھے آپ حضرت نظام الدین اولیاءؒ میں بھی پہنچتے تھے اور وہاں بھی وعظ فرماتے تھے اور وہاں بھی یہی اثر ہونے لگا تھا جب مجاوروں نے یہ رنگ دیکھا تو ان کو سخت ناگوار ہوا اور انہوں نے مشورہ کیا کہ مولوی اسمٰعیل کو کسی طرح قتل کر دینا چاہیے اس پر ایک بُڈھے نے آپ کے قتل کا بیڑا اٹھایا اور کہا کہ میں

ان کو قتل کر دینے کا عزم بھی پیدا ہو گیا۔ ایک روز مولانا شہید جامع مسجد میں بیٹھے درس وعظ فرما رہے تھے کہ اس بڈھے نے مولانا پر تلوار کا وار کیا سو مولانا تو بچ گئے مگر وہ تلوار ان کے ایک دوست کے حق بدن کا ساتھ تھا زخمی ہو گیا (خان صاحب حضرت امیر شاہ نے فرمایا کہ راویوں نے ان کے دوست کا نام بتایا تھا مگر مجھے یاد نہیں رہا) اس پر مولانا کے دوست اس بڈھے کو لپٹ گئے اور تھپڑ وغیرہ مارے مولانا نے اس بڈھے کو چھڑوا دیا اور کوئی مقدمہ نہیں چلایا۔

اللہ کے دین کی تبلیغ کا یہ جذبۂ صادقہ ہی تھا جو دشمنوں کی محفلوں اور مشرکوں اور بدعتیوں کے میلوں وغیرہ میں جانے اور حق سنانے پر مجبور کرتا اور پھر آپ کی مجسم خلق اور پیکر رشد و ہدایت کے حلم و عفو کا اندازہ لگائیے کہ دشمن خون کا پیاسا ہے اور تلوار کا وار کرنے سے نہیں چوکتا مگر آپ اسے معاف فرما دیتے ہیں اور قطعاً کوئی انتقام نہیں لیتے۔

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ

شنیدم کہ مردان راہِ خدا
دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ

مخالفت

ان سابقہ صفحات کے مطالعہ سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ امام صاحب نے محبت نبی، عشق رسول، ولولۂ جہاد اور تڑپ، تبلیغ دین کے جذبات سے سرشار ہو کر تبلیغ و اشاعت دین کے دن رات ایک کر دیا اور تبلیغ انبیاء کرام کی جس سنت پر عمل پیرا ہونے میں قطعاً کوئی کسر نہ چھوڑی۔ کیا یہ سب کچھ حالات کی سازگاری، قوم کی موافقت اور امن و چین اور سکون کے ساتھ انجام پا گیا؟ نہیں ہرگز نہیں یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی مصلح صداقت اختیار کرے اور پتھروں سے اس کا استقبال نہ کریں۔ آپ کو بھی ان تمام مصائب و شدائد سے دوچار ہونا پڑا، مصائب دعوت و عزیمت کے راستے میں جو حائل ہوا کرتے ہیں۔

یہ آپ دیکھ چکے ہیں کہ ایک بڈھے نے آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا کہ تلوار کے ساتھ آپ پر وار بھی کر دیا۔ لیکن مشیت ایزدی تھی کہ آپ کو کوئی نقصان نہ

پہنچ سکا بلکہ آپ کا ایک ساتھی زخمی ہو گیا علاوہ ازیں آپ پر پھبتیاں کسی گئیں، گالیاں دی گئیں اور پتھر برسائے گئے مگر صبر و استقامت کا یہ کوہِ گراں میدان میں بڑی آن بان سے کھڑا رہا اور بڑے سے بڑے آلام و مصائب بھی قطعاً جنبش پیدا نہ کر سکے تو اہلِ باطل نے ایک اور حیلہ سوچا کہ ڈیڑھ ہزار معززین شہر کے دستخط کروا کے دہلی کے انگریز ریذیڈنٹ کو ایک درخواست لکھی جس میں الزام لگایا گیا کہ مولانا اسمٰعیل کی تقریروں سے نقصِ امن کا خطرہ ہے اور اندیشہ ہے کہ شدید انتشار پیدا ہو جائے گا جس پر قابو پانے کے لیے فوج طلب کرنا پڑے گی۔ آپ کے سب سے بڑے حریف اور علماء سُو کے سرغنہ مولوی فضل حق خیر آبادی اس سلسلہ میں پیش پیش تھے چنانچہ یہ اس وقت انگریزی گورنمنٹ کے ملازم تھے اور سررشتہ دار کے عہدہ پر فائز تھے اس لیے یہ آپ کی تقریر پر پابندی کے احکام صادر کرانے میں کامیاب رہے چنانچہ چالیس دن تک آپ کا وعظ بند رہا۔

آخر کار آپ نے بھی اس حکم کے خلاف اپیل دائر کر دی اور آپ نے اسّی (۸۰) وجوہات لکھ کر ثابت کیا کہ اگر تقریر بند رہی تو یہ یہ خرابیاں رُونما ہوں گی۔ ریذیڈنٹ نے مولوی فضل حق کو بُلا کر کہا:-

> "مولوی صاحب چالیس دِن تک شاہ اسمٰعیلؒ کا وعظ بند رکھّا گیا میری رائے میں یہ بالکل غلط کاروائی ہوئی ہے اتنے بڑے مولوی کے ساتھ ناجائز برتاؤ کیا گیا ہے ابھی حکم لکھ دو کہ وعظ کھولا جائے اور جو کوئی مزاحم ہو اسے قانونی سزا دی جائے۔

مولوی فضل حق نے وعظ کے اجراء کا حکم تو لکھّ دیا لیکن اسے ارسال نہ کیا کئی دن گزرنے کے بعد امام صاحب مولانا عبدالرحیم مُحدّث، مولانا عبدالصمد بنگالی اپنے منشی ہیرا لال اور ایک خادم کو لے کر پھر ریذیڈنٹ کی کوٹھی پر تشریف لے گئے۔ جب اسے آپ کی تشریف آوری کا عِلم ہُوا تو فوراً باہر نکل آیا اور اندر کوٹھی میں لے گیا۔ مزاج پُرسی کے بعد ریذیڈنٹ نے خود یہ الفاظ کہے۔

> "مولوی صاحب ہمارے سررشتہ دار کی غلطی سے آپ کے وعظ بند کرنے کا حُکم جاری کر دیا گیا تھا لیکن جب آپ نے واجبی اور معقول وجہیں لکھّیں تو

> تو میں نے اسی وقت حکمِ ثانی لکھوا دیا تھا تاکہ وعظ قدیمی طور پر جاری کیا جائے اور کوئی مزاحم نہ ہو غالباً آپ وعظ فرماتے ہوں گے۔"

آپ نے فرمایا کہ مجھے حکمِ ثانی موصول نہیں ہوا تو ریذیڈنٹ نے مولوی فضل حق کو طلب کیا اور نہایت غصّے سے کہا کہ جب چھ روز ہو چکے ہیں میں اجراء وعظ کا حکم دے چکا ہوں تو تم نے میرے حکم کی تعمیل کیوں نہ کی۔ مولوی صاحب کوئی معقول جواب نہ دے سکے چنانچہ ان کو تین ماہ کے لیے معطّل کر دیا گیا اور وہ رامپور چلے گئے اور حضرت امام صاحب اجازت لے کر واپس تشریف لے آئے ریذیڈنٹ نے نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ آپ کو الوداع کیا غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فنِّ خطابت میں مکمّل دسترس سے نوازا تھا۔ اور پھر اخلاص، للّٰہیت، تڑپ احیاءِ دین اور پند و موعظت کے جذبۂ بے پناہ نے قوّتِ تاثیر کو چار چاند لگا دیئے جذبۂ اصلاح کی ایک مثال سماعت فرمایئے۔ ایک مرتبہ آپ نے خطاب فرمایا۔ ابھی بیان ختم کر کے بیٹھے ہی تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے حیرت سے پوچھا کہ کیا آپ کا خطاب ہو چکا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا۔ جی ہاں۔ ہو چکا۔ وہ کفِ افسوس ملنے لگا کہ میں تو گھر سے دور دراز کا فاصلہ طے کر کے اس لیے حاضر ہوا تھا کہ کچھ پند و نصیحت سنوں گا۔ آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا بھائی افسوس نہ کرو میں تمہیں پھر سنائے دیتا ہوں چنانچہ آپ نے پورا وعظ اوّل سے آخر تک دُہرا دیا کہ شاید اسی ایک کو ہدایت ہو جائے لأن يهدى الله بك رجلاً واحداً خير لك من حمر النعم۔

ڈاکٹر ہنٹر نے ایک عام وہابی مبلغ کے متعلق لکھا ہے۔

> "جہاں تک میرا تجربہ ہے یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ ایک وہابی مبلغ سب سے زیادہ روحانیت رکھنے والا، سب سے کم خود غرض اور بے لوث ہوگا۔"[۱۱]

جب وہابیوں کے ایک بہت بڑے دشمن کے ان کے ایک عام مبلغ کے متعلق یہ تاثرات ہیں تو کیا وہابیوں کے امام اور ان کے رئیس المبلغین حضرت امام محمد اسمٰعیل رحمہ اللہ کی للّٰہیت بے غرضی اور بے لوثی کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ جب آپ خطاب فرماتے

تو ہزاروں کی تعداد میں سامعین شریک ہو جاتے حتیٰ کہ بڑے بڑے علماء و حفاظ کا مجمع ہو جاتا۔ بعض اوقات مولانا مرزا حسن علی صاحب محدث لکھنوی آپ کی مجلس وعظ میں اکثر خاموش بیٹھ کر استفادہ کیا کرتے تھے کہ میں بھی قرآن و حدیث کا وعظ کرتا ہوں اور یہ بھی قرآن و حدیث ہی کا وعظ کرتے ہیں مگر جیسے وعظ میں دلی ذوق آتا ہے ویسا شوق نہیں ہوتا۔ اور ان کے وعظ میں سب اور خصوصاً یہ بات ہے اور سب سامعین کو اپنی جگہ پر بٹھا رکھتی تھی۔

انداز بیان اور

قدرت کی طرف سے آپ کو جس بے مثل تحریر و تقریر، قوت گویائی خوبی تحریر اور زور بیان سے نوازا گیا اس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیے۔ ایک مرتبہ مجلس وعظ میں آپ نے ایک رکوع کی تفسیر و تشریح اس قدر حسن پیرایہ میں بیان کی کہ مولانا عبد الحق صاحب حقانی، مولانا عبید اللہ خان صاحب ازرقی صدر الدین صاحب جیسے جلیل القدر علماء جو اس وقت شریک مجلس تھے آپ سے درخواست کی کہ یہ بیان دوبارہ کیا جائے آپ نے ان حضرات کے حسب استدعا ایک سر جانب پھر اسی رکوع کی تلاوت کی اور ترجمہ کے بعد اس کی تفسیر و تشریح اس انداز میں کی کہ معلوم ہوتا کہ پہلے بیان سے علاوہ ایک اور ہی مضمون ہے اور طرفہ یہ کہ آپ نے جو مزید دو مرتبہ بیان فرمائے وہ پہلے دونوں کی نسبت بالکل مختلف تھے یہاں تک کہ سامعین کی طرف سے تین رکوع کے بیان کی درخواست ہوتی رہی آپ نے تین تقریریں کیں اور سابقہ دونوں بیانوں کی نسبت تیں بالکل نئے اور اچھوتے انداز سے جس کی وضاحت فرمائی کہ لوگ عش عش کر اٹھے۔ جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا گیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص قوت تاثیر سے نوازا تھا یہی وجہ ہے کہ ہزاروں بدعتی اور مشرک آپ کی ہدایت سے تائب ہو گئے اور غیر مسلم اثرہ اسلام میں داخل ہو گئے یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی شخص آپ کی زبان فیض ترجمان سے توحید و اتباع سنت کا بیان سنے اور شرک و بدعت سے توبہ نہ کرے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

چند اصلاحی کارنامے

معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دین کی نصرت و حمایت اور اپنے بندوں کی اصلاح کے لئے ہی پیدا فرمایا تھا یہی وجہ ہے کہ جب ہم آپ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہی نظر آتا ہے کہ آپ نے

قدم قدم پر ایسے ایسے اصلاحی کارہائے نمایاں سر انجام دئیے جو رہتی دُنیا تک یاد رہیں گے آپ کی تدریس و تبلیغ کا ذکر ہو چکا، حج، جہاد اور تصنیفی کارناموں کا ذکر آئندہ صفحات میں کیا جائے گا ذیل میں چند دیگر اصلاحی کارناموں کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

تطہیرِ مسجد

آپ کے دور میں مُسلمانوں کے دِلوں میں مسجدوں کا احترام باقی نہیں رہا تھا حتیٰ کہ دہلی کی جامع مسجد کے اندرونی حوض پر ایک بازار لگتا تھا جس میں سودا سلف اور کھلونوں وغیرہ کی بے شمار دوکانیں تھیں اور تو اور مسلمانوں کی بے حمیتی اس حد تک تجاوز کر گئی تھی کہ مسلمانوں کی اس عظیم الشّان مسجد میں ہندوؤں نے بھی دوکانیں لگانی شروع کر دیں حضرت امام صاحبؒ نے خانۂ خُدا کی بے حرمتی کو جب مُلاحظہ کیا تو احترامِ مساجد کے عنوان سے اس قدر جامع اور پُر از تاثیر خطاب فرمایا کہ لوگوں میں اتنا جوش و خروش پیدا ہو گیا کہ اگر انہیں منع نہ کر دیا جاتا تو وہ لاٹھیاں مار مار کر دوکانداروں کا بُرا حشر کر دیتے۔ لیکن اس دانائے روزگار نے خُون خرابہ کی بجائے اعتدال کا یہ راستہ اختیار فرمایا کہ تمام سامعین کے دستخطوں سے اس مفہوم کی اکبر شاہ[15] کی خدمت میں ایک درخواست ارسال کر دی کہ مسجد میں دوکانیں اور بازار اس کے تقدّس کے منافی ہے لہذا اسے فوراً ختم کر دیا جائے چنانچہ اکبر نے اس درخواست کو فوراً منظور کر کے مسجد میں بازار لگنے کی ممانعت کا حکم جاری کر دیا۔ آپ کی اس اصلاح کو خاص و عام سب نے بہت زیادہ پسند کیا۔

نکاحِ بیوگان

حضرت امام صاحبؒ کے زمانہ میں ہندوؤں کے ساتھ میل جول کے پیشِ نظر مسلمانوں میں جو معیُوب اور غیر شرعی رسوم رواج پا گئی تھیں ان میں سے ایک رسم یہ بھی تھی کہ جب کسی عورت کا خاوند فوت ہو جاتا تو وہ ہرگز ہرگز دوسرا نکاح کرنے کی مجاز نہ تھی خواہ اس کی عمر کا تقاضا کچھ ہی کیوں نہ ہوتا حالانکہ اسلام میں بیوہ عورتوں کا نکاحِ ثانی بالکل معیُوب نہیں بلکہ ان میں سے خصُوصاً ضرورت مندوں کے نکاح کی تاکید کی گئی ہے اور تو اور خود سرورِ دنیا و دین رحمۃ للعالمین صلّی اللّٰہ علیہ وسلم کی ازواجِ مُطہّرات میں سے اکثر و بیشتر بیوہ تھیں اس سُنّت کے احیاء کی طرف سب سے پہلے حضرت سیّد صاحبؒ نے توجّہ فرمائی۔ آپ کے منجھلے بھائی سیّد محمد اسحق صاحبؒ[16] کی بیوہ جوان تھی اور اس کا چھ سات برس کی عُمر کا ایک بچہ تھا

احیائے سُنّت کے پیشِ نظر آپ نے ان کو نکاح کی ترغیب دی مگر انہوں نے تسلیم نہ کیا اسی دوران آپ نے خواب دیکھا کہ لکڑیوں کے ایک بھاری گٹھا کو اکثر لوگ اٹھانے کا ارادہ کرتے ہیں مگر اٹھا نہیں سکتے اور وہاں آپ کی یہ بھاوج بھی موجود ہیں آپ نے عاجزی و انکساری کے ساتھ اُن سے کہا کہ اگر تم ذرا مدد کرو تو میں اس وزنی گٹھے کو اٹھا کر گھر لے چلتا ہوں اولاً تو انہوں نے بھی اس کے بھاری ہونے کی وجہ سے انکار کیا لیکن بالآخر سیّد صاحبؒ کا اصرار ان کے انکار پر غالب آیا اور وہ راضی ہو گئیں۔ صُبح کی نماز کے بعد انہوں نے حضرت امام صاحبؒ اور مولانا عبدالحی صاحبؒ کو اپنا خواب سُنایا اور فرمایا کہ اس کی تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاؤں گا اور اس رسمِ قبیح کا خاتمہ کر دوں گا۔ اس کے بعد سیّد صاحبؒ گھر تشریف لے گئے اور تمام رشتہ دار خواتین کو جمع کر کے وعظ فرمایا کہ:۔

> "اسلام یہ نہیں کہ انسان زبان سے کہے کہ میں مسلمان ہوں یا گائے کا گوشت کھائے اور ختنہ کرائے یا مسلمانوں کی مُروّجہ رسموں میں شریک رہے اسلام یہ ہے کہ تمام احکام الٰہی کی تعمیل دل و جان سے کی جائے یہاں تک کہ اگر حضرتِ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی طرح ذبح فرزند کا بھی اشارہ ہو تو اسے خوشی خوشی بجا لائے منہیاتِ شرعی کا خیال بھی دِل میں آئے تو چالیس (۴۰) روز تک استغفار کرے۔
>
> انہیں احکام میں سے بیوہ کا نکاحِ ثانی بھی ہے خصوصاً وہ بیوہ جو جوان ہو۔ افسوس کہ اس زمانے میں بیوہ کے نکاحِ ثانی کو شرک اور کُفر کے برابر سمجھ لیا گیا ہے۔ اس پر عمل پیرائی کو نہایت درجہ قبیح و شنیع تصوّر کیا جاتا ہے...
>
> ...... جو بیوہ نکاح کر لے اسے بہت نازیبا الفاظ سے مطعون کیا جاتا ہے یہ کوئی نہیں سوچتا کہ بات کہاں تک پہنچتی ہے یہ خیال نہیں کیا جاتا کہ ازواجِ مُطہّرات رضی اللہ تعالیٰ عنھن، حضرت عائشہ رضؓ کے سوا سب بیوہ تھیں[۱۰]"

دوسرے دِن بھی آپ نے اسی مفہوم کا وعظ فرمایا اور ساتھ ہی اپنی [illegible]

کہا کہ ہماری بھاوج کو نکاح پر جس طرح بھی ممکن ہو راضی کرو اور میں صرف یہ احیائے سُنتِ نبویؐ کے پیشِ نظر اصرار کر رہا ہوں ورنہ میرے گھر میں حسین و جمیل اور عفت مآب بیوی موجود ہے آخر کار تمام اعزّہ و اقارب کے کہنے پر سیّدہ ولیہ راضی ہو گئیں اور آپ کا نکاح ہو گیا اس کے بعد سیّد صاحبؒ نے حضرت امام صاحبؒ سے خطوط کے مسوّدے مُرتّب کرا کے دہلی، رامپور پھلت اور دیگر مرکزی مقامات پر بھجوا دیئے تاکہ اس عملِ صالح کی خُوب خُوب اشاعت ہو جائے۔

اس سُنّتِ نبوی کے احیاء کی ابتداء اگرچہ سیّد صاحبؒ نے کی مگر پھر حضرت امام صاحب نے بھی اس سلسلہ میں بے پناہ سعی و کاوش کی سب سے پہلے تو اپنی مُعمّر بیوہ ہمشیرہ کو مولانا عبدالحی صاحبؒ کے حبالۂ عقد میں دے دیا اور پھر اس مضمون کو اپنے وعظ و ارشاد کا عنوان بنا لیا۔ نکاحِ ثانی کی فضیلتیں اور اس کو معیُوب سمجھنے کی بُرائیاں ایسی وضاحت اور خوُبی کے ساتھ بیان فرمانا شرُوع کیں کہ دہلی میں ہزارہا رانڈوں کے نکاحِ ثانی ہو گئے۔

مولانا جعفر تھانیسریؒ کا بیان ہے کہ" ایک مُعتبر دیرینہ شخص نے مجھ سے کہا تھا کہ اس وقت دس ہزار کے قریب بیکس و بے بس رانڈیں آپ کی سعی اور کوشش سے شوہر والیاں ہو گئیں اور آپ کی بدولت یہ رسم زبوں ہمیشہ کے واسطے شہر دہلی سے اُٹھ کر سُنّتِ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم جاری ہو گئی۔ اسی طرح ایک روز خانم بازار میں تقریباً تیس کسبیوں کو جمع کر کے ان کو وعظ سُنایا اس شام ان میں سے انتیس کسبیوں نے توبہ کر کے نکاح کر لیے[۱۸]۔

اصلاحِ عقائدِ شیعہ

برِ صغیر پاک و ہند میں سُنّی اور شیعہ دو بڑے مذہبی فرقے اگرچہ ابتداء سے ہی چلے آ رہے تھے لیکن عہدِ مُغلیہ کے آخری دور میں ان دونوں فرقوں میں حصولِ اقتدار کے لیے مسابقت شروع ہو گئی، شیعہ پارٹی اگرچہ تعداد میں قلیل تھی مگر تدّبر اور تنظیم کے اعتبار سے مضبوط تھی اس لیے اکثر اسے کامیابی حاصل ہوتی اور ہمایوں کے دوبارہ ہندوستان آنے کے بعد تو اسے بہت ہی زیادہ فروغ نصیب ہو گیا۔ اکبر[۱۹] کی مذہبی پالیسی بھی بہت آزاد تھی اور اس کے دورِ حکومت میں بھی شیعہ کو بڑا رسُوخ حاصل ہوا۔ یاد رہے کہ اکبر کے نائب السلطنت بیرم[۲۰] خاں کے زوال کے اسباب میں ایک سبب یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ وہ مذہباً شیعہ تھا امرائے دہلی کی اکثریت سُنّی

تھی اور انہیں بجا طور پر یہ شکایت رہتی تھی کہ بیرم خاں شیعہ سے امتیازی سلوک کرتا ہے چنانچہ اس نے شیخ گدائی کو جو کہ شیعہ تھا صدرِ صدور کے عہدہ پر فائز کر دیا اور اس کو تمام دیگر علماء اور سادات پر فوقیت دیتے ہوئے کورنش بجا لانے سے مستثنیٰ قرار دے دیا تھا۔ جہانگیرؒ[21] کے زمانہ میں بھی شاہی دربار میں شیعہ کو کافی اثر و رسوخ حاصل رہا۔ اورنگ زیب اگرچہ سُنّی تھا[22] لیکن اس کے دربار میں بھی شیعہ بکثرت تھے حتیٰ کہ اورنگ زیب کے صاحبزادے بہادر شاہ اوّل نے تو اپنے دورِ حکومت میں مذہبِ تشیع کو اختیار کر لیا تھا۔ اور اس نے ۱۷۰۹-۱۰ء میں اپنے شیعہ وزیر منعم خاں کے مشورہ سے حکم دیا کہ خطبۂ جمعہ میں خلفائے راشدین کے ذکر میں حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ "عَلِیٌّ وَلِیُّ اللہ وصی رَسُول اللہ" کے الفاظ کا اضافہ کیا جائے۔ آگرہ، احمد آباد اور بعض دوسرے شہروں میں سُنّی مسلمانوں نے اس کی مخالفت کی۔ احمد آباد میں خطیب نے اس پر عمل شروع کیا تو عامۃ المسلمین نے برافروختہ ہو کر اسے قتل کر دیا۔ لیکن بادشاہ اپنے فیصلہ پر مُصر رہا حتیٰ کہ لاہور میں صورتِ حال انتہائی نازک شکل اختیار کر گئی۔ بادشاہ نے علماءِ کرام کو مباحثہ کے لیے بلایا اور بزورِ بازو اپنے فیصلہ کی تائید حاصل کرنا چاہی مگر مولانا یار محمد نے نہایت حق گوئی و بے باکی کے ساتھ اپنے موقف سے سرِ مو نہ ہلنے کا اظہار کیا۔ تو بادشاہ نے کہا تم میرے غضب سے نہیں ڈرتے؟ تو انہوں نے نہایت جرأت سے جواب دیا۔

> "میں اپنے خدا سے چار چیزوں کی آرزو رکھتا تھا۔ حصولِ علم، حفظِ قرآن حج اور شہادت۔ خدا کے فضل سے پہلی تین تو پوری ہو گئیں آرزوئے شہادت باقی ہے زہے قسمت[23]، اگر یہ حاصل ہو جائے"

اس مباحثہ میں کئی روز لگ گئے۔ تمام آدمی مولانا یار محمد صاحب سے متفق تھے بالآخر بادشاہ نے افسرِ توپ خانہ کو حکم دیا کہ وہ بروز جمعہ ۲ اکتوبر ۱۷۱۱ء بادشاہی مسجد کے منبر سے حکم شاہی کے مطابق خطبہ پڑھے مگر زندہ دلانِ لاہور نے عزمِ صمیم کر لیا کہ حکومت سے ٹکرا جائیں گے لیکن یہ نہ ہونے دیں گے اور اس مقصد کے لیے ایک لاکھ فرزندانِ توحید جمع ہو گئے بادشاہ نے انسانوں کے اس بحرِ ناپیدا کنار کو دیکھا تو اس کے وقار کی مورتی ٹوٹ گئی، زرد پتوں کی طرح جھڑ گیا اور اسے مسلمانوں کے سامنے جھکنا پڑا چنانچہ اس نے اپنا حکم واپس لے لیا اور ملک میں

خطبۂ عہدِ عالمگیری کے مطابق ہونے لگا۔ اس واقعہ کے بعد کسی مغل حکمران کو شیعہ عقائد کی پشت پناہی کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ البتہ اٹھارویں صدی میں جو جدید ریاستیں اور حکومتیں قائم ہوئیں ان میں اکثریت شیعہ حکام کی تھی اور مغل حکمرانوں کی پشت پناہی کے پیشِ نظر مذہبِ تشیع کے جراثیم دور دور تک پھیل گئے حتیٰ کہ اچھے خاصے سنی گھرانے بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے دور میں جب اس صورتِ حال کو دیکھا تو اس کے انسداد کیلیے ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء اور قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین دو بلند پایہ کتابیں تصنیف فرمائیں۔ حضرت شاہ صاحب کے بعد ان کے فرزندِ ارجمند حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے بھی اس صورتِ حال کو ملاحظہ کیا اور دیکھا کہ اب تو نوبت بایں جا رسید کہ شیعہ مذہب کی نشر و اشاعت کی یہ کیفیت ہو گئی ہے کہ شاید ہی کوئی گھر ہو جس کے ایک دو فرد شیعہ افکار و نظریات سے متاثر نہ ہوں حتیٰ کہ ان کے اپنے گھر میں انکے عزیز اور مشہور فارسی دان شاعر میر قمر الدین منت[24] نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا تھا چونکہ یہ صورتِ احوال ناواقفیت اور غلط فہمی کی وجہ سے پیدا ہوئی اسلیے اس کے تدارک کے لیے "تحفۂ اثنا عشریہ" کے نام سے معرکۃ الآراء کتاب تصنیف فرمائی۔

حضرت شاہ عبد العزیزؒ کی اس معرکۃ الآراء اور خارا شگاف کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اس کے دورِ تصنیف سے لے کر آج تک کے شیعہ علماء نے اپنی تمام قوتِ بیان اس کی تردید میں صرف کر دی ہے جیسا کہ اہلِ بدعت نے حضرت امام ہمام محمد اسمٰعیل شہیدؒ کی تصنیف لطیف "تقویۃ الایمان" کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھانے کیلیے ایڑی سے چوٹی تک کا زور صرف کر دیا لیکن ؏

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

شیعہ علماء لکھنؤ میں سب سے ممتاز مولوی دلدار علی[25] نے چھ کتابیں اور رسالے حضرت شاہ عبد العزیزؒ کی تحریر کی تردید میں لکھے، "صوارم الالہیات" "حسام الاسلام" "احیاء السنۃ" یہ "تحفہ اثنا عشریہ" کے ان ابواب کا جواب ہے جو بالترتیب الٰہیات، نبوت اور معاد و حجیت کے متعلق ہیں رسالہ "ذو الفقار" تحفہ کے باب یازدہم کے جواب میں ہے خاتمہ کتاب صوارم میں اثباتِ امامت کا ذکر ہے اور رسالہ "غیبت" میں شاہ صاحب کے احوال دوبارہ غیبت کا ذکر ہے حکیم مرزا محمد کامل[27] دہلوی نے تحفہ کے جواب میں نہ صرف "نزہت اثنا عشریہ" لکھی بلکہ ان مباحث سے عہدہ برآ ہونے کے لیے جو تحفہ کی اشاعت سے پیدا ہوئے تھے انہوں نے اپنی عمر صرف کر دی اسی طرح مفتی محمد قلی خاں کنتوری[28] کا وظیفۂ حیات بھی تحفہ کی تردید معلوم ہوتا ہے تحفہ کے باب ہشتم کا جواب انہوں نے

تشیید المطاعن و کشف الضغائن میں رد کیا۔ سیف ناصری میں باب اول۔ تقلیب المکائد میں باب دوم برہان السعادۃ میں باب ہفتم اور مصارع الافہام میں باب یازدہم کا جواب دیا۔ اسی طرح مولوی دلدار علی کے جانشین مولوی محمد صاحب نے تحفہ اثنا عشریہ کی تردید میں رسالے لکھے۔ تحفہ اثنا عشریہ جب چھپا تو ان کے ایک شہزادے میر اشرف علی نے دس ہزار روپیہ تحفہ کا جواب لکھنے کے لیے خرچ کیا تھا۔ تحفہ اثنا عشریہ فی الحقیقت ایک معرکۃ الآراء کتاب تھی جو کہ شیعہ سنی مسائل کا ایک انسائیکلوپیڈیا ہے اگرچہ اس موضوع پر حضرت شاہ ولی اللہ کی دو کتابیں بھی موجود تھیں جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا گیا لیکن ایسی جامع اور مانع کتاب کوئی نہ تھی اس کتاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ روایات کے انتخاب میں اصول حق کو بہت اچھی طرح ملحوظ رکھا گیا ہے۔ شیعہ مذہب اور خیالات کے بیان میں منقول مستند اور معتبر کتب پر انحصار کیا گیا ہے اور قرآن کی تفسیر میں فقط ایسی چیزوں کو رکھا گیا ہے جن پر شیعہ سنی دونوں کو اتفاق ہے کتاب کی زبان اور طرز بیان متین اور سنجیدہ ہے۔ جس کا مقصد ان حالات میں صرف یہ ہے کہ اٹھا دیا صدیوں سے شیعہ مذہب کو جو فروغ ہو رہا تھا۔ اگرچہ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کی تصانیف کو بڑا دخل تھا۔ اور یہ ان کا نہایت علمی کارنامہ تھا لیکن اس کے باوصف حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنی کتابوں میں اپنے مقصود میں مصلحت آمیز طرز بیان کو پیش نظر رکھا اسی طرح اگرچہ حضرت شاہ عبدالعزیز کی تحفہ اثنا عشریہ متانت و سنجیدگی، تہذیب و شائستگی اور تحقیق و تدقیق کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے تاہم کتاب کے سرورق پر انہوں نے بطور مصنف جو نام لکھا وہ حافظ غلام حلیم بن شیخ محمد قطب الدین احمد بن شیخ ابوالفیض دہلوی تھا۔ غلام حلیم آپ کا تاریخی نام تھا۔ اسی طرح قطب الدین احمد حضرت شاہ ولی اللہ کا دوسرا نام تھا جو کہ شہرت حاصل نہ کر سکا اور اسی طرح ابوالفیض حضرت شاہ عبدالرحیم کی کنیت تھی جس کا بہت کم لوگوں کو علم تھا۔ لیکن ان تمام مصلحتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سب سے زیادہ جس نے جرأت و جسارت کا مظاہرہ کر کے شیعیت کے سیلاب کے سامنے بند باندھنے کی کوشش کی اور سر بازار وہ باتیں کھول دیں جن کے کہنے کی بڑے بڑے لوگوں کو چند مجبوریوں کے اندر بھی تاب نہ تھی وہ حضرت امام محمد اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

حضرت امام صاحبؒ نے لکھنؤ میں قیام کے زمانہ میں جب ملاحظہ فرمایا کہ شرک و بدعت کے ساتھ ساتھ دیگر امراض جو اسلام کی بیخ کنی کیے جا رہے ہیں وہ شیعیت تھا ان میں

جو کہ سراسر غلط اور کتاب و سُنت سے کوسوں بعید ہیں اس لیے آپ نے ارادہ فرمالیا کہ اب سے اسے موضوعِ سخن بنا کر لوگوں کی اصلاح کریں گے جب آپ کے اس عزم کا احباب و رفقاء کو علم ہوا تو انہوں نے مشورہ دیا کہ فی الحال یہ اقدام اٹھانا مصلحت کے خلاف ہے کیوں کہ یہاں شیعہ حکومت ہے ممکن ہے آپ کو نقصان پہنچے مگر آپ نے فرمایا حکیم کے لیے لازم ہے کہ جو مرض ہو اس کی دوا دے اس وقت مرضِ رفض یہاں حدِ اعتدال سے گزرا ہوا ہے اس واسطے اسی مرض کا علاج کرنا ازبس ضروری ہے اور اس کی قطعاً پرواہ نہیں کرتا کہ کوئی خوش ہوتا ہے یا ناخوش۔ چنانچہ آپ نے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ . . . . الآیۃ کا بیان شروع کیا اور اسی آیت سے ترتیبِ خلافت اور فضائلِ خلفاء ایسی خوبی سے بیان کیے کہ شیعوں سے اس کے سوا کچھ نہ بن پڑا کہ انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اس آیت کی ترتیب کو جامع القرآن حضرت عثمان بن عفّان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدل ڈالا تھا۔ تو اس وقت حضرت امام صاحبؒ نے عہدِ نادر شاہ دُرّانی کا ایک قِصّہ بیان فرمایا کہ اس وقت بھی شیعوں نے (جب نادر شاہ نے اپنے سامنے بحث کرائی تھی) اس آیت کے زیرِ بالا ہونے کا عُذر کیا تھا۔ مگر جب نادر شاہ نے علماءِ یہود و نصاریٰ سے جن کی کتابوں کا حوالہ اس کوع میں ہے، استفسار کیا تو انہوں نے کہا کہ ہماری کتابوں میں بھی نبیؐ آخر الزمان کے خلفائے راشدین کی ترتیبِ خلافت اسی طرح ہے جب نادر شاہ نے یہ سُنا تو اس کا غصّہ بھڑکا، چنانچہ اسی غصّہ میں اس نے چند شیعوں کو قتل کرا دیا اور رفض و شیعت سے توبہ کرلی۔

حضرت امام صاحبؒ کی ان تقاریر سے جن میں آپ نے مذہبِ تشیع کی خوب دھجّیاں اڑائیں خاطر خواہ فائدہ ہوا۔ بہت سے لوگ مذہبِ تشیع ترک کر کے اہلِ سنت میں داخل ہو گئے مثلاً دو شیعہ بھائیوں محمّد ارتضاء اور محمّد مُرتضیٰ کے آپ کے بیان کو سُن کر شیعت ترک کر کے اہلِ سُنّت میں شامل ہو جانے کا واقعہ قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے۔

ایک دلچسپ واقعہ

وعظ و ارشاد کے علاوہ شیعہ حضرات کی اصلاح کے لیے ایک تدبیر آپ نے یہ سوچی کہ کیوں نہ شیعہ کے سب سے بڑے عالم کے پاس جاکر بالمشافہ گفتگو کر کے تبادلۂ خیالات کیا جائے شاید اسی

طرح کسی کو ہدایت نصیب ہو جائے چنانچہ ایک دن آپ مولوی دلدار علی شیعہ کے مکان پر تشریف لے گئے اور گفتگو میں انہیں لاجواب کر دیا اس واقعہ کی تفصیل مولانا محمد جعفر تھانیسریؒ کی زبانی سنیئے :-

" ایک روز مولانا اسمٰعیل شہیدؒ سپاہیانہ لباس پہنے اور تلوار آبدار گلے میں حمائل کیے ہوئے مولوی دلدار علی صاحب مجتہد کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اس وقت مولوی دلدار علی صاحب طالب علموں کو سبق پڑھا رہے تھے مولانا شہیدؒ بطرزِ دلیرانہ سلام علیک کر کے وہاں بیٹھ گئے چونکہ مجتہد صاحب کے ہاں سوائے بندگی کے اور آداب و تسلیمات کے سلام علیک کا دستور نہ تھا۔ انہوں نے متعجّب ہو کر پُوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں سے آنا ہُوا؟ مولانا نے جواب دیا کہ میں مسافر سپاہی ہوں۔ ایک مسئلہ کی تحقیق کے سلسلہ میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ مجتہد صاحب نے فرمایا کہ وہ کیا مسئلہ ہے؟ مولانا نے عرض کیا کہ تقیہ اور نفاق میں کیا فرق ہے؟ ذرا اس کو سمجھا دیجیے مجتہد صاحب نے بہت دلائل سے ان کا فرق بیان کیا۔ مولانا نے ان سب دلائل کو رد کر کے ان دونوں کو ایک کر کے دکھایا تب مجتہد صاحب نے مزید دلائل اپنے دعویٰ کے بیان کے ضمن میں بیان کیے۔ مولانا نے ان دلائل کو بھی رد کر دیا تب تو مجتہد صاحب کی آنکھیں کھُل گئیں اور اپنے دِل میں کہا کہ یہ کیسا سپاہی ہے، جو ہمارے دلائل کا ایک تسمہ بھی باقی نہیں چھوڑتا مجتہد صاحب اپنے طالب علموں کے سامنے لاجواب ہو کر بہت خفیف ہوئے اور سمجھ گئے کہ یہ نِرا سپاہی نہیں ہے کوئی بڑا علّامۂ دہر اور فاضِل عصر ہے اس وقت مولانا سے پُوچھا کہ آپ کا اسم شریف کیا ہے؟ مولانا نے کہا عاجز عبداللہ ہے اس وقت مجتہد صاحب نے اپنے طلبہ کے سامنے خِفّت دُور کرنے کے لیے یہ بات بنائی کہ ایسے مسائل زبانی تقریر سے طے نہیں ہو سکتے آپ تحریری بحث کریں تب مولانا.... سلام علیک کر کے وہاں سے چل دیئے۔ مجتہد صاحب نے آپ کے پیچھے آدمی کو دوڑا کر فرمایا کہ معلوم کرو کہ یہ کون شخص ہے اور کدھر جاتا ہے؟ ان آدمیوں نے دریافت کرنے کے بعد مجتہد صاحب سے جا کر کہا کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی مُرید رشید سیّد صاحب کے ہیں تب مجتہد صاحب نے چند آدمی آپ کے پیچھے دوڑا کر بمنّت و آرزو آپ کو واپس بُلوا بھیجا۔ جب آپ دوبارہ مجتہد صاحب کے مکان پر پہنچے تو مجتہد صاحب نے

سروقد اُٹھ کر بہت تعظیم سے آپ سے معانقہ اور مُصافحہ کیا اور اوّل بار بہ آداب پیش نہ آنے کی معذرت کی۔ مولاناؒ تھوڑی دیر بیٹھ کر پھر رخصت ہو کر اپنے پیر و مُرشد کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

مجتہد صاحب نے جُملہ اکابر عُلماء شیعہ کو جمع کر کے ایک بڑا لمبا چوڑا استفتاء امر متنازعہ فیہ کا مع جواب مُدلّل بدلائل عقلی و نقلی و مملّو بہ لغاتِ مُشکلہ و مضامین تفاسیر و احادیث و کتب سیر تواریخ وغیرہ لکھ کر آپ کے پاس بھیج دیا جب مولوی ولدار علی صاحب کا آدمی اس کاغذ کو لے کر آیا۔ مولانا صاحبؒ بہ ہیئت ایک سپاہی گلے میں تلوار لٹکائے ٹہل رہے تھے اور مولوی عبدالحی صاحبؒ مع چند آدمیوں کے ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے حامل کو قطعاً شک نہ ہوا کہ یہ سپاہی مسلّح بہ شمشیر مولوی ہو گا۔ اس نے مولوی عبدالحی صاحبؒ کو مولانا اسمٰعیل اپنا مکتوب الیہ سمجھ کر کاغذ ان کے حوالے کر دیا۔ مولوی عبدالحی صاحبؒ نے ان مضامین ادق کو جو اس کاغذ میں بھرے تھے دیکھ کر سمجھا کہ بلا موجودگی صدہا کتب ہر علم و فن کے جن کا حوالہ اس کاغذ میں ہے جواب الجواب تحریر ہونا محال ہے اور یہ سب کتابیں ایسی حالتِ سفر میں بآسانی میسّر ہونا دشوار ہے مولوی عبدالحی صاحب نے مُلاحظہ کرنے کے بعد اس کاغذ کو مولانا شہید کے پاس بھجوا دیا۔ مولانا شہیدؒ نے ٹہلتے ٹہلتے اس کاغذ کو اوّل سے آخر تک دیکھا اور اسی دم کاغذ اور قلم و دوات لے کر بیٹھ گئے اور تھوڑی دیر میں اس ادق مسئلہ کے تمام مندرجہ دلائل کا جواب لکھ کر اس خوبی سے ردّ کیا کہ پھر اس کا ردِّ جواب حضرت مجتہد صاحب سے نہ بن پڑا [۲۸]

شیعہ حضرات کو دیکھ کر سُنّی مسلمان بھی محرّم میں بہت سی بدعات کے مُرتکب ہو جاتے تھے خصُوصاً عورتیں تو اس سلسلہ میں کچھ آگے ہی تھیں وہ اپنے شیر خوار نونہالوں کو امام حسینؓ کا سقّہ بنا کر تعزیوں کے نیچے سے گزارتیں تاکہ ان کی عُمر اور دولت میں اضافہ ہو۔ نو محرّم کو وہ سر دں کے بالوں کو کھول کر ثواب کی نیّت سے ان میں بھُوسہ ڈالتیں۔ حضرت امام صاحبؒ نے جب ان کو اس قسم کی بے شمار بدعات و خرافات کو مُلاحظہ فرمایا تو ان کے انسداد کے لیے کمر بستہ ہو گئے کتاب و سُنّت کی روشنی میں جب آپ نے ان اور دیگر بدعاتِ محرّم کی تردید فرمائی تو بہت سے لوگوں نے ان بدعات سے توبہ کر لی حتیٰ کہ کئی مقامات پر شیعہ حضرات نے تعزیہ کی رسم سے توبہ کر لی۔

باب چہارم

سفرِ حج

شوال ۱۲۳۶ھ / جولائی ۱۸۲۱ء میں حضرت امام صاحبؒ نے حضرت سید احمد صاحبؒ اور دیگر احباب و رفقاء کی معیت میں حج کا قصد فرمایا۔ یہ وہ دور تھا کہ ہندوستان کے مختلف علماء نے بحری سفر میں اندیشۂ ہلاکت کے پیشِ نظر فریضۂ حج کے استقاط کا فتویٰ دے دیا تھا۔

پس منظر

اس فتویٰ کا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب بحرِ ہند اور بحیرۂ عرب پر پرتگیزوں کا قبضہ ہوا تو انہوں نے حجاج کے لیے خطرات پیدا کر دیئے تھے کیوں کہ پرتگیز اپنے وطن میں سالہا سال تک مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار رہے تھے اس لیے مسلم دشمنی میں یہ اندھے ہو چکے تھے عہدِ مغلیہ میں انہوں نے اور مسلمانوں کے ازلی و ابدی دشمن انگریزوں نے کئی مرتبہ حاجیوں کے جہاز ڈبو کر نقصان پہنچایا اور اس کا انہیں شدید خمیازہ بھی بھگتنا پڑا لیکن جب مغلیہ سلطنت کمزور پڑ گئی اور فرنگی چیرہ دستیاں بے لگام ہو گئیں تو بعض علماء نے فتویٰ دے دیا کہ سمندری سفر میں بعض اوقات جہاز ڈوب

جاتے ہیں یا ڈبا دیئے جاتے ہیں لہذا راستہ کے پُرامن نہ ہونے کے پیشِ نظر فریضۂ حج ساقط ہو گیا کیوں کہ راستہ کا پُرامن ہونا حج کی شرائط میں سے ہے ۔ جب شرط فوت ہو گئی تو مشروط پر عمل پیرا ہونے کی فرضیت بھی ساقط ہو گئی ہے ۔

امام صاحبؒ کی تردید

جب اس قسم کے فتویٰ کا چرچا ہُوا تو حضرتِ امام صاحبؒ اور مولانا عبدالحی صاحبؒ نے اس کی زبردست تردید کی اور حج کی فرضیّت کے اثبات پر زور دیا۔ منشی خیر الدین نامی ایک شخص نے اصل فتویٰ جو کہ علماء لکھنو کی طرف سے تھا اور امام صاحبؒ و مولانا عبدالحی صاحبؒ کی طرف سے اس کی تردید حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے پاس ارسال کر کے آخری فیصلہ طلب کیا ۔

شاہ عبدالعزیزؒ کا فیصلہ

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اصل فتویٰ اور اس پر تعاقب کو دیکھ کر جو محاکمہ فرمایا اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے :-

۱۔ علُوم دینیہ وعقلیہ میں اسمٰعیلؒ اور عبدالحی کا پایہ مجھ سے کم نہیں ۔

۲۔ جن لوگوں نے فریضۂ حج کو ساقط قرار دیا ہے اُن کے سامنے فتاویٰ کی دو چار مشہور کتابوں کے سوا کچھ نہیں حالانکہ ان کتابوں کی سند ہرگز بلند نہیں اور جن مُعتبر کتابوں پر دین کا مدار ہے ان سے یہ لوگ بہرۂ وافر نہیں رکھتے ۔

۳۔ ان کے بیان کردہ حالات کی سند درجۂ اعتبار سے ساقط ہے اور ان کے لگائے ہوئے حکموں پر عمل پیرا ہونا سراسر گمراہی کا مُوجب ہے ۔

۴۔ جن حضرات نے آج فرضیتِ حج کے اسقاط کا فتویٰ دے دیا ہے ، کون کہہ سکتا ہے کہ وہ کل نماز ، روزے کی معافی کا بھی حکم نہ لکھ دیں گے ؟ زکوٰۃ تو ان کے نزدیک بہ درجہ اولیٰ ساقط ہو گی۔

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے تفسیر عزیزی میں بھی بہ سلسلہ تشریحات وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي .... الآیۃ ، مسئلے کے اس پہلو پر توجہ فرمائی تھی اور لکھا تھا :-

"ہر چند جہاز را گاہے نوبت بہ تباہی ہم عارض شود اما بیشتر اوقات بہ سلامت می رسد پس او را خلافِ امن طریق نتواں شمرد[۲]۔"

اگر چہ جہاز بعض اوقات ڈوب بھی جاتا ہے لیکن چونکہ اکثر سلامت منزلِ مقصود پر پہنچ جاتا ہے اس لیے گاہ گاہ کی غرقابی کو امن طریق کے خلاف نہیں سمجھا جا سکتا۔

لیکن ان علمی بحثوں کے علاوہ ضرورت اس بات کی تھی کہ اجتماعی طور پر بہت وسیع پیمانے پر اس فریضہ الٰہی کو ادا کر کے مانعین پر حجت تمام کر دی جائے چنانچہ اس عملی اقدام کے لیے آپ کے پیر و مرشد حضرت سید احمد صاحبؒ میدان میں اترے اور انہوں نے اپنے تمام عقیدت مندوں کو سید زین العابدین[۳] سے خطوط لکھوا کر ارسال فرما دیئے جن کا مضمون یہ تھا۔

"ہم واسطے ادائے حج کے بیت اللہ جاتے ہیں جن جن صاحبوں کو حج کرنا منظور ہو انہیں اپنے ہمراہ لائیں مگر یہ حقیقت ہر ایک پر واضح کر دیں کہ ہمارے پاس نہ کچھ مال ہے نہ خزانہ محض اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے جاتے ہیں اس کی ذاتِ پاک سے قوی امید ہے کہ وہ اپنے فضل سے ہماری مراد پوری کرے گا اور جہاں کہیں راستے میں واسطے حاجتِ ضروری کے خرچ نہ ہو گا وہاں ٹھہر کر ہم لوگ محنت مزدوری کریں گے جب بخوبی خرچ جمع ہو جائے گا تب وہاں سے آگے کو روانہ ہوں گے عورتیں اور ضعیف مرد جو مزدوری کے قابل نہ ہوں گے ڈیروں کی نگرانی پر رہیں گے اور اس خرچ میں کمانے والے اور ڈیروں پر رہنے والے سب برابر کے شریک رہیں گے۔"

جن حضرات کی طرف حضرت سید احمد صاحبؒ نے خطوط ارسال فرمائے ان میں حضرت امام صاحبؒ سرفہرست ہیں آپ کے علاوہ چند دیگر مکتوب الیہ حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں مولانا عبدالحی صاحبؒ (بڈھانہ) مولانا وحید الدینؒ ان کے بھائی حافظ قطب الدینؒ اور والد حافظ معین الدین (پھلت) مولانا وجیہ الدینؒ۔ حافظ عبدالربؒ، حکیم مغیث الدین

اور اُن کے بھانجے شہاب الدینؒ (سہارنپور) اور مُلّا دوندےؒ (بہاولپور)[3][4] تمام حضرات نے جن کو خطوط لکھے گئے بڑی مسرّت کا اظہار کیا اور دعوت پر لبیک کہا حضرت امام صاحبؒ نے بھی جواب میں لکھا کہ میں حکیم مغیث الدینؒ، مولانا وجیہہ الدین، مولانا وحید الدینؒ اور حافظ قُطب الدین پھلتیؒ کی معیت میں مرد و زن پر مشتمل اڑھائی سو کا قافلہ لے کر آ رہا ہوں اور ہم گڑھ مکتشیر کے گھاٹ سے کشتیوں پر سوار ہو چکے ہیں اس طرح دیگر علاقوں کے لوگوں سمیت قریباً چار سو افراد کا قافلہ تیار ہو گیا جو شوال ۱۲۳۶ھ کی آخری تاریخ (۲۰ جولائی ۱۸۲۱ء) کو پیر کے دن کامل بے سر و سامانی کے عالم میں رائے بریلی سے روانہ ہوا۔ اور کلکتہ پہنچتے پہنچتے اس مُقدّس قافلہ کی تعداد سات سو تریسٹھ تک پہنچ گئی۔ قیامِ کلکتہ کے دوران بھی حضرت امام صاحبؒ نے ایک مجلس میں اپنے علم و فضل کے جوہر دکھائے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کلکتہ میں سُلطان ٹیپو شہیدؒ[5] کے خاندان کے کچھ افراد رہتے تھے ان میں سے بعض شہزادوں کے عقائد مولوی عبد الرحیم فلسفی کی صحبت کے پیشِ نظر خراب ہو گئے تھے۔ یہ شہزادے غالباً سلطان ٹیپو شہید کے پوتے تھے اور مولوی عبد الرحیم گورکھپور کے باشندے تھے جن کے والد کا نام مصاحب علی تھا۔ شاہ عبد العزیزؒ، شاہ عبد القادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ کے تلامذہ میں سے تھے لیکن بعد میں منطق اور فلسفہ میں توغل کے سبب "دہری" مشہور ہو گئے، سُلطان شہید مرحوم کے پوتوں نے مُحمّد قاسم خواجہ سرا کو بھیج کر حضرت سیّد احمد صاحبؒ کو اپنے ہاں مدعو کیا۔ سیّد صاحبؒ چند رُفقاء کی معیّت میں تشریف لے گئے مجلس میں چند مسائل پر گفتگو شروع ہوئی شہزادوں کی طرف سے مولوی عبد الرحیم اور حضرت سیّد صاحب کی طرف سے حضرت امام صاحبؒ بات میں حصّہ لے رہے تھے مولوی صاحب کو چونکہ اپنے منطقی و فلسفی ہونے پر بڑا ناز تھا اس لیے انہوں نے منطق و فلسفہ کی زبان میں بات کی لیکن اس بے چارے کو کیا خبر تھی کہ آج کس حکیم الاُمّت اور مفکرِ اسلام سے اس کا واسطہ تھا؟ حضرت امام صاحبؒ نے اس کی تمام باتوں کا اس قدر احسن پیرایۂ بیان میں جواب دیا کہ منطقی و فلسفی صاحب کا ناطقہ بند ہو گیا اور ہر طرف سے آپ کے حق میں تحسین و آفرین کی صداؤں کا غلغلہ بلند ہوا۔ بڑے شہزادے کو بھی اپنے علم پر بڑا غرور تھا اس نے بھی مختلف اسالیبِ بیان سے تقریر کی اس کا جواب دینے

کے لیے بھی آپ بڑے بے قرار تھے مگر قسمت! اب وہ کام بھی اب حضرت سید صاحبؒ نے اپنے ذمے لے لیا اور چند ہی لمحوں میں اس کے پندار علم کو خاک میں ملا دیا۔ ان دونوں بزرگوں کی ان دل نشین اور ایمان افروز تقریروں کا یہ اثر ہوا کہ وہ اپنے غلط خیالات سے تائب ہو گئے حتیٰ کہ وہ سید صاحبؒ کے حلقہ بیعت میں شامل ہو گئے اور پھر انہوں نے اہل قافلہ کی دعوت بھی کی۔

ذکر کیا جا رہا تھا کہ کلکتہ تک پہنچتے پہنچتے قافلہ کی تعداد سات سو ترپن ہو گئی تو قافلہ کو دس جماعتوں میں تقسیم کر دیا گیا اور دس جہازوں کا انتظام کر لیا گیا ہر جماعت ایک ایک جہاز پر دیگر مسافروں کے ساتھ سوار ہوئی ہر جماعت کے لیے ایک ایک امیر سفر بھی متعین کیا گیا تھا ایک سو ستر افراد پر مشتمل ایک جماعت حضرت امام صاحبؒ کے زیر امارت تھی اور آپ کے حصہ میں جو جہاز آیا اس کا نام فیض رسول تھا۔ امیر شاہ خاں صاحبؒ نے اس سفر میں آپ کے رفقا و احباب سے مزاح اور خوش طبعی سے پیش آنے کا ایک واقعہ لکھا ہے مولانا عبدالقیوم صاحبؒ نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ مولانا وجیہ الدین صاحبؒ بھی مولانا شہیدؒ کے ساتھ جہاز میں تھے اور دونوں مل کر تفریح کے لیے آٹا پیسا کرتے تھے آٹا پیستے ہوئے مولانا شہیدؒ ان کو چھیڑا کرتے تھے کبھی آٹا ان کے منہ پر مل دیتے تھے کبھی پیٹ پر کبھی کوئی اور مذاق کرتے تھے ان کے علاوہ مولانا اور مجھ سے بھی ہنسی مذاق کرتے رہتے تھے میں یعنی مولانا عبدالقیوم صاحب اس زمانہ میں بچہ تھا اور مولانا کو مجھ سے بہت محبت تھی اس لیے مولانا اکثر مجھے اپنے پاس رکھتے تھے اور جہاز میں بھی مجھے اپنے ہی ساتھ رکھتا تھا۔ اس زمانہ میں بادبانی جہاز تھے اور مسافروں کو روزانہ فی کس ایک بوتل پانی ملا کرتا تھا۔ اتفاق سے ہوا ناموافق ہو گئی اور جہاز میں پانی کم رہ گیا اس لیے جہاز والوں نے اعلان کر دیا کہ کل سے پانی آدھی بوتل ملے گا۔ دو دن تک آدھی بوتل پانی دیا اس کے بعد جب پانی بالکل ختم ہو گیا تو جہاز والوں نے کہہ دیا کہ اب پانی بالکل نہیں رہا ہے اس لیے پھر پانی نہیں دے سکتے سب لوگ نہایت پریشان ہوئے۔

اس جہاز میں علاوہ سید صاحبؒ کے قافلہ والوں کے اور بھی بڑے بڑے لوگ سوار تھے اب ان لوگوں میں سرگوشیاں ہونے لگیں کہ یہ شخص (مولانا شہیدؒ) دوسروں سے ہنسی مذاق کرتا ہے

اسی کی شامت سے ہم پر یہ بلا آئی ہے لہٰذا اس کو روکنا چاہیے اور دعائیں کرنی چاہئیں اس کی اطلاع مولوی وجیہ الدین صاحبؒ اور دوسرے لوگوں کو ہوئی۔ مولوی وجیہ الدینؒ مع چند دیگر اشخاص کے ان لوگوں کے پاس پہنچے اور ان کو مولانا شہیدؒ کی عظمتِ شان سے آگاہ کیا اور کہا کہ یہ شامت تمہاری اس گستاخی اور بدگمانی کی ہے کہ تم ان کی نسبت ایسا خیال کرتے ہو تم کو چاہیے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے معافی چاہو اور ان سے دعا کی درخواست کرو چنانچہ وہ سب لوگ آئے اور سب نے مولانا سے دُعا کی درخواست کی۔

مولانا نے فرمایا کہ سب دعا کرو میں بھی دعا کروں گا مگر میری دعا تو مٹھائی کے بغیر چپکتی نہیں اس پر ایک شخص نے وعدہ کیا کہ سب جہاز کے لوگوں کو مسقطی حلوا کھلاؤں گا اس کی مقدار مجھے یاد نہیں رہی مگر اتنا یاد ہے کہ فی کس پاؤ بھر سے زیادہ تھا اس پر آپ نے دوسرے لوگوں سے مل کر دعا کی جس کا اثر اسی وقت ظاہر ہوا اور ایک چشمہ شیریں پانی کا جو لمبائی چوڑائی میں دو بڑی چارپائیوں کے برابر ہوگا دوڑتا ہوا آیا اور جہاز کے پاس آکر کھڑا ہو گیا مولانا نے اس کو دیکھ کر فرمایا اس پانی کو تو دیکھو کیسا ہے؟ لوگوں نے جو چکھا تو نہایت ٹھنڈا اور شیریں تھا اس پر سب لوگوں نے اپنے اپنے برتن بھر لیے اور جہاز والوں نے بھی اپنے ظروف خوب بھر لیے جب سب بھر چکے تو وہ پانی غائب ہو گیا۔

اس کے بعد لوگوں نے ہوا کی موافقت کے لیے دعا کی درخواست کی پھر آپ نے وہی فرمایا کہ سب دُعا کرو میں بھی شریک ہو جاؤں گا مگر میری دُعا مٹھائی کے بغیر نہیں چپکتی اس پر کسی اور امیر نے کچھ وعدہ کیا جو مجھے یاد نہیں رہا۔ اس پر آپ نے سب لوگوں کے ساتھ مل کر موافقت ہوا کی دعا کی اور ہوا موافق ہو گئی۔ جہاز کا لنگر کھول دیا گیا اور جتنے دنوں میں اچھی ہوا کی حالت میں جہاز جدّہ پہنچتا تھا اس سے بھی نصف دنوں میں ہمارا جہاز جدّہ پہنچ گیا۔ ثہ

نفوسِ قدسیہ پر مشتمل اللہ والوں کا یہ قافلہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے عموماً ہر آفت و بلا سے محفوظ رہتے ہوئے، بنارس میں ایک ماہ، کلکتہ میں تین ماہ، مخا میں ایک ماہ، کسی جگہ پندرہ دن، کسی جگہ دو چار دن اور کہیں صرف ایک رات قیام کرنے کے بعد شعبان ۱۲۳۷ھ (مئی ۱۸۲۲ء) کو کل دس مہینے سفر میں صرف کرنے کے بعد حرمِ پاک میں پہنچ گیا۔ اس سفر میں چند رفقاء مثلاً عنایت علی عظیم آبادی، عبد الغفار خاں بخاری، سیّد صاحب کی انا جمن بوا فوت ہو گئے اور حضرت امام

صاحبؒ کی والدہ ماجدہ بھی مکّہ معظمہ میں اللہ کو پیاری ہو گئی تھیں۔ آپ کی وفات کا قصّہ حسب ذیل ہے۔

والدہ ماجدہ کا سفرِ آخرت

اس مبارک سفر میں حضرت امام صاحبؒ کے ہمراہ آپ کی والدہ ماجدہ اور ہمشیرہ مکرمہ بھی تھیں والدہ محترمہ مکّہ معظمہ پہنچ کر سخت بیمار پڑ گئیں اور ابھی تک آپ نے حضرت سیّد صاحب کے دستِ مُبارک پر بیعت نہیں کی تھی بلکہ آپ بیعت سے سخت انکار کرتے ہوئے فرماتی تھیں کہ سیّد صاحب نے تو ہمارے گھر میں بیعت کی ہے اب ہم اُلٹی ان کے ہاتھ پر کیسی بیعت کریں؟ لیکن حضرت امام صاحبؒ کی دِلی آرزو تھی کہ والدہ صاحبہؒ، سیّد صاحبؒ کے دستِ مُبارک پر بیعت کر لیں لیکن سعی بسیار اور بے پناہ اصرار کے باعث آپ انکار ہی کرتی رہیں۔ جب امام صاحبؒ کے اصرار پر آپ کا انکار غالب آ تا رہا تو انہیں ایک تدبیر سُوجھی کہ کیوں نہ اس بارہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے چنانچہ آپ نے نہایت الحاح و زاری سے دعا کی۔

اے اللہ! میری والدہ محترمہ کا شاید آخری وقت ہے نامعلوم
کب ان کی رُوح آپ کے پاس پہنچ جائے لہذا انہیں سیّد صاحبؒ
کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی توفیق عنایت فرما دو۔

یہ تدبیر کامیاب ثابت ہوئی اور تیرِ دعا نشانۂ مُراد کو پہنچ گیا۔ چنانچہ ایک رات والدہ صاحبہ نے خواب دیکھا کہ میدانِ حشر کا نقشہ ہے، سر پر آفتاب آگ برسا رہا ہے، گرمی کی شِدّت سے لوگوں کا بُرا حال ہو رہا ہے تا حدِّ نگاہ کوئی شجر سایہ دار نہیں کہ سستا لیا جائے اور نہ پانی ہے کہ پیاس کی شدت سے کانٹا بنے ہوئے حلق میں دو قطرے ڈال لیئے جائیں آپ بھی دوسرے لوگوں کی طرح سایہ و پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر حیران و سرگرداں ہو کر دوڑنے لگیں اچانک دُور ایک جگہ گھنا سایہ نظر آیا جہاں ایک خلق کثیر شاداں و فرحاں جلوہ افروز ہے آپ نے کسی سے پُوچھا یہ کون سعادت مند ہیں جو اس خزاں کے عالم میں بھی بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ یہ حضرت سیّد احمدؒ اور اُن کے مُریدانِ باصفا کا مقدس گروہ ہے۔ سے

گفت ایں جملہ گروہِ احمدی است　　سایۂ شاں ظلِّ فیضِ سرمدی است
تو از ایشاں شو کہ تا ذی شاں شوی　　دور کن افکار تا از ایشاں شوی

خواب دیکھنے کے بعد پریشانی کے عالم میں آپ بیدار ہو گئیں۔ امام صاحبؒ کو بلا کر خواب سنایا اور فرمایا کہ فوراً سید صاحبؒ کو بلا لاؤ تا کہ میں بھی بیعت کر لوں۔ چنانچہ آپ تشریف لائے تو مخدومہ و محترمہ نے بیعت کر لی اس واقعہ کے سات روز بعد پیامِ اجل آ پہنچا اور آپ اللہ تعالیٰ کو پیاری ہو گئیں۔ جنت المعلیٰ میں آپ محوِ استراحت ہیں غَفَرَ اللّٰہ لَھَا

مولانا محمد جعفر صاحب تھانیسریؒ نے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :۔

> نواب وزیر الدولہ مرحوم اور صاحبِ "مخزن" بالاتفاق لکھتے ہیں کہ مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ کی والدہ شریفہ بھی اس سفر میں اپنے بیٹے کے ساتھ تھیں۔ ادائے حج کے بعد سخت بیمار پڑ گئیں اس وقت مخدومہ سید صاحبؒ کی بیعت سے مشرف نہ ہوئی تھیں بلکہ آپ کی بیعت کرنے سے آپ کو سخت انکار تھا اور اپنی خام خیالی کے سبب کہا کرتی تھیں کہ سید صاحبؒ نے ہمارے گھر میں بیعت کی ہے اب ہم الٹی ان کے ہاتھ پر کیسی بیعت کریں حالانکہ ان کے شوہر مولوی عبد الغنی صاحبؒ اور ان کے لائق بیٹے مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؒ بلکہ اس خاندان کے کل مرد و عورت سید صاحبؒ کی بیعت سے مشرف ہو چکے تھے[۹]

تعجب ہے کہ ان بزرگوں نے حضرت شاہ عبد الغنی صاحبؒ کو حضرت سید صاحبؒ کے بیعت کنندگان میں کیسے شامل کر لیا جب کہ حضرت شاہ عبد الغنی صاحبؒ کی وفات ۱۶ رجب سنہ ۱۲۰۳ھ کو ہوئی اور حضرت سید صاحبؒ نے اس وقت عمر شریف کی ابھی تک صرف دو تین بہاریں دیکھی تھیں کیونکہ آپ کی ولادت باسعادت ۶ صفر سنہ ۱۲۰۱ھ میں ہوئی لہذا حضرت شاہ عبد الغنی صاحبؒ کی بیعت کرنے کے کیا معنی؟ قبل ازیں بھی اس طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔ فافہم

ادائے حج

۸ ذو الحجہ کو سنت کے مطابق حج کے لیئے روانہ ہوئے تمام مشاعر پر طویل دعائیں کیں۔ عقبہ کے مقام پر تمام رفقائے از سرِ نو تیر کا سید صاحب

سے بیعت کی تجدید کی۔ سب سے لمبی دعائیں عرفہ کے دن جبلِ رحمت کے دامن میں کی گئیں اس مبارک دن اور مقام کے تقدس کے پیشِ نظر پھر بیعت کی گئی۔

مولانا عبدالحی صاحبؒ نے حرمِ پاک میں مشکوٰۃ اور حضرت امام صاحبؒ نے اپنے جدِّ امجد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی حکمت، فقہ، تصوف، فلسفہ اور سیاست سے اہلِ عرب کو متعارف کرانے کے لیئے ان کی تصنیفِ لطیف "حجۃ اللہ البالغہ" کا درس دینا شروع فرما دیا۔ سید صاحبؒ کے وہ ملفوظات جو حضرت امام صاحبؒ نے مولانا عبدالحی صاحبؒ کے اشتراک سے "صراطِ مستقیم" کے نام سے ترتیب دیئے ہیں مولانا عبدالحی صاحبؒ نے اسی اثناء میں ان کا عربی میں ترجمہ بھی کیا تاکہ اہلِ عرب سید صاحبؒ کے علوم و معارف سے بھی استفادہ کر سکیں بعض رفقاء نے بھی اس عربی ترجمہ کی نقلیں لے لی تھیں۔

مراجعتِ وطن

محرم کے آخر میں اہلِ قافلہ مکہ معظمہ سے سوئے مدینہ طیبہ روانہ ہوئے اور دس گیارہ دن کے بعد مدینہ طیبہ میں پہنچ گئے اور وہاں ایک مہینہ گزار کر ۹ ربیع الاول ۱۲۳۸ھ کو واپس مکہ معظمہ آ گئے۔ رمضان المبارک حرم ہی میں گزارا اور ۱۵ ر شوال (۲۵ ر جون ۱۸۲۳ء) کو مکہ معظمہ سے سوئے وطن روانہ ہوئے اور ۲۰ ر ذوالحجہ (۱۶ ر اگست ۱۸۲۳ء) کو بمبئی اور ۶ ر صفر ۱۲۳۹ھ (۱۲ ر اکتوبر ۱۸۲۳ء) کو کلکتہ پہنچ گئے۔

قصیدہ

اللہ والوں کا یہ مقدس قافلہ جب بخیر و عافیت وطن پہنچ گیا تو سید ابوالحسن نے حضرت سید صاحبؒ کی خدمت میں ایک لمبا قصیدہ پیش کیا اس کے اکثر اشعار "حیاتِ سید احمد شہیدؒ" مصنفہ مولانا محمد جعفر تھانیسری میں موجود ہیں مولانا غلام رسول مہر مرحوم نے بھی "سید احمد شہیدؒ" میں اس قصیدہ سے منتخب اشعار درج فرمائے ہیں۔ شائقین وہاں ملاحظہ فرما سکتے ہیں ذیل میں صرف دو شعر نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے جن میں حضرت امام صاحبؒ اور مولانا عبدالحی صاحبؒ کا تذکرہ ہے ؎

رکنِ دیں مولوی عبدالحی و شہ اسمٰعیل
فیض سے تیرے ہوئے کاملوں کے سر دفتر
تیری صحبت نے ملائک کی کری خاصیت
گو کہ ظاہر میں نظر آتے ہیں ہم شکلِ بشر

باب پنجم

جہاد

ابتدائے آفرینش سے حق و باطل کے درمیان معرکہ آرائی ہوتی چلی آرہی ہے۔ ضربِ کلیم سے فرعونی لشکروں، تیشۂ ابراہیم سے نمرودی بُت کدوں اور چراغِ مُصطفوی سے شرارِ بُولہبی کی ستیزہ کاری ایک مُسلّمہ حقیقت ہے۔ ترجمانِ حقیقت علّامہ اقبالؒ نے اس حقیقت سے یُوں نقاب کشائی کی ہے

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مُصطفویؐ سے شرارِ بُولہبی

اور ایسی بے شمار حقیقتیں ہیں جو جریدۂ عالم پر ثبت ہیں اور حق کی طرف سے باطل کی اس یُورش اور طُوفانِ بدتمیزی کو روکنے کے لیے جدوجہد کو جہاد کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جنگ ایک بُرا فعل ہے۔ کوئی شریف آدمی اس کی حمایت نہیں کر سکتا، نونہالوں کے

اپنے آباء کے سایۂ شفقت سے محروم ہو جانے، سہاگنوں کے سہاگ لُٹ جانے، رعنا جوانوں کے اپاہج ہو جانے اور میدانوں میں خون کی ندیاں رواں دواں ہونے کو کون مستحسن نگاہوں سے دیکھ سکتا ہے؟ کون ہے جو سروں کی فصل کٹتے ہوئے دیکھ کر خوش ہو؟ کسے خون کے چھوٹتے ہوئے فوّاروں کے منظر حسین نظر آ سکتے ہیں؟ ہاں وہ کون ظالم ہے جسے زخمیوں کی ٹیسیں، آہیں اور درد انگیز نالے جانفزا معلوم ہوتے ہیں؟ کوئی نہیں صرف انتہائی بدبخت اور سنگدل لوگ ہی اپنے جیسے انسانوں کو آلام و مصائب کا تختۂ مشق بنے ہوئے دیکھ کر خوش ہو سکتے ہیں، لیکن ٹھہریئے کبھی یہ جنگ، ہاں جنگ ایک مقدّس فرض کا روپ بھی دھار لیتی ہے جب خدا کو معبود ماننا چھوڑ دیا جائے اور سینکڑوں طاغوتوں کو معبود تسلیم کیا جانے لگے، جب شرک و بدعت کی گرم بازاری ہو، جب لوگ رحمٰن سے سرکشی کر کے شیطان کے پیرو بن جائیں، جب حدودِ الٰہی کو معطّل قرار دیا جائے، جب خدا کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرا لیا جائے، جب مردوں پر بجلیاں گرائی جائیں اور عورتوں پر ظلم و استبداد کے پہاڑ توڑے جائیں تو جنگ فرض ہے، ایک مقدّس فرض اور اس مقدّس فرض کی ادائگی کو اصطلاحِ شریعت میں جہاد کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

جہاد کے معنی

لفظ "جہاد" جاہد یجاہد باب مفاعلہ کا مصدر ہے جس کے لغوی معنی محنت مشقت، تعب اور کسی کام کے لیے سخت تکلیف برداشت کر لینے پر ہمہ تن آمادگی کے ہیں اور اصطلاحِ شریعت میں یہ لفظ خاص اور عام دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے عام تو یہ کہ نفس کو ہر اس کام کے کرنے پر آمادہ کیا جائے جو اللہ تعالیٰ سے قرب اور اس کے منع کردہ امور سے بُعد کا ذریعہ بنے حدیث میں ہے "المُجاهد من جَاهد نفسه" (مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے) اور خاص یہ ہے کہ دشمن کے حملہ کی روک تھام کے لیے اپنی پوری وسعت و طاقت کے ساتھ ظاہری و باطنی طور پر بے دریغ سعی کرنا۔

یاد رہے کفّار کے ساتھ اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر جہاد ایک بہت بڑا عمل ہے کیوں نہ ہو جب کہ ایک مجاہد اپنے مال و دولت کی پرواہ نہیں کرتا، بیوی بچّوں سے منہ موڑ لیتا ہے اور اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لیے یا اپنے بھائی بندوں کی حفاظت کے لیے اپنا خون گرانے اور

اپنی جان ایسی قیمتی و عزیز ترین متاع کے قربان کر دینے سے بھی دریغ نہیں کرتا بلکہ صد انبساط و انشراحِ قلب و صدر کے ساتھ کہتا ہے ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اپنے ان جانباز بندوں پر فیاضیوں کی انتہا ہو جاتی ہے اور وہ معاوضہ میں انہیں نعیم ابدی کی کامرانیاں عطا فرما دیتا ہے۔ ارشاد ہے :-

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ
لَهُمُ الْجَنَّةَ ط يُقَاتِلُوْنَ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ
يُقْتَلُوْنَ قف وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا
فِي التَّوْرٰىةِ وَالْإِنْجِيْلِ
وَالْقُرْاٰنِ ط وَمَنْ أَوْفٰى
بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا
بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ
وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

بلاشبہ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں بھی خرید لیں، اور ان کا مال بھی اور اس قیمت پر خرید لیں کہ ان کے لئے بہشت (کی جاودانی زندگی) ہو۔ وہ (کسی دنیوی مقصد کی راہ میں نہیں بلکہ) اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پس مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں یہ وعدہ اللہ کے ذمہ ہو چکا (یعنی اس نے ایسا ہی قانون ٹھہرا دیا) تورات، انجیل، قرآن (تینوں کتابوں) میں یکساں طور پر) اس کا اعلان ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون ہے جو اپنا عہد پورا کرنے والا ہو؟ پس مسلمانو! اپنے اس سودے پر جو تم نے اللہ سے چکایا، خوشیاں مناؤ، اور یہی ہے جو بڑی سے بڑی فیروز مندی ہے

اور یہی وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے جس کے متعلق فرمایا :-

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ أَدُلُّكُمْ
عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ أَلِيْمٍ
۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچائے؟ وہ تجارت یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ٢

پر ایمان لاؤ اور اس کی راہ میں اپنی جان اور مال سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہترین کام ہے اگر تم جانو۔

جہاد کی عظمت و سربلندی اس انداز سے بیان فرمائی۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ ٣

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے آباد کرنے کو ان لوگوں کے کام کے برابر ٹھہرا لیا ہے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں لڑے؟ اللہ کے نزدیک یہ دونوں برابر نہیں ہیں۔ اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔ جو لوگ ایمان لائے، جنہوں نے حق کی خاطر گھر بار چھوڑا اور اللہ کی راہ میں جان و مال سے لڑے اللہ کے نزدیک ان کا درجہ زیادہ بڑا ہے اور وہی لوگ ہیں جو حقیقت میں کامیاب ہیں۔

جہاد کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ نے تعریف اس طرح فرمائی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ ٤

اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح سے صف باندھے ہوئے جم کر لڑتے ہیں گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

اور بھی بہت سی آیات میں جہاد اور مجاہدین کے فضائل بیان کیے گئے ہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا:۔

انتدب اللّٰه لمن خرج في سبيله لا يخرجه الا ايمان بي و

اللہ کے ساتھ ایمان رکھنے والے اور اس کے رسولوں کی تصدیق کرنے والے مجاہد کو

تصدیق برسلی اَن ارجعہ بما نال من اَجُر او غنیمۃ او ادخلہ الجنّۃ[۵]

ذ اللہ تعالیٰ نے اجر و غنیمت کے ساتھ گھر واپس لوٹانے یا جنّت میں داخل کرنے کی ضمانت دی ہے ۔

(۲) لَا یکلم اَحَدٌ فِی سبیل اللّٰہِ وَاللّٰہُ اعلم بِمَنْ یکلم فِی سبیل اللّٰہ الاجَاء یوم القیامۃ و جرحہ یثعب دمًا اللون لون الدم والرّیح ریح المسك[۶]

جسے اللہ کے راستہ میں کوئی زخم لگے اور یہ اللہ کو ہی علم ہے کہ اس کے راستہ میں کسے زخم پہنچتا ہے روزِ قیامت اس کے زخم سے خون کا فوّارہ جاری ہوگا جس کی رنگت اگرچہ خون جیسی ہوگی لیکن خوشبو کستوری کی سی ہوگی

(۳) وَالّذِی نفسی بیدہ لولا اَنّ رجالًا مِنَ المؤمِنِیْنَ لاتطیب انفسھم ان یتخلفوا عنی ولا اجد ما احملھم عَلَیْہٖ ما تخلفت عَنْ سریۃ تغزو فی سَبِیْل اللّٰہِ وَالّذِی نفسی بیَدِہٖ لوددت ان اقتل فی سبیل اللّٰہِ ثُمَّ احیٰ ثم اقتل ثُمَّ احیٰ ثُمَّ اقتل ثُمَّ احیٰ ثُمَّ اقتل[۷]

بخدا ! اگر مسلمانوں کے مشقت میں پڑ جانے کا خیال دامن گیر نہ ہو کہ وہ مجھ سے پیچھے رہنا گوارا نہ کریں گے تو میں کسی سریہ سے پیچھے نہ رہوں ۔ مقدور میں نہیں کہ ان سب کے لیے سواریوں کا انتظام کر سکوں ۔ اس ذاتِ اقدس کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہوا شہید ہو جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر شہید ہو جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر شہید ہو جاؤں ۔ پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید ہو جاؤں ۔

غور فرمایئے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کس قدر بے تابی کے ساتھ راہِ خدا میں تن من دھن قربا کردینے کی تمنّا کا اظہار فرما رہے ہیں لقد کان لکم فِی رسُوْل اللّٰہ اسوۃ حسنۃ ۔

جیسے جہاد میں حصّہ لینے پر بے پایاں اجر و ثواب ملتا ہے ایسے ہی اگر کوئی فریضۂ جہاد کے وجوب کے وقت تکلیف مشقت ، اہل و عیال کی مفارقت یا موت کے خوف وغیرہ کے سبب جہاد میں شرکت نہ کرے تو وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے ۔ ارشادِ خداوندی ہے :-

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ
لَّكُمْ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ
خَيْرٌ لَّكُمْ ج وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا
وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ
اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

لڑائی کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے لیکن بہت ممکن ہے ایک بات کو تم ناگوار سمجھتے ہو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور ایک بات تمہیں اچھی لگتی ہو اور اس میں تمہارے لیے برائی ہو اللہ جانتا ہے مگر تم نہیں جانتے ۔

ایک دوسرے انداز میں ارشاد فرمایا :-

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ
وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَ
عَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُنِ
اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ
تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ
تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ
اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ
سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى
يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا
يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

(اے پیغمبر) مسلمانوں سے کہہ دے اگر ایسا ہے کہ تمہارے باپ ، تمہارے بیٹے ، تمہارے بھائی ، تمہاری بیویاں ، تمہاری برادری تمہارا مال جو تم نے کمایا ہے ، تمہاری تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے ڈرتے ہو ، تمہارے رہنے کے مکانات جو تمہیں اس قدر پسند ہیں یہ ساری چیزیں تمہیں اللہ سے ، اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے آئے اور اللہ (کا مقررہ قانون ہے کہ وہ) فاسقوں پر (کامیابی و سعادت کی راہ نہیں کھولتا ۔

اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کے مال و منال ، شان و شکوہ کے قصر زرنگار اور دیگر سامان آرائش و زیبائش میں گم ہو کر فریضۂ جہاد کو ترک کرنا اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف اور موجب فسق ہے ۔

پس اے جوانو ! اپنے دلوں میں جذبۂ جہاد موجزن کرو ۔ ایثار اور قربانی ہی دین اسلام کی روح ہے جو انسان اپنے دوسرے بھائیوں کو مسرت ، راحت اطمینان اور سکون مہیا کرتے

کے لیے قربانی کا خوگر نہیں وہ انجام کار اس سے خود محروم کر دیا جاتا ہے۔

بات ذرا طول پکڑ گئی ہم ان صفحات میں امیرِ جیوشن، مقدم عساکر، حامی حوزۂ اسلام اور دشمنانِ دین کے حق میں خُدا تعالیٰ کی شمشیرِ بے نیام حضرت امام محمد اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے جانثار رفقاءِ کرام کے جہاد کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت امام صاحبؒ اور حضرت سیّد صاحبؒ کا اگرچہ سفرِ حج پہ روانہ ہونے سے قبل ہی جہاد کا مصمّم ارادہ تھا مگر انہوں نے جہاد سے قبل فریضۂ حج کے ادا کرنے کو ضروری سمجھا کیونکہ مسلمانانِ ہند اس وقت اس فریضہ کو بھی ترک کر چکے تھے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے اس لیے حج سے واپسی کے بعد سیّدین شہیدینؒ ہمہ تن جہاد کے انتظام میں مصروف ہو گئے۔ ڈاکٹر ہنٹر نے لکھا ہے :۔

> "بمبئی میں جہاں وہ سب سے پہلے جہاز سے اترے، ان لوگوں کی کثرت بھی جو ان کا وعظ سننے آئے یا مُرید ہونا چاہتے تھے، ان کو زیادہ دیر تک ٹھہرنے کے لیے مجبور نہ کر سکی وہ جہاں کہیں بھی گئے اس سے زیادہ کامیابی حاصل کی جتنی کہ مُعظّمہ کے سفر سے پہلے کی تھی بایں ہمہ وہ ان پُرامن اضلاع میں اپنی واعظانہ سرگرمیوں کو حقارت آمیز بے صبری سے دیکھتے رہے معلوم ہوتا ہے اب ان کی نگاہ ہر وقت سرحد کی دور دراز جنگ جُو آبادی پہ لگی رہتی تھی[۱۰]"

ہنٹر نے مزید لکھا ہے :۔

> "پہلے جو چیز خواب و خیال تھی اب ان کو حقیقی روشنی میں نظر آنے لگی جس میں انہوں نے اپنے آپ کو ہندوستان کے ہر ضلع میں اسلامی جھنڈا گاڑتے اور صلیب کو انگریزوں کی لاشوں کے نیچے دفن کرتے ہوئے دیکھا[۱۱]"

حضرت امام صاحبؒ اور مولانا عبدالحی صاحبؒ نے کچھ دنوں کے لیے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی وفات کی وجہ سے دہلی میں قیام فرمایا اور اس کے بعد انہوں نے ہجرت اور ترغیبِ جہاد کے لیے دورے شروع کر دیئے اور اطراف و اکنافِ ہندوستان تک اس مقصد کے لیے پہنچے جہاد کے لیے ان دعوتی و تنظیمی دوروں کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ۷ شوال ۱۲۳۹ھ کو حضرت

شاہ عبدالعزیزؒ کی وفات ہوئی ہے اور حضرت امام صاحبؒ تقویۃ الایمان کے سلسلہ میں سید عبداللہ بغدادیؒ کے اعتراضات کا ایک مکتوب کی شکل میں جواب ۱۲۳ھ میں لکھ رہے تھے، یہ اس مکتوب کا ذکر آئندہ آئے گا۔ غرضیکہ آپ کے ان دوروں کا خاطر خواہ اثر ہوا جہاں تک آپ پہنچے جہاد کی روح پھونکتے گئے اور لوگوں کو ایک ولولۂ تازہ دیتے گئے حتیٰ کہ صوفی و درویش اب سپاہی بنتے گئے، درواقعہ یہ سیدین کی مساعی کے شیریں ثمرات نظر آنے لگے اور اس طرح طاغوتی قوتوں کے خلاف برسرِ پیکار ہونے کا وہ خواب جو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے دیکھا تھا ان کے ذریعہ پورا ہوتے نظر آتے اور ان کے جانباز رفقاء نے میدانِ کارزار میں قدم رکھ کر شرمندۂ تعبیر کر دیا۔

مسلمانوں کی حالت

حضرت امام محمد اسمٰعیل شہیدؒ کی ولادت سے قبل ہی ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کا چراغ قریب قریب گل ہو چکا تھا سلطنتِ مغلیہ کے کھنڈرات پر جن مسلمان فرمانرواؤں نے اپنی حکومتوں کی بنیادیں استوار کی تھیں وہ بھی موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھیں بجز سن افغانوں کے علاوہ دکنی۔ اخلاقی، سماجی اور تمدنی ہر اعتبار سے بھی مسلمان زوال پذیر تھے امراء و رؤسا صرف شاہد و شراب کے ہو کر رہ گئے تھے محمد شاہ رنگیلے کے عہد میں تو نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ اس کے دربار میں تین تین سو طوائفیں رقص کرتیں جب وہ تھک کر چُور ہو جاتیں تو ان کی جگہ تین سو تازہ دم آ جاتیں۔ اس کے علاوہ حرم شاہی میں سینکڑوں کی تعداد میں عورتیں تھیں جو بادشاہ کی منکوحات کہلاتیں۔ بادشاہ جب چاہتا اور جس سے چاہتا لطف اندوز ہوتا، وہ حدود و قیود سے بالکل آزاد تھا اور اس عیش و رنگ میں شراب کا دور چلتا رہتا۔ دیگر امراء و رؤسا کی کیفیت بھی ایسی ہی تھی کہ ہر ایک کے محل میں شراب کی بھٹیاں موجود تھیں۔ عوام کی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی حضرت شاہ ولی اللہ علیہ نے تو اپنے دور کے متعلق فرمایا تھا کہ اگر کوئی شریعت عرب کے مقابلہ ان کے اعمال اور ان کے عادات کی پوری پوری تصویر سے واقف ہونا چاہتا ہے تو وہ اس زمانے کے عوام اور جہلاء کو دیکھ لے تو اس سے اندازہ لگائیے کہ حضرت امام صاحبؒ کے زمانے کے لوگوں کی کیا کیفیت ہوگی؟ غرضیکہ اس دور میں وہ تمام معاشرتی زوال و تخریبات تھا

ہوئیں جو اس حالت کا لازمہ ہوتے ہیں، تمام اخلاقی اقدار پاؤں تلے کچل دیئے گئے ذاتی عیش و عشرت اور مقامی اعزاز کی خاطر عظیم قومی مصالح ٹھکرا دیئے جاتے۔ مستقبل تاریک اور برے شگونوں میں آلودہ نظر آتا تھا اور اس لیے ہر شخص اس فکر میں رہتا تھا کہ جہاں تک اس کے بس میں ہو وقت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا لے۔ ایک اوسط درجہ کے شریف آدمی کی زندگی کے لیے تعیش، مے نوشی اور رقص و سرود کی محفلیں لازمی جزو بن گئی تھیں اور ان سے ادنیٰ تر طبقوں میں بھی ان سے نسبتاً پست تر پیمانے پر ان کی تقلید کی جاتی تھی اس زمانہ کی ادبیات بھی جن کی کثیر مثالیں ہمارے سامنے ہیں کاہلی اور عیاشی کے مروجہ عواطف و میلانات مہیا کرتی تھیں۔ ہاں یہ یاس انگیز تصویر ذرا مدھم پڑ جاتی تھی تو اس حقیقت سے کہ اگلے زمانے کے کچھ لطیف جذبات جیسے جرأت و دلیری، وفاشعاری اور شعورِ عزت و آبرو اب بھی لوگوں میں موجود تھے اگرچہ ان کا نشو و نما غلط طریقوں پر ہوتا تھا چنانچہ دلیری معمولی معمولی جھگڑوں اور خانہ جنگیوں پر، وفاداری چھوٹے چھوٹے مقامی معاملوں پر، استقلال و استقامت فرسودہ اور تباہ کن رسم و رواج سے چمٹے رہنے پر، سیر چشمی اسراف پر اور علم و دانش قدیم ذخیروں میں جدید معلومات کا اضافہ کرنے کی بجائے پرانے متنوں کی طویل الذیل شرحیں لکھنے پر صرف کی جاتی تھیں۔[12]

حالات کے ان تند و تیز طوفانوں اور برائیوں و بے حیائیوں کی ان آندھیوں میں گھرے ہوئے معاشرہ میں پل کر حضرت امام صاحبؒ جوان ہوئے بقول مولانا غلام رسول مہر مرحوم اس وقت عمل کے تین راستے ہو سکتے تھے :-

۱۔ "حق کو چھوڑ کر باطل سے رشتہ جوڑ لیا جائے۔

۲۔ حق کو نہ چھوڑا جائے اور اس سلسلہ میں جو مصیبتیں پیش آئیں انہیں صبر و استقامت سے برداشت کر لیا جائے۔

۳۔ باطل کا مقابلہ مردانہ وار کر کے ایسی صورتِ حال پیدا کرنے کی سعی کی جائے کہ حق کے لیے غلبۂ عام کی فضا آراستہ ہو جائے[13]"

حضرت امام صاحبؒ نے اپنے پیر و مرشد حضرت سید صاحبؒ کی معیت میں آخری راستہ

کا منتخب فرمایا جو حسن انتخاب کی انتہائی ترتیب دیتا تھا اور یہی ان کے وعظ و ارشاد کا محور اور ان کی دعوت و تبلیغ کا نصب العین تھا اور اسی کے لیے جانثاروں اور سرفروشوں کا یہ مقدس گروہ سر بکفن باندھ کر میدان کارزار میں اترا تھا ۔

اعتراضات

جب مجاہدین اسلام نے اپنے لیے جہاد کا راستہ منتخب فرما لیا تو کچھ لوگوں نے اعتراضات کیے جن کی کیفیت یہ تھی ۔

۱۔ حضرت سید صاحبؒ اور ان کے رفقا پر ذاتی حملے ۔

۲۔ مجاہدین کے پاس اس وقت سامان جنگ کی قلت ہے ۔

۳۔ بعض لوگ بیعت کرنے کے بعد منحرف ہو گئے جس کی وجہ سے دوسرے لوگوں کی اعتقاد بھی مشکوک ہو گئی

حضرت امام صاحبؒ کو ان اعتراضات کا جب علم ہوا تو آپ نے ایک مکتوب میں تفصیل کے ساتھ ان اعتراضات کا جائزہ لیتے ہوئے فرمایا کہ ان کا جواب بھی اگرچہ جہاد کے مترادف ہے لیکن ہمیں اس وقت تحریر و تقریر کے لیے فرصت کہاں میسر؟ جیسے نماز کی تعلیم دینا از بس ضروری ہے لیکن جو انسان نماز میں مصروف ہو وہ دوسروں کو کیسے تعلیم دے سکتا ہے اس تمہید کے بعد آپ نے پہلے اعتراض کا جواب یہ دیا کہ سید صاحبؒ پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں وہ بالکل لغو اور حقیقت سے بعید ہیں ان میں سے ایک بھی صحیح نہیں ہے اسی طرح جو اعتراضات آپ کے رفقاء کی طرف منسوب کیے گئے ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر بھی صحیح نہیں اور اگر بالفرض محال انہیں درست تسلیم کر لیا جائے تو وہ زیادہ سے زیادہ مرتبۂ ولایت پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور ولایت، امامت کی شرائط میں سے نہیں ہے جیسا کہ ائمہ سلف کی تحریروں سے ثابت ہے ۔

دوسرے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا اگرچہ ہمارے پاس ساز و سامان کی قلت ہے تاہم فراہمی سامان کے لیے مقدور بھر کوششیں جاری رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم ۔ یعنی جتنی تمہیں طاقت ہو سامان تیار کرو یہ نہیں فرمایا ۔ وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا أَعَدُّوا لَكُم ۔ کہ جتنا سامان وہ تمہارے مقابلے کے لیے تیار

کریں اتنا ہی تم ان کے مقابلہ کے لیے تیار کرو۔۔۔۔۔ کوئی امام ماں کے پیٹ سے لاؤ لشکر لے کر تو نہیں آتا بلکہ جب کوئی میدانِ کارزار میں آتا ہے تو لوگ اس کے لیے حسبِ استطاعت سامان فراہم کرتے ہیں اور یہ مسلمانوں پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ امام کی خدمت میں حاضر کرنے سے بخل سے کام نہ لیں کیونکہ "اعدوالھم ما استطعتم" اور "جاھدوا باموالکم وانفساہم" کے مخاطب صرف ائمہ و روسائ تو نہیں بلکہ عامۃ المسلمین بھی ہیں آخر میں حضرت امام صاحبؒ نے فرمایا سبحان اللہ! کیا اسلام کا حق یہی ہے کہ اس کے ایک بڑے ستون کو بیخ و بُن سے اکھاڑا جا رہا ہو اور ضعیف و ناتواں ہونے کے باوصف جس کا سینہ حرارتِ ایمانی سے گرم ہو اور وہ اس کی حفاظت کے لیے بے قرار ہو، ہم اسے ہی ہدفِ تنقید بنانے لگ جائیں؟ کیا یہ لوگ یہودی، عیسائی، مجوسی یا ہندو ہیں کہ ملتِ اسلامیہ کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے ہیں؟ مسلمانوں کی شان تو کبھی یہ تھی کہ اگر کوئی بطور مذاق بھی جہاد کا نام لیتا تو ان کے دل گلِ تازہ کی طرح کھل جاتے اور سنبل و ریحاں کی طرح شاداب نظر آتے تھے اگر کہیں دور دراز سے بھی ان غیور مسلمانوں کے کانوں میں جہاد کی آواز پڑتی تو وہ دشت و دریا کی پرواہ کیے بغیر معرکۂ کارزار میں دیوانہ وار پہنچتے اور اس قدر برق رفتاری کے ساتھ پہنچتے کہ معلوم ہوتا کہ یہ چل کر نہیں بلکہ شہباز کی طرح اڑ کر آئے ہیں۔ باقی رہا بیعت سے منحرف ہونے والوں کا مسئلہ تو اس پر بحث کی چنداں حاجت نہیں کیونکہ بیعت سے انحراف کا گناہ انہیں ہو گا امام صاحب کی امامت کو اس سے کیا نقصان لاحق ہو سکتا ہے؟ نوکروں چاکروں کی بے وفائی یا صوبیداروں اور دیگر عہدیداروں کی غداری سے بادشاہ کی بادشاہت تو ختم نہیں ہو جاتی؟

کس کے خلاف جہاد

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مجاہدینِ اسلام کس کے خلاف برسرِ پیکار ہونا چاہتے تھے یعنی صرف سکھوں سے لڑنا چاہتے تھے جیسا کہ مدت سے سمجھا اور سمجھایا جا رہا ہے یا انگریزوں سے جہاد کرنا بھی ان کے پروگرام میں شامل تھا؟ بعض اصحاب سے سہو ہو گیا ہے، کچھ غلط فہمی کا شکار ہو گئے، بعض نے مصلحتوں کے پیشِ نظر اور کچھ نے اپنے مخفی جذبات کی تسکین کے لیے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ یہ غازیانِ اسلام صرف اور صرف سکھوں سے لڑنا چاہتے تھے انگریزوں کے خلاف جہاد ان کا مقصود

تھا چنانچہ مولانا محمد جعفر تھانیسریؒ مؤلف "سوانح احمدی" کے حوالے سے سید احمد صاحبؒ کے متعلق لکھتے ہیں۔

> "ایام طفولیت سے آپ کی طبیعت اور جبلت میں شوق و ذوق اعلائے کلمۃ اللہ اور انطفائے نائرہ کفر و بدعت کا بھرا ہوا تھا اس واسطے ہر گھڑی اور ہر ساعت جہاد اور قتل و قتال کفار کا ارادہ کرتے رہتے تھے ان حالات کی موجودگی میں کہ انگریزی سرکار کافر تھی مگر اس کی مسلمان رعایا کی آزادی اور سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کو مانع تھیں اس لیے آپ نے فیصلہ فرمایا کہ سکھ قوم پنجاب پر جو ضلالت و ظلم اور اہانات شریعت کی حارج اور مانع تھی جہاد کیا جائے۔"

اسی طرح ایک اور مقام پر امام محمد اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کے متعلق لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ کلکتہ میں وعظ فرما رہے تھے کہ دوران وعظ آپ نے جہاد کا بھی ذکر فرمایا تو سامعین میں سے کسی نے پوچھا کہ سرکار انگریزی کے خلاف جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ تو امام صاحبؒ نے جواب دیا:۔

> "ایسی بے ریا اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں ہے اس وقت پنجاب کے سکھوں کا ظلم اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ ان پر جہاد کیا جائے۔"

پھر لکھتے ہیں:۔

> "یہ بھی ایک صحیح روایت ہے کہ جب آپ (یعنی سید احمد صاحبؒ) سکھوں سے جہاد کرنے کو تشریف لے جاتے تھے کسی شخص نے آپ سے پوچھا کہ آپ اتنی دور سکھوں پر جہاد کرنے کیوں جاتے ہو انگریز جو اس ملک پر حاکم ہیں۔ دین اسلام سے کیا منکر نہیں ہیں؟ گھر کے گھر میں ان سے جہاد کر کے ملک ہندوستان لے لو۔ یہاں لاکھوں آدمی آپ کے شریک اور مددگار ہو جائیں گے۔ سید صاحب نے جواب دیا

> کہ کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت نہیں کرنا چاہتے۔ سکھوں سے جہاد کرنے کی صرف یہی وجہ ہے کہ وہ ہمارے برادرانِ اسلام پر ظلم کرتے اور اذان وغیرہ فرائض مذہبی کے ادا کرنے کے مزاحم ہوتے ہیں اگر سکھ اب یا ہمارے غلبے کے بعد ان حرکاتِ مستوجبِ جہاد سے باز آجائیں گے تو ہم کو ان سے بھی لڑنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ سرکارِ انگریزی گو منکرِ اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم اور تعدّی نہیں کرتی اور نہ ان کو عبادتِ لازمی سے روکتی ہے ہم ان کے ملک میں اعلانیہ وعظ کہتے اور ترویجِ مذہب کرتے ہیں وہ کبھی مانع اور مزاحم نہیں ہوتی۔ بلکہ ہم پر کوئی زیادتی کرتا ہے تو اس کو سزا دینے کو تیّار ہے۔ ہمارا اصل کام اشاعتِ توحیدِ الٰہی اور احیاءِ سننِ سیّد المرسلین ﷺ ہے، سو ہم بلا روک ٹوک اس ملک میں کرتے ہیں پھر ہم سرکارِ انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں[18]۔"

یہ سب افسانہ طرازیاں ہیں جن کا حقائق سے دُور کا واسطہ بھی نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جہاد سکھوں اور انگریزوں دونوں کے خلاف تھا، چنانچہ پروگرام یہ بنایا گیا کہ پہلے سکھوں کا خاتمہ کیا جائے اور پھر انگریزوں سے نپٹا جائے لیکن افسوس کہ سکھّوں کے ساتھ معرکہ آرائی کے دوران ہی بالاکوٹ کا حادثہ فاجعہ پیش آگیا اور انگریزوں سے ہاتھ دو چار کرنے کی نوبت ہی نہ آسکی۔ ہمارے مسلمانوں سے تو انگریز مُصنّف ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر نے ہی تحریک کے مقصد کو زیادہ درست سمجھا جیسا کہ اس کی کتاب OUR INDIAN MUSLAMAN" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے اگرچہ اس میں بہت سے اُمور خلافِ واقعہ ہیں اور پھر مجاہدین کے خلاف جو الزامات لگائے گئے ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں تاہم اس تحریک کے مقاصد کو اس نے صحیح سمجھا ہے اسی طرح ایچ، ڈبلیو، بیلیو (لاہور ۱۸۶۴ء) . . . . یوسف زئیوں پر اپنی رپورٹ میں سیّد احمدؒ کے بارے میں لکھتا ہے :-

۔ یہ شخص کوئی اور نہ تھا بلکہ میر سید احمد بریلوی ہی تھا۔ جو ان
علاقوں میں سید بادشاہ کے نام سے معروف تھا۔۔۔۔۔۔۔ جس
کا کردار ایک مختصر عرصے تک کامیاب رہا جب کہ وہ مختلف چھوٹی
سنی مسلم حکومتوں کے حکمرانوں اور والیوں کو اکسایا کرتا تھا کہ اس کے
جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں جو اسلامی سلطنت کے دوبارہ
قیام کے لیے اور جدید زمانے کے ہند کو کفار انگریزوں اور سکھوں سے
آزاد کرانے کے لیے بلند کیا گیا ہے۔

ایک اور مصنف مرجوریہ سولہویں صدی کی روشنیہ تحریک کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز
ہے:۔

"روشنیہ کا سربراہ بایزید پیر روشن[۱۹] اور اس کے متبعین اکبر کے
حق میں دہریہ ہو گئے تھے جو وہابی سکھوں کے حق میں اور منہ تعالی
مذہبی دیوانے برطانوی حکومت کے حق میں ہو گئے تھے:

یہی مصنف ایک دوسرے مقام پر یوں رائے زنی کرتا ہے:۔

۔ بایں ہمہ سید احمد کے جانشینوں نے جو فرار ہو یا میدان چھوڑ گئے تھیں
۔۔۔۔ وہ برطانوی حکومت کو ورثہ میں ملیں۔ پنجاب کے ساتھ
انہیں جو مشکلات ملیں ان میں شاید یہ سب سے زیادہ دردِ سر
کا باعث تھے۔

سکھوں کا مشہور مورخ کنگھم جو سید احمد کے نسبتی بھائی اور رفیق خاص سے ذاتی
تعلقات رکھتا تھا، یہ معنی خیز فقرے لکھتا ہے۔

۔ چار سال کی غیر حاضری کے بعد وہ دہلی لوٹے اور مسلمانوں سے
کہا کہ کافروں کے خلاف جنگ میں ان کی متابعت کریں۔ اس کے
نتیجہ سے ایسا ظاہر ہوا کہ کافروں سے ان کی مراد صرف سکھ ہیں
لیکن واقعی مراد صحیح طور پر کبھی نہ کھلی۔[۲۰]

ان مذکورہ اقتباسات کو دوبارہ بغور مطالعہ فرمائیے تو یہ حقیقت آپ پر واضح ہو جائے گی کہ ہمارے مسلمانوں[۲۱] کی نسبت تو ان انگریز مصنفین ہی نے تحریک کے مقصد کو زیادہ صحیح سمجھا ہے اور انہوں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے تحریک کے انگریز دشمن ہونے کا ہی اظہار کیا ہے۔

سب سے پہلے شخص سرسید احمد خاں ہیں جنہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یہ جہاد انگریزوں کے نہیں بلکہ صرف سکھوں کے خلاف تھا ہنٹر کی مذکورہ کتاب شائع ہو کے جب بازار میں آئی تو سرسید نے اس کے الزامات و اتہامات کے جواب میں ایک سلسلۂ مضامین لکھا جو کہ اخبار "پایونیر" کی متعدد اشاعتوں میں قسط وار چھپتا رہا، اس میں سرسید نے لکھا تھا کہ سید صاحبؒ اور مجاہدین صرف سکھوں سے لڑنا چاہتے تھے، انگریزوں سے لڑنا ان کے پروگرام میں شامل نہ تھا[۲۲]۔

بات در اصل یہ تھی کہ انگریزی حکومت نے تحریکِ جہاد کو کچلنے کے لیے جب اپنی پوری طاقت صرف کر دی، مجاہدین پر بے شمار مظالم ڈھائے اور انہیں آلام و مصائب کا تختۂ مشق بنانے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا تو وہابیوں پر انگریزوں کے ان مظالم کو دیکھ کر سرسید بے حد متاثر ہوئے اس لیے وہ چاہتے تھے کہ اس تحریک کو اب ختم ہونا چاہیئے تاکہ یہ مظلوم بھی امن، چین اور سکون کا سانس لے سکیں اسی جذبہ کے تحت انہوں نے ہنٹر کی کتاب پر تنقید لکھی اور اپنے تئیں وہابی کہتے ہوئے دیگر تمام وہابیوں کو بھی انگریزی گورنمنٹ کا وفادار ثابت کرنے کی کوشش حالانکہ وہ وہابی نہ تھے بلکہ عقائد و نظریات میں آزاد منش تھے وہ تو صرف ان روح فرسا مظالم کو دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے اور انہوں نے محض انسانی ہمدردی کے پیشِ نظر ان مظالم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی کہ یہ ان کی انسانی شرافت تھی۔ افکار و عقائد کے اعتبار سے وہابیت سے ان کی دوری کا اندازہ تو اس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے خلاف جس قدر وہابی علماء نے لکھا شاید ہی کسی نے لکھا ہو حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی[۲۳]ؒ کا "اشاعۃ السنہ" ان کے غلط افکار و نظریات کی تردید میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتا تھا بلکہ فروری ۱۸۷۹ء کے بعد

ترکمانی اور پیر بنانے کا رخ سرسید کی طرف موڑ دیا اور ان کا نیچریت و چشتیت جیسے مذہب بیزار تحریک پر مشتمل ہوتا تھا۔ اسی طرح حضرت مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری بھی ان کے خلاف کتاب و سنت عقائد و افکار پر بھرپور تنقید فرماتے رہتے تھے۔

یہ تو سرسید مرحوم کی شرافت اور معاملہ فہمی تھی کہ وہ ان مظلوموں پر ڈھائے جانے والے ظلم و ستم کو دیکھ کر بڑی جرأت و جسارت کے ساتھ سراپا احتجاج بن گئے اور اس سے انگریز بھی متاثر ہوئے۔

سرسید مرحوم کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ یہ مظلوم بھی صرف اسی صورت میں امن، چین اور سکون کے ساتھ زندگی بسر کر سکتے ہیں کہ یہ بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح انگریزی حکومت کو اپنی کامل وفاداری کا یقین دلا دیں۔ اسی وجہ سے انہوں نے ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب پر تنقید بھی کی اور ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یہ جہاد انگریزوں کے نہیں سکھوں کے خلاف تھا اور اس سے قبل سرسید احمد خان ۱۸۵۷ء کے بعد "اسباب بغاوت ہند" لکھ کر بڑا کارنامہ انجام دے چکے تھے اس میں انہوں نے حالات و مظلوموں کو قریب سے قریب تر لانے کی جو کوشش کی تھی اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے چنانچہ ۱۸۷۰ء میں اہل حدیث کے سوا مسلمانوں کے دیگر تمام فرقوں نے انگریزی حکومت کو اپنی مکمل وفاداری کا یقین دلا دیا تھا۔ چنانچہ مشہور حنفی عالم مولانا کرامت علی صاحب جونپوری کے متعلق مولانا مسعود عالم ندوی کے حوالے سے اس سے قبل کچھ تفصیلی نوٹ میں ذکر کر آئے ہیں کہ وہ انگریزی حکومت کے مؤید اور وہابیوں کے مخالف تھے اور یہ حضرت کا اعتراف ہے۔ یہاں ہم ڈاکٹر ہنٹر کو بتا دیں اور اس کے بعد تمام فتووں کے پیش نظر جو ۱۸۷۰ء میں بھی درج کر دیا تھا اور پھر اس میں ان کے صاحبزادے مولوی عبد الاول اور حافظ احمد حسن صاحب کی وفاداری کی بھی تصدیق تھی نیز مولانا جونپوری صاحب نے انگریزی حکومت کی موافقت میں جہاد کے خلاف فتویٰ بھی دے دیا تھا۔ جیسا کہ انہوں نے کلکتہ کی محمڈن لٹریری سوسائٹی کے زیر اہتمام ۲۳ نومبر ۱۸۷۰ء کو ایک لیکچر دیا تھا جس میں انہوں نے بیان کیا کہ گورنمنٹ کے خلاف جہاد حرام ہے اسی لیکچر کو بعد میں کتابی صورت میں شائع کیا گیا تھا اور اس میں دیگر متعدد حنفی علماء نے تائید کی

کو بھی درج کر دیا گیا تاکہ گورنمنٹ برطانیہ پر واضح ہو جائے کہ تمام جلیل القدر حنفی علماء اس کے حق میں ہیں۔ انگریزوں کو اس سے بڑی خوشی ہوئی۔ چنانچہ ہنٹر نے بڑے فخر سے لکھا ہے۔

> یہ بڑا ہی مبارک واقعہ ہے کہ اس ضلع (جونپور) سے
> ہندوستان کے سب سے بڑے مسلمان بادشاہ (اکبر) کے خلاف
> بغاوت کا فتویٰ شائع ہوا تھا، اسی نے ایک ایسا عالم (مولوی
> کرامت علی) بھی پیدا کر دیا جس کا فتویٰ انگریزی حکومت کے
> خلاف بغاوت کرنے سے منع کرتا ہے[۲۰]۔

اس کے علاوہ ہنٹر نے اس کتاب میں جن علماء کرام کا فتویٰ درج کیا ہے وہ یہ حضرات ہیں: مولانا عبدالحی لکھنوی، مولانا محمد علی لکھنوی، مولانا فیض اللہ لکھنوی، مولانا محمد نعیم لکھنوی، مولانا رحمت اللہ لکھنوی، مولانا قطب الدین لکھنوی، مفتی سعد اللہ لکھنوی، مولانا لطیف اللہ رامپوری، مولانا غلام علی رامپوری[۲۱]

اسی طرح شیعہ حضرات نے بھی جہاد کی مخالفت کی اور انگریزوں کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا چنانچہ ڈاکٹر ہنٹر نے اس وقت کے مسلمانوں کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسلمانوں کا ایک اہم فرقہ شیعہ سب کا سب انگریزوں کو اپنی کامل وفاداری کا یقین دلانے میں پیش پیش تھا اگرچہ یہ فرقہ کسی وقت بھی انگریزوں کے نزدیک مشکوک نہیں رہا تھا چنانچہ اس کی طرف سے فارسی زبان میں ایک رسالہ شائع ہوا جس میں جہاد کی مخالفت اور گورنمنٹ کے ساتھ پوری وفاداری کا اعلان تھا۔ شیعہ کی طرف سے اس فتویٰ کا اعلان پر ہنٹر نے اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کیے ہیں۔

> بغاوت کے غیر ضروری ہونے پر ان کا اعلان بغیر کسی دباؤ کے
> واقع ہوا اور یہ بات نہایت ہی خوب ہے کہ ایسا اعلان باضابطہ
> طور پر تحریر ہو گیا۔ اس پر تیئیس مقتدر اور قابل عزت شیعہ علماء
> کی مہریں ثبت ہیں اور یہ پورا فرقہ اس پر ہمیشہ عمل کرنے کے لیے

مجبور ہے۔ اس قسم کے باقاعدہ وعدوں کے بغیر بھی وہ تہ دل سے
وفادار رہیں گے[۴۲]

ہم ذکر کر رہے تھے کہ مسلک اہلحدیث کے سوا مسلمانوں کے کئی مکاتب فکر فتاویٰ شائع کر کے حکومت کو اپنی وفاداری کا یقین دلا چکے تھے اور سرسید کا خیال تھا کہ اب مجاہدین کو بھی ایسا ہی طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے۔ انہی دنوں ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر نے بڑی تند و تیز اور تلخ کتاب "OUR INDIAN MUSALMANS" (جس کا ہم پیچھے بھی ذکر کر آئے ہیں) لکھی جس نے انگریزی حکومت کے غیظ و غضب کی جلتی ہوئی آگ پر تیل کا کام کیا۔ اس لیے انہوں نے مجاہدین پر مظالم میں اور زیادہ سختی کر دی اندریں صورت حال سرسید نے اس کتاب پر تنقید لکھی لیکن برصغیر پاک و ہند کی تاریخ پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ اس تنقید کا فریقین (انگریزی حکومت اور مجاہدین) پر کیا اثر ہوا اور دونوں کس قدر ایک دوسرے کے قریب ہوئے۔ کیا حکومت کے رویہ میں فرق آیا؟ کیا مجاہدین اپنے موقف سے دستبردار ہوئے؟ اس سے کچھ خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے یا نہ ہوئے لیکن اس میں کلام نہیں کہ سرسید احمد خانؒ نے یہ سب کچھ اخلاص، ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبہ سے کیا۔ اس تمام داستان سرائی کا مقصد یہ ہے کہ یہ تھے وہ حالات جن کے پیش نظر سرسید نے کوشش کی کہ جہاد کے رخ کو انگریزوں کے بجائے سکھوں کی طرف پھیر دیا جائے۔

دوسرے بزرگ مولانا محمد جعفر صاحب تھانیسری ہیں جنہوں نے جہاد کا رخ انگریزوں کے بجائے صرف سکھوں کی طرف بتایا ہے۔ مولانا موصوف سید صاحبؒ اور حضرت امام صاحبؒ کے ساتھ خاص عقیدت رکھتے تھے اور تحریک کے نہایت سرگرم کارکن تھے اسی وجہ سے آپ کو بے پناہ آلام و مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ نے جان و مال کی قربانیاں پیش کر کے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ کر دی۔ معرکہ انبالہ کے بعد ۱۸۶۴ء میں بغاوت اور سازش کے الزام میں آپ پر مقدمہ چلایا گیا، منقولہ و غیر منقولہ جائیداد ضبط کر لی گئی، جس میں دوام بعبور دریائے شور کی سزا دی گئی اور آپ نے عمر عزیز کی قریباً اٹھارہ بہاریں کالا پانی میں بسر کیں۔ ہر رنگ ظلم و استبداد کے مقابلہ میں آپ استقامت کا پہاڑ بن کر ڈٹے رہے اور بڑی ہمت سے

> بڑی سزا بھی آپ کے پایۂ استقلال میں قطعاً جنبش پیدا نہ کر سکی[۲۸] مگر افسوس کہ با ایں ہمہ آپ تحریک کے مقصد کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکے ۔

علاوہ ازیں ایک اور توجیہہ بھی کی جا سکتی ہے، جو زیادہ قرین قیاس ہے اور وہ یہ کہ مولانا تھانیسریؒ مرحوم نے "سوانح احمدی" (نئے ایڈیشن کا نام حیاتِ سید احمد شہید) کو اس وقت لکھا جب انگریز مجاہدین کی مخالفت میں جنون کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ اور تحریکِ جہاد انتہائی مقہور تھی حتیٰ کہ مجاہدین کو دار و رسن اور قید و بند کی ایسی ایسی لرزہ خیز صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ جن کے تصور ہی سے ۔ [illegible] کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ انگریز کی انتہائی کوشش تھی کہ تحریک کو مکمل طور پر کچل دیا جائے اور مجاہدین کو صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا جائے۔ ایسے نازک ترین لمحات میں مولانا تھانیسریؒ مرحوم نے تحریک کی سرگزشت کو زیورِ طباعت سے آراستہ کر کے منصۂ شہود پر جلوہ گر کرنے کا عزم کر لیا۔ مبادا کہ اس مقدس تحریک اور برصغیر پاک و ہند کی تاریخِ اسلام کے سب سے زیادہ درخشاں باب کے حالات طاقِ نسیاں کی زینت ہو جائیں۔ اس وقت یہ حالات و کوائف مستند روایات کی صورت میں محفوظ تھے جن کا مولانا تھانیسریؒ اور تحریک سے وابستہ کئی دیگر بزرگوں کو عرفی تواتر کی حیثیت سے علم تھا یا غیر مطبوعہ مکاتیب و مخطوطات تھے جو عقیدت مندوں کے پاس موجود تھے۔ مولانا مرحوم ایسے دور اندیش، ہمدرد اور سراپا خلوص انسان کے لیے عجب مخمصہ کا عالم تھا اگر آپ حقائق کو من و عن، بلا کم و کاست بیان کرتے تو پھر سے قید و بند کی تنہائیاں اور زنجیر و سلاسل کی سختیاں چشم براہ تھیں مگر ان سے تو آپ قطعاً خائف نہ تھے لیکن اس بات کا زبردست امکان تھا کہ حکومت ان کی اشاعت میں رکاوٹ ڈال دے گی یا تمام مواد ضبط کر کے اپنے قبضہ میں کر لے گی اور یہ ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہوتا۔ اس لیے مولانا مرحوم نے حالات کے ان تقاضوں کے پیشِ نظر، جہاں تک ممکن ہوا واقعات میں لچک پیدا کر کے حکومت کی دستبرد سے اسے محفوظ کرنے کی کوشش کی تا کہ جس قدر ممکن ہو اس مقدس تحریک کے کوائف ضبطِ تحریر میں آ جائیں بنا بریں اس سلسلہ میں آپ سے کچھ فروگزاشتیں ہو گئیں۔ غرضیکہ اس صورتِ حال میں آپ نے "سوانح" لکھی اور فروگزاشتوں کے سلسلہ میں آپ معذور رہے۔

پیام شاہجہان پوری نے اپنی کتاب "شہادت گاہ بالاکوٹ" میں مولانا تھانیسریؒ کے ان بے تحاشا مصائب کو مقدمہ بنا کر نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ جو انسان اتنے بڑے مصائب میں ثابت قدم رہا وہ اب ایسے مصلحت کا شکار ہو سکتا تھا لہٰذا ان کا موقف صحیح ہے کہ جہاد انگریزوں کے نہیں بلکہ سکھوں ہی کے خلاف تھا۔

میرا خیال ہے کہ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ پیام صاحب پیش نظر کے ان حالات سے بے خبر ہیں جنہیں راقم نے بیان کیا ہے۔ البتہ مجھے شبہ ہے کہ ان کی قادیانی ذہنیت یہاں کارفرما ہے کہ مولویوں کی طرح مرزائی اس بات کو قطعاً برداشت ہی نہیں کر سکتے کہ ان کے مربی و محسن انگریز بہادر سے کوئی بھی برسرپیکار رہا ہو اور یہ مولویوں نہ اس سبب کہ خود مرزا احمد قادیانی نے ۲۱ اپنے آپ کو انگریز کا خود کاشتہ پودا تسلیم کیا ہے۔ اور اپنے کو گورنمنٹ کی خیرخواہی اور تائید میں لگا دینے بے نظیر و بے مثیل اور انگریزی گورنمنٹ کے لیے بطور تعویذ اور سینہ سپر قلعہ کے قرار دیا ہے اور خود اپنی اور اپنی جماعت کے لیے سلطنت برطانیہ کو اپنی جائے پناہ تسلیم کیا ہے۔ یہ مرزا غلام احمد ہی تھا جس نے جہاد جیسے مقدس فریضہ کو انگریزی حمایت میں آ کر حرام اور منسوخ قرار دے دیا اور انگریز سے دشمنی رکھنے والوں کو حکومت کا باغی، نافہم، احمق، دشمن خدا، شریر، بدذات، نادان، حرامی، بدکار، نالائق، ظالم، چور، قزاق، ڈاکو، درندہ حضرت کی زبان فیض ترجمان اور ذریۃ البغایا جیسی غیر شرعی زبان ملاحظہ فرمایئے اور نامعقولوں کی خطابات سے نوازا ہے اور یہ آنجہانی وہی تھا جس نے انگریزی گورنمنٹ کی حمایت و وفاداری میں پچاس ہزار کے قریب کتابیں رسائل اور اشتہارات تالیف و طبع کرنے کا دعویٰ کیا ۲۲ اور کہا کہ یہ تحریریں وغیرہ اگر جمع کیا جائے تو اس سے پچاس الماریاں بھر سکتی ہیں ۲۳۔

جب کبھی بھی انگریزوں اور مسلمانوں میں کوئی تصادم ہوا تو امت مرزائیہ نے مسلمانوں کے مقابلے انگریزوں کی تائید و حمایت کی اور ان کی فتح و نصرت کے لیے دعائیں مانگیں بلکہ یہ تو مسلمانوں کی شکست اور انگریزوں کی فتح پر جشن منانے میں وہ ذرہ برابر بھی شرم و حیا محسوس نہیں کرتے۔ سنہ ۱۹۱۸ء کی جنگ عظیم اول میں ترکوں کو شکست ہوئی تو اس پر قادیانی امت کا تبصرہ درج ذیل تھا۔

> "حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں .... کہ گورنمنٹ میری تلوار ہے پھر ہم احمدیوں کو اس فتح پر کیوں خوشی نہ ہو۔ عراق، عرب ہو یا شام، ہم ہر جگہ اپنی تلوار کی چمک دیکھنا چاہتے ہیں ...... دراصل اس کے محرک خدا تعالیٰ کے وہ فرشتے تھے جن کو گورنمنٹ کی مدد کے لیے خدا نے اتارا تھا۔" [۲۴]

اسی طرح ۲۸ نومبر ۱۹۱۸ء کو ترکوں کو جب مکمل طور پر شکست سے دوچار ہونا پڑا تو امت مرزائیہ نے قادیان میں جشن منایا زبردست چراغاں کیا اور گھی کے چراغ جلائے اور اس موقع پر الفضل نے لکھا۔

> "یہ برٹش سلطنت اور حضرت انگریز کا نظارہ بہت موثر اور خوش نما تھا جس سے احمدیہ جماعت کی اس عقیدت پر خوب روشنی پڑتی ہے جو اسے گورنمنٹ برطانیہ سے ہے۔" [۲۵]

مرزا جی تو انگریز سامراج کے لیے مخبری کیا کرتے رہتے تھے۔ یہی کام ان کا منصب نبوت میں شامل تھا لیکن ان تمام امور پر حیران ہونے کی کوئی ضرورت نہیں بھلا جس نبی نے اپنی بعثت کا مقصد ہی انگریزوں کی تائید و حمایت بتایا ہو اس کے ان کارناموں پر تعجب کیوں ہو۔ مرزا جی کے ترجمان نے لکھا ہے۔

> "اس نے مجھے اپنے قدیم وعدے کے موافق ...... آسمان سے بھیجا تا میں ...... حضور ملکہ معظمہ وکٹوریہ کے نیک اور بابرکت مقاصد کی اعانت میں مشغول ہوں۔ اللہ نے مجھے بے انتہا برکتوں کے ساتھ بھیجا اور اپنا مسیح بنایا تا وہ ملکہ معظمہ وکٹوریہ کے پاک اغراض کو خود آسمان سے مدد دے۔" [۲۶]

جب قادیانی مرزا جی نے اپنی بعثت کا مقصد ہی انگریزوں کی تائید و حمایت بتایا اور ان کا اور امت مرزائیہ کا کردار کیا ہے جس کی ادنیٰ سی جھلک ان مذکورہ سطور سے معلوم ہو سکتی ہے تو پیام صاحب کو جو امت مرزائیہ کے ایک فرد ہیں ہم مجبور سمجھتے ہیں۔ لیکن ایمان کے

کے ساتھ اگر خدا تعالیٰ نے ان سے کسی طور پر عقل بھی سلب نہیں کر لی۔ تو انہیں غور کرنا چاہیے کہ انبالہ کیس میں مولانا تھانیسری کو عمر قید بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی۔ کیا یہ مقدمہ رنجیت سنگھ کی عدالت میں پیش ہوا تھا؟ مولانا موصوف کو یہ سزا کس نے دی؟ مولانا نے اس کیس کی تفصیلات تاریخ عجیبہ المعروف بہ کالا پانی کے نام سے شائع کی ہیں جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کیس انگریزی گورنمنٹ نے مرتب کیا تھا اور جس قدر ممکن تھا زیادہ سے زیادہ سخت انتقامی سزائیں دیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب تحریک انگریزوں کے خلاف نہ تھی تو پھر کیس کیا اور انتقامی سزائیں کیوں؟

سید صاحبؒ کا موقف

یہ بات اس قدر پیچیدہ اور الجھی ہوئی نہیں ہے جتنا اسے الجھا دیا گیا ہے۔ سیدھی سی بات ہے ہم تحریک جہاد کے امیر حضرت سید صاحبؒ سے پوچھتے ہیں کہ حضرت آپ کا موقف کیا تھا؟ آپ صرف سکھوں کے خلاف جہاد کرنا چاہتے تھے یا انگریزوں کے بھی؟ چنانچہ آپ کے ملفوظات، اعلانات اور مکتوبات کی روشنی میں آپ کا جو موقف واضح طور پر سامنے آتا ہے وہ یہ ہے۔

ہر گاہ بلاد اسلام در دست کفار لئام افتد	جب اسلامی بلاد پر کافر مسلط ہو جائیں تو عام
بر جمیع اہل اسلام علی العموم و بر جمیع حکام بالخصوص	مسلمانوں پر عموماً اور شاہی حکام پر خصوصاً واجب
واجب و فرض گردد کہ در سعی و کوشش در	ہو جاتا ہے کہ ان کافروں کے خلاف ڈٹ کر
مقابلہ و مقاتلہ آنہا بجا آرند تا آں بلاد را	جنگ کریں اور لڑیں۔ یہ سعی و کوشش جاری رکھیں
باز از قبضۂ ایشاں برآرند والا آحاد ناس گنہگار	جب تک اسلامی بلاد انکے قبضہ سے واپس نہ لے لیے جائیں ورنہ
می شوند و اعمال ایشاں از درجۂ قبول مردود	مسلمان گنہگار ہوتے رہیں گے۔ اعمال برباد ہو جاتے ہیں اور عمل قبول نہ
می گردند و از ساحت قرب مطرود	ہوں گے اور وہ قرب حق کی برکت سے محروم رہیں گے۔

.. اگر سید صاحب کے فلسفہ جہاد کی بنیادی اصل یہی تھی تو کیا عالمگیر اعظم کی وسیع سلطنت کا صرف وہی حصہ مسلمانوں کے قبضے سے نکل کر غیر مسلموں کے قبضے میں گیا تھا۔ جو دریائے ستلج اور دریائے سندھ کے درمیان تھا اور جس پر رنجیت سنگھ حکمران تھا؟ کیا باقی پورے ملک پر مسلمان بدستور فرمانروا تھے؟ اس کا جواب ہر شخص نفی میں دے گا۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اہم ترین علاقے پہ بالواسطہ یا بلاواسطہ انگریز مسلط تھے اور انہوں نے سب کچھ یا تو مسلمانوں سے چھینا تھا یا ان لوگوں سے لیا

تھا جو کچھ مدت پیشتر مسلمانوں سے چھین چکے تھے یہ تمام علاقے بے شائبہ ریب "بلاد اسلام" تھے۔ پھر کتنے تعجب کی بات ہے کہ اس واضح اساس عمل کے ہوتے ہوئے سمجھا گیا اور سمجھایا گیا کہ سید صاحبؒ صرف سکھوں سے لڑنا چاہتے تھے۔[۳۸]

یہ اقتباس مولانا غلام رسول مہر مرحوم کی شہرۂ آفاق تصنیف "سید احمد شہید" سے نقل کیا گیا ہے اسے اور اس کے ماقبل و بعد کا بالغور مطالعہ فرمایئے اور پھر خدارا انصاف سے کہیئے کہ پیام شاہجہانپوری کا یہ لکھنا کہاں تک مبنی بر حق و صداقت ہے کہ :-

> مولانا غلام رسول مہر راقم الحروف کے ذاتی مہربان اور اس کے لیے بے حد قابلِ احترام ہیں موصوف بھی ان اصحاب میں شامل ہیں جن کا خیال ہے کہ حضرت سید صاحبؒ کا رُخِ جہاد انگریزوں کی طرف تھا بلاشُبہ مولانا نے بڑی قابلیت سے اپنا موقف درست ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ایک کمزور اور بے جان مقدمہ کو دنیا کا قابل سے قابل وکیل بھی نہیں جیت سکتا یہی صورت اس معاملے کی ہے مولانا کی قابلیت اور تبحرِ علمی سے انکار گناہ ہے لیکن انہوں نے جس مقدمہ کی پیروی کی ہے وہ مقدمہ ہی بے جان ہے اس لیے ان کے علم و فضل پر ہرگز کوئی حرف نہیں آتا۔ یہ وہ مشین ہے جس کی کوئی کل سیدھی نہیں جس کا کوئی پرزہ درست نہیں اس کی مثال وہی ہے کہ اگر سر چھپاؤ تو پیر کھل جاتے ہیں اور اگر پیر چھپاؤ تو سر کھل جاتا ہے۔ مولانا مہر نے سید صاحبؒ کے جہاد کا رُخ انگریزوں کی طرف ثابت کرنے میں اپنی تمام قابلیت صرف کر دی مگر چونکہ یہ مقدمہ ہی کمزور تھا اس لیے اس کی کمزوریاں چھپ نہ سکیں۔[۳۹]

پیام صاحب یہاں دجل و تلبیس کی انتہا کر رہے ہیں حضرت مہر مرحوم کی تعریف کر کے یہ باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ان کے دل میں حضرت مرحوم کا بڑا احترام ہے لیکن درحقیقت یہ ان کی تعریف نہیں بلکہ زبردست تنقیص کر رہے ہیں۔ پیام صاحب غالباً یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مولانا

مہر مرحوم کو گویا معلوم ہو چکا تھا کہ یہ مقدمہ کمزور اور بے جان ہے یہ تو انہی ایام میں ہو لے حالانکہ سید صاحبؒ کے تذکرہ میں مکتوب ہے۔ اور جس پر مولانا مہر مرحوم کے تبصرہ کو پڑھ لینے کے بعد کوئی کچھ بھی سمجھ رکھنے والا انسان بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ مہر صاحبؒ ایک کمزور اور بے جان مقدمہ کی پیروی کر رہے ہیں یا ایک مضبوط اور جاندار مقدمہ۔ ان کے پیش نظر ہے اگر یہ مقدمہ کمزور ہوتا تو حضرت مہر ایسا عالم و فاضل جن کے علم و فضل، تبحر علمی اور ثقاہت کا ہر صاحب کو بھی اعتراف ہے اس کی پیروی کیوں کرتا؟ یہ مقدمہ ــ جس کی ایک شق اس وقت زیر بحث ہے۔ اس قدر مضبوط اور قوی تھا کہ حضرت مہر مرحوم نے جس پر تقریباً دو ہزار صفحات ــ سید احمد شہید، جماعت مجاہدین، سرگزشت مجاہدین ــ میں اس قدر احسن پیرایہ بیان میں لکھا ہے کہ زیادہ تحقیق کر اٹھا اور اس نے حضرت مرحوم پر تحسین و آفرین کے پھول نچھاور کیے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے دریا صاحب اپنے ہی کے طرز تحریر کو بتلانے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ مرزا جی کا بھی یہی اسلوب تھا کہ پہلے ایک انسان کی تعریف کرتا تاکہ لوگ مطمئن ہو جائیں اور پھر اپنا مطلب برآری کے لیے نشتر لگاتا۔ مزید وضاحت کے لیے ہم ایک مثال بھی عرض کر دیتے ہیں مرزا غلام احمد قادیانی ایک مقام پر لکھتا ہے:

> ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست اور فہم تمام امت کی
> مجموعی فراست اور فہم سے زیادہ ہے بلکہ اگر ہمارے کمال علمی کے
> جوش میں نہ آئیں تو میرا یہ مذہب ہے جس کو دلیل کے ساتھ پیش
> کر سکتا ہوں کہ تمام نبیوں کی فراست اور فہم آپ کی فہم و فراست کے
> برابر نہیں ہے

آخری عبارت پڑھنے کے بعد ایک سادہ لوح مسلمان ششدر رہ جاتا ہے اور وہ خیال کرتا ہے کہ جس نے سید کونین و دنیا و دین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر زد سے حملہ کیا اور آپ کی رو سے ختم نبوت کو چھیننے کی ناپاک جسارت کی اسے آپ کی فہم و فراست سے کیا سروکار ہے لیکن اس کے متصل بعد کی عبارت دیکھیں۔

کہ وہ بھی ان تمام نبیوں کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

خود اقرار کیا ہے کہ میں نے ان کی اصل حقیقت سمجھنے میں غلطی کھائی ہے[۱۴۱] ..... الخ

جب ہم پڑھتے ہیں تو حیرانی ختم ہو جاتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ مرزا جی اپنی خانہ ساز نبوّت کا ڈھونگ رچانے اور اپنی خرافات (بزعمِ خویش پیش گوئیاں، جو جھوٹی ثابت ہوئیں) پر پردہ ڈالنے کے لیے اس قسم کے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں کہ کبھی تو کہہ دیا کہ نبی کو بھی پیشگوئی کی اصل حقیقت معلوم نہیں ہوتی اور کبھی انبیاءِ کرام کی پیش گوئیوں کو معاذ اللہ جھوٹا ثابت کرنے کے لیے من گھڑت قصّے لکھ دیئے۔ الغرض پیام صاحب بھی یہاں اپنے "نبی" کے اسی طرزِ نگارش کا اتباع کر رہے ہیں اور جب تک وہ قادیانیت کی منحوس عینک اتار کر نہیں دیکھیں گے انہیں کبھی نظر نہیں آسکتا کہ مہر مرحوم نے یہ مقدّمہ جیتا ہے یا نہیں؟

سیّد صاحبؒ کے موقف کی مزید وضاحت کے لیے اُن کے مکتوب کا جو انہوں نے شاہِ بُخارا کی طرف ارسال فرمایا اور جس سے کچھ سطور ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں، یہ حصّہ بھی ملاحظہ فرما لیجئے۔

نصاریٰ نکوہیدہ خصال و مشرکینِ بدمآل براکثر بلادِ ہندوستان از لبِ دریائے اباسین تا ساحلِ دریائے شور کہ تخمیناً شش ماہ راہ باشد، تسلّط یافتند و دامِ تشکیک و تزویر بنا بر اخمالِ دینِ ربِ قدیر بر یافتند و تمامی آں اقطار بہ ظلماتِ ظلم و کفر مشحون گردانیدند[۱۴۲]

نصاریٰ و مشرکین ہندوستان کے اکثر بلاد پر دریائے سندھ سے ساحلِ بحر تک قابض ہو گئے ہیں اور یہ چھ ماہ کی مسافت ہے (اگر پیدل چلنا ہو) انہوں نے خدا تعالیٰ کے دین کو ختم کرنے کے لیے تشکیک و تزویر کا جال پھیلا رکھا ہے اور ان تمام علاقوں کو ظلم و کفر کی ظلمتوں سے بھر رکھا ہے۔

یہ تو تسلیم کہ مشرکین سے مراد تو سکھ اور مرہٹے وغیرہ ہو سکتے ہیں لیکن نصاریٰ سے انگریزوں کے سوا کون مُراد ہو سکتا ہے؟ سیّد صاحب شاہِ بخارا کو مزید لکھتے ہیں۔

کفارِ فرنگ کہ بر سرِ ہندوستان تسلّط یافتند نہایت تجربہ کار و ہوشیار و حیلہ باز و مکّار اند۔ اگر بر اہلِ خراسان بیایند بہ سہولت

جو انگریز ہندوستان پر قابض ہوئے ہیں وہ بہت زیادہ تجربہ کار، ہوشیار، حیلہ باز اور مکّار ہیں اگر اہلِ خراسان پر چڑھائی

تمام جمیع بلاد آنجا را بدست آرند
باز حکومت آنجا بولایت این جناب متصل
گردد و اطراف دار الحرب بہ اطراف
دار الاسلام متحد شود۔

کر دیں تو پھر ان کے ملک پر تسلط جمالیں
گے پھر ان کی سلطنت کی حدیں آپ کی حکومت سے
مل جائیں گی اور دار الحرب اور دار الاسلام کے
اطراف متحد ہو جائیں گے۔

اس میں بھی کفار فرنگ سے مراد انگریز ہی ہیں، سکھوں اور مرہٹوں وغیرہ کو تو فرنگ نہیں کہا جاتا اور پھر سید صاحب نے ان کے تجربہ کار، ہوشیار، حیلہ باز اور مکار وغیرہ جو اوصاف بیان کئے ہیں یہ بھی سکھوں کے بجائے انگریزوں میں زیادہ پائے جاتے ہیں۔ سید صاحب نے شاہ محمود درانی بن تیمور شاہ ابن احمد شاہ ابدالی والئ ہرات کو بھی دعوت جہاد دیتے ہوئے اپنے ایک مکتوب میں لکھا تھا:-

اقامت جہاد و ازالۂ بغی و فساد در ہر
زمان و ہر مکان از اہم احکام حضرت
رب العباد است خصوصاً دریں چنیں
زمان کہ وقت شورش اہل کفر و طغیان بہ
حدے رسیدہ کہ تخریب شعائر دین و اتلاف
حکومت سلاطین از دست کفرۂ متمردین و متغلبین
بہ وقوع آمدہ و ایں فتنۂ عظیم تمام بلاد ہند و
سندھ و خراسان را فرا گرفتہ پس دریں صورت
تغافل در مقدمۂ استیصال کفرۂ متمردین و
تساہل در باب سرزنش باغیان مفسدین از
اکبر معاصی و اقبح آثام است۔ بنا بر علیہ
ایں بندۂ درگاہ حضرت الٰہ از وطن مالوف
خود بر خاستہ وارد دیار ہند و سندھ و خراسان
وارد و مسیر شدہ و مومنین آں اقطار و مسلمین آں

جہاد قائم کرنا اور بغی و فساد کو مٹانا ہر
زمانہ اور ہر مقام میں خدا تعالیٰ کا نہایت
اہم حکم رہا ہے خصوصاً اس زمانے میں جب
کہ کافروں اور سرکشوں کی شورش ایسی صورت
اختیار کر چکی ہے کہ سرکشوں اور باغیوں کے
ہاتھوں دینی شعائر بگاڑے جا رہے ہیں اور
مسلمان بادشاہوں کی حکومتوں میں ابتری پیدا کی جا
رہی ہے اور یہ عظیم فتنہ ہند، سندھ اور خراسان
کے علاقوں میں چھا گیا ہے۔ اس صورت میں سرکش
کافروں کی بیخ کنی سے غفلت اور مفسد باغیوں کی
سرزنش سے تساہل بہت بڑا اور قبیح گناہ ہے
اس بنا پر خدا تعالیٰ کی درگاہ کے اس بندے
نے اپنے وطن سے نکل کر ہند و سندھ اور خراسان
کا دورہ کیا اور وہاں کے مومنوں اور

دیار را بہ این معنی ترغیب کردہ[44]

مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی۔

اس مکتوبِ گرامی میں سید صاحبؒ ہند، سندھ اور خراسان میں غیر مسلموں کی سرکشیوں اور بغاوتوں کا ذکر فرما رہے ہیں اور اس میں تو پنجاب کا ذکر تک بھی نہیں جہاں رنجیت سنگھ کی حکومت تھی۔ اس مکتوب میں اگرچہ مولانا جعفر صاحب تھانیسریؒ نے ہند کی بجائے پنجاب کا نام ہی لیا ہے لیکن یہ ترمیم ان کی طرف سے اس مصلحت کے پیش نظر تھی جس کا ذکر پیچھے کیا جا چکا ہے ایک اور مکتوب میں سید صاحبؒ گوالیار کے ہندو راؤ کو لکھتے ہیں۔

"بیگانگانِ بعید الوطن ملوک زمین و زمن گردیدہ اند و تاجرانِ متاع فروش بہ پایۂ سلطنت رسیدہ امارت امرائے کبار و ریاست رؤسائے عالی مقدار برباد کردہ اند و عزت و اعتبار ایشاں بالکل ربودہ چوں اہلِ ریاست و سیاست در زاویۂ خمول نشستہ اند لاچار چندے از اہلِ فقر و مسکنت کمر ہمت بستہ این جماعت ضعفاء محض بناء بر خدمتِ دینِ رب العالمین برخاستہ اند، ہرگز ہرگز از دنیا دارانِ جاہ طلب نیستند .... وقتیکہ میدانِ ہندوستان از بیگانان و دشمنان خالی گردید و تیر سعی ایشاں بر ہدفِ مراد رسیدہ آئندہ مناصب ریاست و سیاست بہ طالبین، آں مسلم باد[45]"

وہ بیگانے جن کا وطن بہت بعید ہے، بادشاہ بن گئے جو تاجر سامان فروش تھے، انہوں نے سلطنت قائم کر لی بڑے بڑے امیروں کی امارتیں اور رئیسوں کی ریاستیں خاک میں ملا دی گئیں ان کی عزت اور اعتبار چھن گیا جو لوگ اہلِ ریاست و سیاست تھے وہ گوشۂ گمنامی میں بیٹھ گئے آخر کچھ فقیروں اور مسکینوں نے کمر ہمت باندھی ہے اور ضعیفوں کی یہ جماعت محض رب العالمین کے دین کی خدمت کے لیے اٹھی ہے یہ لوگ ہرگز ہرگز دنیا دار، جاہ طلب نہیں ہیں جب ہندوستان کا میدان بیگانوں اور دشمنوں سے خالی ہو جائے گا اور کمزور لوگوں کی کوشش کا تیر نشانۂ مراد کو لگ جائے گا تو آئندہ کے لیے ریاست و سیاست کے منصب، طالبوں ہی کو مبارک ہوں۔

غور فرمائیے کہ یہ دور سے آئے ہوئے بیگانے کون تھے جو تجارت کرتے کرتے حکومت کے مالک بن گئے؟ کیا یہ انگریز نہ تھے؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ۱۵۷۹ء میں جب طامس سٹیفن

نامی کمپنی انگریز بچے بہ برصغیر میں آیا اور جس سے پنجاب کی زرخیزی و شادابی نے حرص کی ابتدائی اور داخلی حالات کا اپنے خطوط میں ایسے تفصیلی انداز میں نقشہ کھینچا ہے۔ انگریزوں کے اس ایشیائی و اور یہی امپیریلسٹ کمپنی جو ابتدا میں تجارت کی وجہ سے برصغیر کی خوشحالی دیکھ کر آئی تھی یہاں آنے کے بعد سے قبضہ کر رہا تھا۔ چنانچہ ۱۸۵۶ء میں برطانیہ نے آخری حیثیت سے چین کی جنگوں کو تباہ کر دیا اور اس سے انگریزوں کے جو جتنے ادھی منڈی ہو گئے اور انہوں نے برصغیر میں تجارت کا عزم مصمم کر لیا۔ ۱۶۰۰ء میں لندن کے چند تاجر پیشہ لوگوں نے ملکہ الزبتھ سے برصغیر میں تجارت کے لیے اجازت نامہ حاصل کرنے کی کوشش کی جسے قبول کر لیا گیا۔ انہی تاجروں نے ۳۱ دسمبر ۱۶۰۰ء میں ایک تجارتی کمپنی بنائی جس کا نام - ایسٹ انڈیا کمپنی - رکھا گیا۔ کمپنی نے ابتدا میں ملایا کی طرف توجہ کی مگر ولندیزیوں کی شدید مخالفت کے پیش نظر انہیں وہاں کامیابی حاصل نہ ہو سکی، چنانچہ انہوں نے اپنی تمام تر توجہ برصغیر پاک و ہند کے ساتھ تجارت کرنے کے لیے مبذول کر دی۔ یہ وہ تاریخی حقائق ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انگریز ابتدا برصغیر میں صرف تجارت کی غرض سے آئے تھے لہٰذا سید صاحب کا یہ فرمانا کہ بیگانگانِ بعید الوطن ملوکِ زمین و زمان گردیدہ و تاجرانِ متاع فروش بپایۂ سلطنت رسیدہ۔ صراحتاً انگریزوں کی طرف اشارہ ہے جو بعید الوطن تھے اور تاجرانِ متاع فروش۔

حضرت سید صاحبؒ کے ایک مرید خاص اور تحریک کے شاعر جناب مومنؒ کے ایک فارسی قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ ان کے پڑھنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ انگریزوں کے خلاف جہاد بھی پروگرام میں شامل تھا۔ مومن فرماتے ہیں۔

ای طیبہ پایہ بلب رسانده　　جانِ من و جانِ آفرینش
گلزار کن باغ شبدل گردیم　　زاں نسیم سرای آفرینش
تا چند بخواب ناز باشی　　فارغ ز فغانِ آفرینش
مومن شده هم زبان عرفی　　در بهر اهاند آفرینش

برخیز که شور کفر برخاست
اے فتنہ نشان آفرینش

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا فتویٰ

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ چونکہ وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر مسلمانوں کو جہاد کی طرف توجہ دلائی تھی اس لیے ہم ذیل میں آپ کے ایک فتویٰ کو بھی نقل کرتے ہیں۔ اس سے ہمارے موقف کی زبردست تائید ہوتی ہے شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

دریں شہر حکم امام المسلمین اصلاً جاری نیست وحکم روساء نصاریٰ بے وغدغہ جاری است و مراد از اجراء احکام کفر اینست کہ درمقدمہ ملک داری و بند و بست رعایا و اخذ خراج و باج وعشور اموالِ تجارت و سیاست قطاع الطریق و سراق و فیصل خصومات و سزائے جنایات، کفار بطور حاکم باشند آرے اگر بعضے احکام اسلام را مثل جمعہ، عیدین و اذان و ذبح بقر، تعرض نہ کنند نہ کردہ باشند لیکن اصل اصول ایں چیزہا نزدِ ایشان ہباء و ہدرست، زیرا کہ مساجد را بے تکلف ہدم مے نمائند و ہیچ مسلمان یا ذمی بغیر استیمان ایشاں دریں شہر و در نواح نمے تواند آمد و برائے منفعت خود از واردین و مسافرین و تجار نمے مانید اعیان دیگر مثلاً شجاع الملک و ولائتی بیگم بغیر حکم ایشاں دریں بلاد داخل نمے توانند شد و ازیں شہر تا

اس شہر میں امام المسلمین کا حکم بالکل جاری نہیں ہے یہاں تو عیسائی حکمرانوں کا حکم بلا دغدغہ جاری ہے اور انکا حکم جاری ہونے سے مراد یہ ہے کہ ملکداری، انتظام رعیت خراج، باج عشر و مالگزاری اموالِ تجارت، ڈاکوؤں اور چوروں کے انتظامات مقدمات کے تصفیہ اور دیگر جرائم کی سزاؤں وغیرہ کے نافذ کرنے میں یہ لوگ بطور خود حاکم ہیں ہندوستانیوں کے ان کے متعلق کوئی دخل نہیں بیشک نماز جمعہ عیدین، اذان اور گائے کے ذبح وغیرہ چند احکام اسلام میں وہ رکاوٹ نہیں ڈالتے لیکن جو چیز ان سب کی جڑ اور آزادی کی بنیاد ہے وہ قطعاً بے حقیقت اور پامال ہے چنانچہ بے تکلف مسجدوں کو مسمار کر دیتے ہیں عوام کی شہری آزادی ختم ہو کر رہ گئی ہے کوئی مسلمان یا ذمی ان کے پاسپورٹ کے بغیر اس شہر یا اس کے اطراف وجوانب میں نہیں آسکتا عام مسافروں یا تاجروں کو شہر میں آمد و رفت کی اجازت بھی شہری آزادی کی بناء پر نہیں بلکہ خود اپنے نفع کی وجہ سے ہے اور اسکے برعکس ممتاز حضرات مثلاً

کلکتہ عمل نصاریٰ ممتد است۔ و دیگر در جنب و راست مثل حیدر آباد و لکھنؤ و رامپور احکام خود جاری نہ کردہ اند بسبب مصالحت و اطاعت مالکان آن .....

..... الخ

ستباع الملک و ولایتیں چونکہ ان کی اجازت کے بغیر ان شہروں میں داخل نہیں ہو سکتے۔ دہلی سے کلکتہ تک انہی کی عملداری ہے بے شک کچھ دائیں بائیں مثلاً حیدر آباد، لکھنؤ، رامپور میں چونکہ وہاں کے فرمانرواؤں نے اطاعت قبول کر لی ہے اس لیے وہاں ان کے احکام جاری نہیں کیے ہیں۔

شاہ صاحبؒ کے اس فتویٰ کا حاصل یہ ہے کہ اب جبکہ صورتِ حالات یہ ہے کہ قانون سازی کے جملہ اختیارات عیسائی حکمرانوں کے ہاتھ میں ہیں، مذہب کا احترام ختم کر دیا گیا ہے اور شہری آزادیوں سے شہریوں کو محروم کر دیا گیا ہے تو مسلمانوں پر فرض ہو گیا ہے کہ وہ ان نصاریٰ کے خلاف اعلانِ جہاد کر دیں کیونکہ اس مذکورہ صورت کے پیشِ نظر ملک دارالحرب بن چکا ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے فتویٰ میں بھی حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ نے مخالفین کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے ہندوستان کو دارالحرب ثابت کیا ہے۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے شاہ صاحبؒ کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

> امام عبد العزیزؒ نے سب سے پہلے فتویٰ دیا کہ ہندوستان کے جس قدر حصے غیر مسلم طاقت کے قبضہ میں جا چکے ہیں، ان قطعات میں اگرچہ برائے نام سلطانِ دہلی کا دخل مانا جاتا ہے، لیکن وہ سب کے سب دارالحرب ہیں۔ امام عبد العزیزؒ کے نزدیک سلطانِ دہلی کی برائے نام حکومت ملک کو دارالاسلام نہیں بنا سکتی، چنانچہ ہندوستان میں مسلمانوں کی جو زبردست قومیں موجود ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ یا تو یہاں سے ہجرت کر جائیں یا دشمن سے لڑ کر اپنی حکومت بنائیں۔ ہر وہ شخص جو دارالحرب میں رہتا ہو، اس کا یہ ذاتی فرض ہے دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اسلامی حکومت کا نظام دشمنوں کی غالب طاقت کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہو تو یہ فرض عام مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے وقت

> اسلامیہ کا اس سے تغافل برتنا اور اس معاملہ میں کچھ نہ کرنا شریعت کی نظر میں حرام ہے۔ جب یہ حالت ہو تو مسلمانوں کے ہر فرد پر واجب ہے کہ وہ دشمنوں کے غلبہ کو ختم کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کرنے کا ارادہ کرے۔ اور پھر جیسے جیسے حالات پیش آتے رہیں اسی لحاظ سے اجتماعی نظام قائم کرتا رہے[۴۹]۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحؒ کے اس فتویٰ اور حضرت سید صاحبؒ کے اس مکتوب پر ایک بار پھر نظر کیجیے، جس میں فرماتے ہیں کہ "جب اسلامی بلاد پر غیر مسلم مسلّط ہو جائیں تو عام مسلمانوں پر عموماً اور مشاہیر حکام پر خصوصاً واجب ہو جاتا ہے کہ ان غیر مسلموں کے خلاف مقابلہ و مقاتلہ کی کوششیں اس وقت تک جاری و ساری رکھیں جب تک کہ ان علاقوں کو ان سے واپس نہیں لے لیا جاتا۔" تو اس سے جہاد کی بنیاد و اساس واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے اور جب عملِ جہاد کی یہ واضح اساس پیشِ نظر ہو تو ذرہ بھر سوجھ بوجھ رکھنے والا انسان بھی اس نتیجے پر بآسانی پہنچ سکتا ہے کہ مسلمانوں کے قبضہ سے صرف وہی علاقہ تو غیر مسلموں کے قبضہ میں نہیں گیا تھا جو سندھ اور ستلج کے درمیان تھا اور جس پر رنجیت سنگھ تسلّط جمائے ہوئے تھا؟ بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ وسیع اور سرسبز و شاداب علاقے مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھن چکے تھے جو کہ مشرقی طرف ستلج سے اراکان، مغربی طرف کاٹھیاواڑ اور گجرات اور جنوبی جانب راس کماری تک پھیلے ہوئے تھے تو پھر انہیں واپس لینے کے لیے جہاد کیوں نہیں؟ تمام دلائل سے قطع نظر اگر صرف یہی ایک نکتہ غور و فکر کی گرفت میں آ جائے تو انسان اس نتیجے پر بخوبی پہنچ سکتا ہے کہ حضرت امام صاحبؒ اور سید صاحبؒ کا جہاد کن کے خلاف تھا۔ لیکن ہم نے ان قیاسات پر ہی انحصار نہیں کیا بلکہ اپنے موقف کی تائید میں ٹھوس دلائل بھی بہم پہنچائے ہیں تا کہ مسئلہ زیرِ بحث بخوبی منقح و مہذّب ہو جائے۔ بریلوی مکتبِ فکر کے مولانا احمد رضا خاں نے بھی ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے اپنے فتویٰ میں لکھا ہے کہ:—

> امام الطائفہ (امام محمد اسمٰعیل شہید، مؤلف) نے ترغیبِ جہاد کے ضمن میں لکھا۔ ہندوستان دریں جزو زمان کہ سنہ ۱۲۳۳ھ یک ہزار و دو صد و سی

وصوم ست الترش دار الحرب گردیدہ۔

اسی طرح مولانا شاہ احمد حسن صاحب کانپوری نے بھی لکھا ہے :-

۱۲۳۲ھ میں بسبب ضعف سلطنت کے ایک شخص نے کہ نام اس کا اسمٰعیل تھا، ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا۔

یہ دونوں بزرگ حضرت امام صاحبؒ سے زبردست مخالفت رکھنے والے، بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں لیکن یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہندوستان دار الحرب تھا جبکہ آپ کے نزدیک ہندوستان دار الحرب تھا تو پھر جہاد ایک مخصوص علاقہ میں کیوں؟

دعوت جہاد

حضرت امام محمد اسمٰعیل شہیدؒ جب اپنے پیر و مرشد کی معیت میں ۱۲۳۷ھ / ۱۸۲۲ء میں فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد واپس وطن تشریف لائے تو انہی کے فرمان کے مطابق جہاد کے لیے دعوت و تنظیم میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ مولانا عبد الحی صاحبؒ بھی سفر و حضر میں آپ کے ساتھ ہوتے تھے اور اس سلسلہ میں آپ کی خدمات بھی قابل قدر ہیں۔ ان کے طوفانی دوروں کا اندازہ لگائیے کہ شوال ۱۲۳۹ھ میں جب شاہ عبد العزیزؒ کی وفات ہوئی تو یہ دونوں بزرگ دہلی میں تھے جناب امیر شاہ خاں صاحبؒ نے تو مولانا عبد القیوم صاحب اور اپنے استاد میاں جی محمدی صاحبؒ سے سن کر صراحت کی ہے کہ حج سے واپسی کے بعد دہلی میں چھ مہینے تک قیام رہا۔ اس عرصہ میں حضرت امام صاحبؒ گلی کوچوں میں اور مولانا عبد الحی صاحبؒ مسجدوں میں وعظ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ لیکن دورے کرتے رہتے حتیٰ کہ ۱۲۴۱ھ تک [illegible] ہو گئے۔ حضرت امام صاحب کو اللہ تعالیٰ نے جس سوز و ساز، روانی اور جذب و تاثیر سے نوازا تھا اس کا مختصر سا تذکرہ پیچھے کیا جا چکا ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ آپ کی تقریر تاثیر میں ڈوبی ہوئی ہوتی تھی۔ جس کی متعدد مثالیں پیچھے ذکر کر آئے ہیں۔ اب جو آپ نے جہاد کے مسائل کو موضوع سخن بنایا تو ان سے بھی لوگوں نے خاطر خواہ اثر قبول کرتے ہوئے آپ کی آواز پر لبیک کہا بلکہ مرشد کے الفاظ میں "آپ کے مسلسل تقریر سے مسلمانوں کا آئینۂ باطن مصفّا اور مجلّا ہو گیا اور اس طرح سے راہ حق میں سرگرم عمل ہوتے کہ بے اختیار چاہنے لگے کہ سر ان کا راہ خدا میں جدا ہو اور جان اُن کی اعلائے کے واسطے دین محمدی میں صرف ہو۔"

اور یہ آپ کی ان مساعیٔ جمیلہ کا نتیجہ تھا جو آپ نے سوئی ہوئی قوم کو جھنجھوڑنے بلکہ خوابِ خرگوش میں مدہوش قوم کو ہوش میں لانے کے سلسلہ میں انجام دیں اور یہ صرف آپ کی پونے دو سال کی دعوت و تبلیغ کا نتیجہ تھا کہ قوم کی مردہ رگوں میں خونِ حیات گردش کرنے لگ گیا، وہ خون جو کہ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے میدانِ کارزار کو لالہ زار بنا کر حیاتِ جاوداں کے لیے بڑا ہی بے قرار ہوتا ہے غرضیکہ انتہائی قلیل عرصہ میں غازیانِ صف شکن اور مجاہدینِ کفن بر دوش کی ایک جماعت تیار ہو گئی، جو راہِ خدا میں اپنا تن، من، دھن نثار کرنے کے لیے ہر وقت تیار تھی۔ بڑے غور و فکر کے بعد صُوبہ سرحد کو مرکز بنا کر، یہاں سے جہاد کا آغاز کیا گیا۔

روانگی

جب بڑے غور و فکر کے بعد سرحد کو مرکز بنا لینے کا فیصلہ کر لیا گیا، تو حضرت امام صاحبؒ، امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ اور دیگر رفقاء کی معیت میں ۷ر جمادی الثانی ۱۲۴۱ھ (۱۷ر جنوری ۱۸۲۶ء) کو مقدس فریضۂ جہاد کے ادا کرنے کی نیت سے رائے بریلی سے سُوئے سرحد روانہ ہو پڑے۔ روانگی کے وقت مجاہدینِ اسلام کی تعداد پانچ چھ سو سے زیادہ نہ تھی کیوں کہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ فی الحال اسی تعداد پر اکتفاء کیا جائے گا اور سرحد میں حالات کا جائزہ لینے کے بعد اگر ضرورت محسوس ہوئی تو باقی مجاہدین کو بھی بلا لیا جائیگا قافلہ کی سرسری گروپ بندی اگرچہ رائے بریلی سے روانگی سے قبل ہی کر لی گئی تھی مگر گوالیار پہنچنے کے بعد باقاعدہ طور پر پانچ جماعتیں تشکیل دے دی گئیں جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ **جماعتِ خاص** :۔ یہ جماعت سفر و حضر میں قلبِ لشکر تھی اس کے امیر مولانا محمد یوسف صاحب پھلتیؒ تھے۔ سید صاحبؒ کی رفاقت کا شرف بھی اسی جماعت کو حاصل تھا

۲۔ **مقدمۃ الجیش** :۔ یہ جماعت سب سے آگے ہوتی تھی۔ اس کے سرِ عسکر حضرت امام صاحبؒ تھے۔

۳۔ **میسرہ** :۔ اس جماعت کو امیر سید محمد یعقوب[۵۴] صاحبؒ تھے۔ آپ کو جب ضروری کاموں کے سلسلہ میں ٹونک میں چھوڑ دیا گیا تو شیخ بڈھن نے آپ کی نیابت کے فرائض انجام دیئے

۴۔ **میمنہ** :۔ اس جماعت کے امیر امجد[۵۵] خاں رئیس گنتہ تھے۔

۵۔ **ساقۃ الجیش** :۔ یہ گروپ گاڑیوں اور چھکڑوں کے ساتھ رہتا تھا اور اس کے

امیر اللہ بخش خاں موزا زئی[۶] نیابت سے گئے تھے ۔

حضرت امام صاحب، مقدمہ مجاہدین کی قیادت کے علاوہ انتظامی و تبلیغی امور کی کفالت اور بار برداری کے انتظام کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ بار برداری کے سلسلہ میں سید محمد یعقوب بھی آپ کے معاون تھے۔ اس جماعت بندی کے بعد جو اصحاب شامل ہوتے انہیں امجد خاں کی جماعت میں شامل کر دیا جاتا تھا۔ غازیان راہ حق کا یہ مقدس گروہ اسلاف کی روایات کو زندہ اور حکایات کو تابندہ کرتے ہوئے۔ رائے بریلی سے بندھیل کھنڈ، گوالیار، ٹونک، اجمیر، صحرائے مارواڑ، عمرکوٹ، حیدرآباد، شکارپور، کوئٹہ، قندھار، غزنی اور کابل وغیرہ سے ہوتا ہوا، دس مہینے میں تین ہزار میل کی مسافت طے کرنے کے بعد نومبر ۱۸۲۶ء کے اواخر میں پشاور پہنچ گیا۔ اس طویل سفر میں تپتے ہوئے بے آب و گیاہ صحرا بھی آئے اور بہت بڑے بڑے دریا بھی۔ سنگلاخ گھاٹیوں کو بھی طے کرنا پڑا اور دشوار گزار، پرخطر اور خاردار وادیوں کو بھی۔ پھر قیامت خیز گرمی اور بھوک پیاس کی شدت سے بے نیاز، سکتے ہوئے قریب قریب دس ہزار میل پیدل اور متواتر سفر اور اکثر و بیشتر بار برداری سے محروم غرضیکہ راہ حق کے وہ کون سے امتحان تھے جنہوں نے قدم قدم پر ان کے دامن کو نہ تھاما ہو مگر یہ جانباز تھے کہ سختیوں کی موجوں سے بے حال ہوتے ہوئے بھی لشکر کی طاقتوں اور خاشاک خیر اثر کی تعداد کی قلت آلات حرب کی کمی سے بے نیاز ہو کر راہ حق سے پامال کرنے جا رہے تھے۔ بڑی سے بڑی آزمائش بھی ان کے پائے استقلال میں جنبش پیدا نہ کر سکی، اپنی دھن کے پکے اور عزم کے سچے دیوانہ وار سوئے منزل رواں دواں رہے۔ چشم فلک ان کے جوش جنوں کو دیکھ کر حیران تھی، میدان جنگ ان کے قدموں کی آہٹ سے لرزاں تھا اور خود امام صاحب، عزم کے ان کوہ گراں بہادروں کی ہیبت کے سامنے دم بخود تھے۔ گویا زبان حال کہہ رہی تھی ؎

بڑھے چلو مجاہدو، تمہیں سے قوم کی نجات ہے
شہید کی جو موت ہے، وہ قوم کی حیات ہے

ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ ان "مشتاقان پاک طینت" کے سب سے بڑے دشمن اور متعصب انگریز مورخ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر (W.W. HUNTER) نے درج ذیل الفاظ میں انہیں خراج تحسین

پہنچنا ہے ۔

وقت و زمانہ کیا معلوم ہوتا جب کہ وہ دیکھتے ان کی ترتیب کیا ہو رہی ہے تو وہ خائف سے جہاد کا علم بلند کر دیتے ۔ وہ اپنی حفاظت سے بے نیاز تھے ۔ ان کی زندگی کا اصول سمجھ پائے تھے ۔ ان کے سینے میں ایک شعلہ فروزاں تھا کہ انگریز کافروں کا تخت الٹ دیا جائے اور جہاں تک ہو سکے دین اور وطن کی بہبود کے لیے ایک مستقل نظام قائم کرنے کا خیال تھا وہ یہ چاہتے تھے کہ خلیفہ اسلام میں ایک قوم کی شخصیت کے مالک تھے ۔ ان سے زیادہ تر تعلیمات اخذ ہو کے پہنچیں انہوں نے ثابت کیا کہ خدا تعالیٰ نے ایک بہتر نظریہ بخشا اور جس ایک زندگی پاکیزہ زندگی بسر کرنے پر آمادہ ہو گئے ۔ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاں تک تجربہ کا تعلق ہے اس زمانے کے سب سے زیادہ روحانی اور بلند کردار خود غرضی نفس کشی کا جذبہ صرف روحانی میدان میں کر سکتے ہیں ایک ولی کے سامنے ایک چیز ہے اور وہ ہے دین محمدی کی تعلیم کا عظیم الشان نمونہ جو ہمیشہ زندہ رہے گا ۔ اس لیے پہلے وہ دین ہوتے ہوئے وہ دنیا سے دور رہتے اور کسی پر بھروسہ نہیں ۔ زندگی میں اس سے ناصر الدین اور دین ہے وہ کسی کی تعلیم پر ہر اس کے ساتھ ہے جن سے کچھ نہیں کر سکتے تھے ۔

جنگ اکوڑہ

پیش نظر اسماعیل زئی میں ۱۸۲۶ء نے اکوڑہ میں پڑاؤ ڈالا تھا اور وہاں پر جہاں جہاد شروع کیا کرنے کے بعد پیر سے روانہ ہوئے ۔ اور بدھ سنگھ بھی اپنے لشکر سمیت تیار ہو کر پہنچ گیا تھا کہ مجاہدین اسلام نوشہرہ سے ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۲ھ / ۱۰ جمادی الاولیٰ کی شب کو نوشہرہ پہنچ گئے اور [illegible] لشکر پر یہ قدم بڑھا کر [illegible] اکوڑہ میں [illegible] تھا جو نوشہرہ سے جنوب کی طرف ہے ۔ تقریباً میل کی مسافت پر دریا کے کنارے سکھوں کی فوج پڑی ہے ۔ دشمن کی فوج کا جنگل قریب تھا اس لیے سید صاحب نے مجاہدین کو رات کو شبخون مارنے کا حکم دیا ۔ انہوں نے پہلے سے چند افسر مسلمانوں کو چن چن کر بھیجا ۔ سکھوں کی تعداد اس وقت سات ہزار کے درمیان تھی جب کہ

مجاہدین صرف ڈیڑھ ہزار تھے جبکہ سکھوں کے پاس بیس ہزار سے زائد فوجوں کی تعداد تھی اور ان کے پاس آٹھ توپیں بھی تھیں لیکن مجاہدین میں سے سب کے پاس بندوقیں بھی نہ تھیں۔ مجاہدین اور سکھوں کے درمیان یہ پہلا معرکہ آرائی حق و باطل تھا ان مذکورہ حالات کو سامنے رکھ کر طریقۂ جنگ کے متعلق مشورہ کیا گیا۔ بڑے غور و فکر کے بعد طے پایا کہ سکھوں کے لشکر پر شب خون مارا جائے۔ بعض روایت میں ہے کہ سید صاحب اس سے قبل ہی دربار لاہور کو درج ذیل اعلامیہ بھیج چکے تھے جسے حضرت امام صاحب نے تحریر فرمایا تھا:۔

> یا تو تم اسلام قبول کرو۔ اس وقت ہمارے برابر ہو جاؤ گے اور ہم ہمارے جنگ و جدال کے، بہر طرح تمہاری اعانت کریں گے کسی کو جبراً اسلام میں داخل کرنے کا حکم نہیں ہے۔ اگر تم کو خوشی سے اسلام قبول کرنا منظور نہ ہو تو دوسری شرط یہ ہے کہ تم اپنے وطن و مذہب پر قائم رہ کر حسب رعیت اطاعت اختیار کر کے جزیہ دینا قبول کرو۔ اس حالت میں بھی جب تک تم مطیع رہو گے ہم تمہاری جان و مال کی حفاظت مثل اپنے جان و مال کے کریں گے اور اگر یہ دونوں امر منظور نہ ہوں تو پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ اور یہ بھی یاد رکھو کہ گو اس وقت تعداد میں تھوڑے ہیں مگر سب یاغستان اور سارا ہندوستان راہ خدا میں جان دینے کو تیار ہے اور ہم لوگ موت شہادت کو ایسا دوست رکھتے ہیں جیسا کہ تم شراب کو۔

جب قاصد نے دربار رنجیت سنگھ میں پہنچ کر یہ نامہ دیا تو اس کے ساتھ نہایت توہین آمیز سلوک کیا گیا۔ رنجیت سنگھ نے نہایت بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قاصد کی پٹائی کرائی اور دھکے دے دے کر دربار سے نکلوا دیا اور نامہ کا کچھ جواب نہ دیا۔ قاصد نے واپس پہنچ کر سید صاحب کی خدمت میں تمام ماجرا کہہ سنایا۔ سید صاحب نے فرمایا کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے اب ہم روز محشر خدا تعالیٰ کے ہاں مسئولیت سے بچ جائیں گے۔

بہر کیف شب خون کا فیصلہ کرنے کے بعد تمام جماعتوں کے سپہ سالاروں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی

اپنی جماعت میں سے نہایت بہادر، مستعد اور چوکس جوانوں کی فہرست تیار کریں۔ تاکہ اسے سامنے رکھ کر شبخون کے لیے مناسب لشکر ترتیب دیا جا سکے۔ سپہ سالاروں نے ارشاد کی تعمیل کی اور سید صاحبؒ نے نو سو رعنا، کڑیل اور جیالے جوانوں کو منتخب فرما لیا۔ حضرت امام صاحبؒ کا اس فوج کی کمان کرنے کا ارادہ تھا مگر سید صاحبؒ نے اللہ بخش مورانویؒ کے ذمہ یہ کام سپرد کر دیا اور حضرت امام صاحبؒ کو ایک چاق و چوبند دستہ دے کر دریائے لنڈہ کے کنارے پر متعین کر دیا تاکہ بوقت ضرورت کمک لے کر میدان میں پہنچ جائیں یا اگر سکھ فرار ہو کر اس طرف سے گزریں تو انہیں تہ تیغ کر دیا جائے۔

مجاہدین نے نصف شب کے قریب دریائے لنڈہ کے مغربی کنارے سے منزل مقصود کی طرف روانگی شروع کی۔ روانگی سے قبل ہر ایک نے ایک دوسرے سے کہا سنا معاف کرایا۔ سید صاحبؒ کے حکم کے مطابق روانگی سے پہلے ہر ایک مجاہد نے گیارہ گیارہ مرتبہ سورۂ قریش تلاوت کر کے اپنے اوپر دم بھی کیا۔ سکھ لشکر نے اکوڑہ سے باہر کھلے میدان میں پڑاؤ ڈالا ہوا تھا مجاہدین میں سے ایک کو لشکر گاہ کی کیفیت معلوم کرنے کے لیے بھیج دیا گیا، جب وہ واپس آیا تو اس کی راہنمائی میں مجاہدین نے پیش قدمی کی اور قلیل سی مدت میں لشکر کے اس حصے تک پہنچ گئے، جہاں اکثر سکھ خواب خرگوش میں مدہوش پڑے تھے۔

سکھ لشکر کے گھڑیال نے جب تین بجے الارم بجایا، مجاہدین اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے سکھ لشکر گاہ میں گھس گئے اور ایک ایک مجاہد نے اپنی شمشیر براں کی ضرب بے زنہار سے آٹھ آٹھ دس دس سکھوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ عبدالمجید آفریدیؒ[۵۹] نے چودہ سکھوں کو واصل جہنم کیا پھر ان کی تلوار ٹوٹ گئی۔ جب مولانا امیر الدین ولایتیؒ کو معلوم ہوا کہ ان کی تلوار ٹوٹ گئی ہے تو انہوں نے فوراً انہیں ایک تلوار دے دی کیونکہ ان کے پاس اس وقت دو تلواریں تھیں۔ خاں صاحبؒ نے اس کے ساتھ بھی کئی اور سکھوں کو موت کی نیند سلا دیا اور آخر کار خود بھی جام شہادت نوش فرما گئے۔ اسی طرح ایک اور غازی ہدایت اللہ نے برچھی کے ساتھ سات سکھوں کو خاک و خون میں تڑپنے پر مجبور کر دیا علیٰ ہذا القیاس دیگر تمام غازیان صف شکن نے بھی شجاعتوں اور بسالتوں کے خوب خوب جوہر دکھائے۔ اکوڑہ کی یہ جنگ ۲۰ر جمادی الاولیٰ ۱۲۴۲ھ (مطابق ۲۰ر دسمبر ۱۸۲۶ء) چہار شنبہ اور پنجشنبہ کی درمیانی شب

ڈیڑھ گھڑی اور صبح چار بجے سے چھ بجے تک جاری رہی۔ اس جنگ میں بعض غازیوں کے جوش شجاعت میں دشمنوں کے حملہ سے مقابلہ کرنے کی وجہ سے نقصان بھی ہوا۔ چنانچہ بیس ہندوستانی اور چھبیس قندھاری غازی جام شہادت نوش فرما گئے۔ سکھوں کا نقصان اس سے کئی گنا زیادہ تھا۔ تقریباً سات سو سکھ میدان جنگ میں کام آئے اور جو زخمی ہوئے وہ اس سے کہیں زیادہ تھے۔ سکھوں پر مجاہدین کی جانبازی اور جرأت مندی کی دھاک بیٹھ گئی۔ اور وہ بے ساختہ اعتراف کر رہے تھے کہ مسلمان [illegible] جنہیں مقابلہ میں [illegible] وحشت [illegible] ایسے جانباز نہیں دیکھے اور نہ سنے تھے۔ اہل سرحد پر بھی اس جنگ کا خوشگوار اثر پڑا اور مجاہدین کی بہادری سے بے حد متاثر ہوئے اور مختلف جماعتوں اور قافلوں کی شکل میں سید صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت جہاد کر کے پرچم جہاد کے نیچے جمع ہونے لگے۔

جنگ اکوڑہ میں اگرچہ نمایاں کامیابی رہی تاہم یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اس جنگ میں مجاہدین کا جو نقصان ہوا وہ زیادہ تر اہل سرحد کی وجہ سے تھا کہ انہوں نے اصول جنگ پر عمل نہ [illegible] جس کی وجہ سے لڑائی کی شدت میں کافی [illegible] ہو گئی تھی۔

بیعت امامت جہاد

سرحد پہنچنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہاں کے لوگ نظم و جمعیت سے بالکل ناواقف ہیں اور مجاہدین کا ساتھ جہاد کے جذبہ [illegible] خود مختار اہل وزن کے سبب سے دیتے ہیں جیسا کہ جنگ اکوڑہ میں اس کا تجربہ ہوا۔ نظم و جمعیت نہ ہونے کے علاوہ ان کے خوانین اور رؤساء آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رقابت بھی رکھتے تھے۔ ان حالات میں ایک بلند نصب العین کی تکمیل ناممکن تھی۔ اس لیے حضرت امام صاحبؒ نے سرحد پہنچنے کے بعد وہاں کے علماء اور خوانین کے ساتھ گفتگو کی اور انہیں ایک مرکزی نظام کی اہمیت کا قائل کر لیا اور انہیں سمجھایا کہ جب تک ایک پرچم کے نیچے جمع نہیں ہو جاتے اس وقت تک کامیابی ناممکن ہے۔ چنانچہ سرحد کے زعماء اس بات پر متفق ہو گئے کہ جہاد کے لیے ایک امام یا امیر کا انتخاب ضروری ہے۔ اس منصب جلیل کے لائق صرف حضرت سید احمدؒ کی ذات گرامی ہے۔ چنانچہ ۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۲۴۲ھ و ۱۱ جنوری ۱۸۲۷ء کو جمعرات کے دن ہند کے [illegible] کے سادات کرام، علماء عظام، مشائخ ذوی الاحترام، امرائے عالی مقام و

ساتھ خواص و عوام نے حضرت سید صاحبؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت امامت و جہاد کی۔ اس کامیابی کا تمام تر سہرا حضرت امام محمد اسمٰعیلؒ کے سر ہے۔

جنگِ شیدو

شیدو موجودہ سرحد کا ایک مشہور گاؤں، اکوڑہ سے قریباً چار میل جنوب کی طرف واقع ہے۔ مجاہدین نے سکھوں کے خلاف پہلی جو لڑائی لڑی وہ جنگِ شیدو کے نام سے معروف ہے یہ جنگ تحریکِ جہاد کے سلسلہ میں نہایت اہم تھی اس کی وجہ سے تحریک پر بڑے گہرے اثرات مرتب ہوئے لیکن ہم جنگ کی تمام جزئیات کی تفصیل بیان نہیں کریں گے کیونکہ ہمارا مقصود تو صرف ان امور کا ذکر کرنا ہے جن کا تعلق براہِ راست حضرت امام صاحبؒ سے ہے۔ اس جنگ میں پشاور کے سرداروں نے مجاہدین سے غداری کی اور یار محمد خاں نے حضرت سید صاحبؒ کے کھانے میں زہر ملا دیا کیونکہ وہ خفیہ طور پر سکھوں سے ساز باز کر چکا تھا اور یہی وجہ ہے کہ اس نے فوج کو میدانِ جنگ میں ایسے مقام پر کھڑا کیا تھا جہاں سے وہ آسانی کے ساتھ راہِ فرار اختیار کر سکتا تھا چنانچہ اس نے لڑائی میں بھی کوئی حصہ نہ لیا۔ جب مجاہدین نے شجاعت کے جوہر دکھانا شروع کیے اور سکھوں کے چھکے چھوٹ گئے اور ان کی جمعیت منتشر ہونے لگی تو اس بے حمیت نے راہِ فرار اختیار کی بلکہ سازش کے تحت کئی آدمیوں نے اس کے فرار کو شہرت دینا شروع کر دی جس کی وجہ سے تمام لشکرِ اسلام بے چینی، بے ترتیبی اور پریشانی کا شکار ہو گیا چنانچہ ایک روایت کے مطابق اس جنگ میں چھ ہزار غازیانِ حزبِ الٰہی نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

جس رات یار محمد خاں نے حضرت سید صاحبؒ کے کھانے میں زہر کی آمیزش کی آپ کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی اور بار بار غشی کے دورے پڑنے لگے تھے جب رات کو لڑائی کے لیے تیار ہو جانے کا نقارہ بجا تو حضرت امام صاحبؒ آپ کے خیمے میں تشریف لائے تو آپ کو بے ہوش پایا۔ امام صاحبؒ نے آپ کی حفاظت کا بندوبست کیا۔ ہاتھی پر سوار کیا، ساتھ ہودے میں خود بھی بیٹھ گئے اور میدانِ جنگ سے دور لے جانے کے لیے چل پڑے۔ سید صاحبؒ پر بیہوشی کے مسلسل دورے پڑ رہے تھے۔ امام صاحبؒ کو آپ کے بچانے کا فکر بڑی شدت سے دامن گیر تھا۔ چنانچہ آپ کے انہماک کا اندازہ اس سے لگائیے کہ جب عبادت نے آپ

کو خادے خان اور یار محمد کے فرار کی وجہ سے مسلمانوں کی شکست کی خبر ہوئی تو آپ حیرانی کے عالم میں فرمانے لگے - چہ می گوئی؟ مسلمانان فتح یاب اند (تو کیا کہتا ہے؟ مسلمان تو کامیاب ہیں) جب اس نے خادے خان اور یار محمد کے فرار ہونے کے متعلق بتایا تو امام صاحبؒ پر پہلی مرتبہ حقیقت حال منکشف ہوئی ۔

سید صاحبؒ مسلسل بے ہوشی کی حالت میں تھے ۔ ادھر لشکر اسلام میں صرف ایک ہی ہاتھی تھا جس پر سید صاحبؒ اور امام صاحب سوار تھے سکھوں نے اس ہاتھی کے تعاقب کا خاص اہتمام کیا اور یہ شاید یار محمد خان کی مخبری کی وجہ سے تھا ۔ امام صاحبؒ نے سکھوں کے ارادوں کو بھانپ لیا اور انہوں نے سید صاحبؒ کو گھوڑے پر سوار کرا دیا اور خود ہاتھی پر ہی سوار رہے جس سے مقصود یہ تھا کہ سکھ یہی سمجھیں گے کہ ہاتھی پر سید صاحبؒ ہی سوار ہیں حالانکہ وہ اس اثنا میں محفوظ مقام پر منتقل ہو جائیں گے چنانچہ جب سید صاحبؒ دور چلے گئے تو امام صاحبؒ ہاتھی سے اتر پڑے اور قریب کے غازیوں کو ساتھ لے کر دوسری طرف چلے گئے ۔

حضرت امام صاحبؒ کی یہ جانبازی و جانثاری آپ کے اعمال صالحہ میں سے ایک عمل عظیم ہے اور آپ کی شان ایثار کی ایک بہترین مثال ہے ۔ جزاہ اللہ عنا وعن سائر المسلمین احسن الجزاء ۔

ہزارہ میں تنظیمی سرگرمیاں

مجاہدین کی تھوڑی سی جماعت جب ہزارہ پہنچی تو ان دنوں یہاں کی سیاسی صورت حال نہایت ناگفتہ بہ تھی ۔ خوانین ہزارہ باہمی اختلافات و انتشار اور سر پھٹول کا شکار تھے ۔ ایک دوسرے کے دشمن پائندہ خان نے جب کہ ... خان کو اپنی فوجداری کا نشانہ بنایا تو محمد خان ترین نے کمال خان کے دادا کی نصرت و حمایت شروع کر دی ۔ پائندہ خان کو مجبوراً اپنی مدد کے لئے راولپنڈی کے سکھ گورنر مکھن سنگھ کو بلانا پڑا جو فوراً فوج لے کر ہزارہ آ گیا ۔ جس سے ہزارہ میں سکھوں کا تصرف اور تسلط شروع ہو گیا اور ہزارہ کے افق پر تقریباً پچیس سال تک ظلم و استبداد کے بادل چھائے رہے اور سرزمین ہزارہ خون ناحق سے لالہ زار بنتی رہی ۔ اس وقت ہزارہ میں سکھوں کی طرف سے درندگی اور بربریت کے مظاہرہ کی تفصیل مقصود نہیں بلکہ بتانا یہ چاہتا ہوں کہ

تھے وہ حالات جب فرشتوں اور قدوسیوں کی طرح نیک اور مہربان مجاہدینِ اسلام حضرت سید احمدؒ اور حضرت امام صاحبؒ کی راہنمائی میں مشعلِ نور بن کر ہزارہ پہنچے اور اُن کی بدولت صوبہ سرحد کی یاس انگیز شب دیجور میں امید کا سپیدۂ سحر نمودار ہونے لگا تو ہزارہ کے تمام تباہ حال رؤسا اور خوانین نے رابطہ قائم کرکے مجاہدین کے دامنِ عاطفت میں پناہ لینا شروع کی۔ یہ سردارانِ ہزارہ باہمی آویزش کی وجہ سے تباہ ہوئے تھے ورنہ صرف انہی کو متحد اور منظم کرکے ہزارہ میں ایک مضبوط ترین محاذ قائم ہوسکتا تھا اور دوسری طرف کشمیر کی طرف بھی پیش قدمی کی جاسکتی تھی۔ والیٔ چترال سلیمان شاہ نے بھی سید صاحب کی خدمت میں پیغام بھیجا تھا کہ اگر آپ کشمیر کا رخ کریں تو میں بھی اپنی فوج کے ساتھ آپ کی مدد کے لیے حاضر ہو جاؤں گا۔ ان مقاصد کے پیش نظر سید صاحبؒ پکھلی (ہزارہ) کی جانب جہاد کے انتظام کے امکانات سے فائدہ اٹھانے کے لیے فوراً تیار ہو گئے۔ پکھلی کی طرف مجاہدین کو روانہ کرنے کی تجویز جب پختہ ہوگئی تو سید صاحبؒ نے حضرت امام صاحبؒ کی قیادت میں ڈیڑھ سو غازیوں پر مشتمل ایک لشکر ترتیب دے کر روانہ فرمایا۔ مولوی خیر الدین شیرکوٹیؒ[۶۰] اور ملا شاہ سید جبڑیؒ[۶۱] منگی بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ سید محمد مقیمؒ[۶۲] اور مُلا شاہ سیدؒ اس مہم میں حضرت امام صاحبؒ کے نائب بنا دیئے گئے تھے۔ فتح محمد خاں پنجتاری بھی اس لشکر میں شامل تھے تاکہ راستہ میں راہنمائی کے فرائض سرانجام دیتے جائیں۔ حضرت امام صاحبؒ نے پنجتار سے نکلنے کے بعد پہلی رات ٹوپی اور دوسری کھبل میں بسر فرمائی وہاں سے مجاہدین کو امب روانہ فرما دیا اور آپ ملا شاہ سیدؒ اور دیگر رفقاء کی معیت میں ستھانہ تشریف لے گئے۔ والیانِ ستھانہ سید اعظم شاہ اور سید اکبر شاہ نے آپکا پرجوش خیر مقدم کیا۔ وہاں کافی لوگ جمع ہو گئے تھے حضرت امام صاحبؒ نے ان کے سامنے جہاد کے عنوان پر ولولہ انگیز خطاب فرمایا اور سید صاحبؒ کی طرف سے بیعت لی۔ آپ نے ان سے امب چلنے کے لیے کہا مگر انہوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ فی الحال مشکل ہے پھر جب آپ بلائیں گے تو حاضر ہونے میں کوئی عذر پیش نہیں کریں گے۔ البتہ اخوند زادہ اسمعیلؒ[۶۳] آپ کے ساتھ ہو گئے اور آپ کا اشارہ بھی زیادہ تر انہی کی طرف تھا۔ سید اکبر شاہ نے آپ کو رؤساء پکھلی کے متعلق خلوت میں بتایا کہ ان میں سے عنایت اللہ خاں (خانِ خیل) کمال خاں (اگردری) عبد الغفور

تمام ولائل دینی اور مسائل آپ کی بحیثیت امامی ان کے سوا الگ تو بجز نفاق کچھ معلوم ہوتے ہی لہٰذا ان پر اعتماد کرتے ہوئے قدم اٹھانا سخت نقصان ہوگا۔

حضرت امام صاحبؒ ستھانہ سے فارغ ہوئے تو رات کو امب تشریف لے گئے۔ سردار پائندہ خاں نے بستی سے باہر آکر خوش آمدید کہا اور اپنی رہائش سے دور مجاہدین کے لیے اقامت گاہ متعین کر دی۔ یہ بجا ہے کہ سید صاحبؒ کے سامنے ہی یہ طے کر لیا گیا تھا کہ پائندہ خاں کی رفاقت میں دریا کی مشرقی جانب سے پیش قدمی کر کے سکھوں کے خلاف جنگ کا آغاز کر دیا جائے لیکن حضرت امام صاحبؒ نے جب یہاں امب میں پائندہ خاں سے گفتگو کی تو معلوم ہوا کہ وہ منافقت و بے پروائی اور بے یقینی میں ہے۔ بوجہ آپ نے اپنا ارادہ تبدیل کیا۔ یہاں سے تنولی مقصود تھا جس کی مسافت چھ میل تھی اگر آپ امب ہی سے دریا عبور کرتے تو دشمنوں سے مقابلے کا امکان تھا لیکن آپ جنگ کے آغاز سے قبل مخلص مسلمانوں کی تنظیم ضروری سمجھتے تھے لہٰذا آپ نے امب سے تین میل کے فاصلے پر واقع چھتر بائی کے گھاٹ کا رخ کر لیا اور قبل از روانگی اور تمام اذان دی۔ جمعدار [illegible] پنجاب کی طرف اپنے خطوط اور سید صاحبؒ کی طرف سے ضروری اعلامیے دے کر انہیں روانہ فرما دیئے۔

عبور دریا

چھتر بائی میں صرف ایک چھوٹی کشتی تھی جس سے کل مجاہدین دن بھر میں دریا عبور نہیں کر سکتے تھے اور مصلحت کے پیش نظر حضرت امام صاحبؒ نہ چاہتے تھے کہ رات کو ضعیف مجاہدین دریا کے اس طرف اور ضعیف اس طرف ہوں۔ اس لیے مجاہدین کی ایک جماعت کو اپنے چھوٹے بھائی کے ایک دوست سے بالائی گھاٹ کی طرف روانہ فرما دیا کہ وہ وہاں سے دریا عبور کریں کیونکہ وہاں پر دو کشتیاں تھیں چنانچہ دونوں جماعتوں نے رات ساحل دریا پر بسر کرنے کے بعد بوقت صبح دریا کو عبور کیا اور براستہ [illegible] تک پانی پہنچ گئے۔ یہاں سے بھی حضرت امام صاحبؒ نے گرد و نواح میں جنھوں نے دعوت نامے ارسال فرمائے۔ مختلف علاقوں سے حاضر ہو کر سات آٹھ سو آدمیوں کی پیشکش کی مگر آپ نے فرمایا کہ ابھی ضرورت نہیں جب ضرورت محسوس ہوگی انہیں بلا لیں گے۔ البتہ مجاہدین کی تیاری میں فرق نہیں آنا چاہیے۔ مولانا غلام رسول مہر صاحب نے حضرت امام صاحبؒ کی عسکری مصلحتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :-

> مولانا کی دقیقہ سنجی اور امعانِ نظر کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے ایک ایک چیز اور ایک ایک مصلحت پر گہری نظر تھی چونکہ راستہ سنگلاخ پہاڑیوں میں سے تھا اور میدانی علاقے کے باشندے اسے بہ آسانی طے نہیں کر سکتے تھے، اس لیے سید صاحبؒ کی خدمت میں عریضہ بھیجا کہ اس طرف صرف آزمودہ کار غازی بھیجے جائیں جو طویل مسافت میں ہر قسم کی مشقتیں ضبط و صبر کے ساتھ برداشت کر سکیں، سواری کے عادی یا محتاج نہ ہوں اور انہیں امام کی نسبت انقیادِ کلی اور اذعانِ جبلی کا مرتبہ حاصل ہو۔ ساتھ ہی گزارش کی کہ غازیوں کو چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں تقسیم کر کے ایک ایک، دو دو، تین تین روز کے وقفے سے بھیجا جائے اس میں کئی مصلحتیں تھیں مثلاً چھوٹی جماعتوں کے لیے دریا پار اترنا آسان تھا کھانے پینے کی چیزیں حاصل کرنے میں دقت پیش نہیں آسکتی تھی تھوڑے تھوڑے وقفے سے جیش آتے رہتے تو عام مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب ہوتی اور ان پر یہ اثر پڑتا کہ پیچھے بہت بڑا لشکر ہوگا جو چھوٹی چھوٹی ٹکریوں میں بٹ کر آرہا ہے، اس لیے حوصلہ مندی سے ساتھ دینے پر آمادہ ہو جاتے دشمن ہر دوسرے تیسرے روز لشکروں کی آمد کا ذکر سنتے رہتے تو ان پر دہشت اور ہیبت طاری ہوتی[۶۵]۔''

شیر گڑھ میں اگرچہ جاتو نام نے جو کہ پائندہ خاں کا جمعدار تھا مجاہدین کی تواضع میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تاہم وہاں زیادہ عرصہ تک قیام کرنا قرینِ مصلحت نہیں تھا اس لیے حضرت امام صاحبؒ نے ہنیں اگرور عبدالغفور خاں کو اپنی آمد کی اطلاع دی اور اگرور کی طرف روانہ ہو گئے عبدالغفور اپنی علالتِ طبع کے سبب خود تو نہ آسکا البتہ اس نے اپنے بھائی کمال خاں کو استقبال کے لیے بھیج دیا آپ نے رات کلکئی میں بسر کی اور اگلے روز عبدالغفور خاں کی اقامت گاہ پر قدم رنجہ فرمایا اسی مقام پر ارسلان خان، احمد خان پکھلی والا اور حیدر شاہ وغیرہ خوانین نے حضرت امام صاحبؒ کی زیارت کی اور آپ کے دستِ مبارک پر حضرت سید صاحبؒ کی امامت کی بیعت کی۔ اس کے

جو آپ نے آخر میں تشخیص فرمائی وہ دیگر تجویزوں کی نسبت زیادہ مناسب خیال کرتے ہوئے۔ [illegible] کے قیام کے لیے تجویز فرما دیا۔ اور دو دن سے کلکتی روانہ ہو گئے اور [illegible] نے توقف کیا کہ وہ کلکتی ترتیب کر کے جہازوں کو تیار رکھیں اور وہاں سے [illegible]۔ اور ملا ستار و شہید کو ان قبائل میں جہاد کی تبلیغ کے لیے بھیج دیئے۔ اخوند زادہ ملا اسمٰعیل کو بھی قبیل [illegible] آپ نے اطراف میں ترتیب جہاد کے لیے بھیجا ہوا تھا انہوں نے پیغام بھیجا کہ سب تیار ہیں اور لشکر نہیں آ سکتا کا حال ہے لوگ جہاد کی شرکت کے لیے تیار نہیں ہیں۔ صبح قریباً انہی تقریروں کے حفظ میں سید محمد نصیر، مرزا [illegible] اور سید محمد علی شاہ کی حرکت سے ملول ہوئے۔ حضرت امام صاحب نے دوبارہ عبدالغفور خان، [illegible] محمد خان، سید حیدر شاہ اور ابراہیم خان وغیرہ رؤساء سے ملاقات کی اور سب کا تجویز پیش کرتے ہوئے سب گفتار کے نتیجہ کی پابندی اور ان کے دلائل کی خیرات وتحقیق اور قول میں وفا سے تعلق ہیں۔

ایک اور پریشانی

آپ کلکتی دوسری تشریف لائے تو ایک نئی صعوبت سے دوچار ہونا پڑا۔ مجاہدین کے خزانچی کے پاس روپے اور [illegible] قیمتیں، روپے ختم ہو گئے اور اشرفیاں استعمال میں لانے کا مرحلہ آیا تو اہل [illegible] نے اشرفیوں کے عوض نقد روپے سے انکار کر دیا کیونکہ انہیں ان کے نرخ کا علم نہیں تھا اور وہ اصل وقت کم تر اور [illegible] دینے کے لیے بھی آمادہ تھے جو بہت کم [illegible] میں سے کوئی انہیں اشارہ کر دیتا۔ [illegible] انہوں نے [illegible] فائدہ اٹھانا چاہا کہ اگر [illegible] حبیب اللہ خان کی حمایت پر آمادہ ہیں تو انہیں [illegible] پہنچ گئی ہے [illegible] حضرت امام صاحب جو ہر پل [illegible] کر کے حبیب اللہ خان کے بیٹے [illegible] ہونے کی اجازت نہیں دے سکتے تھے اس صعوبت کی وجہ سے اکثر مجاہدین پریشان ہو گئے اور بعض نے واپس جانے کا مشورہ دیا۔ سید محمد نصیر نے یہ رائے دی کہ [illegible] شروع کر دینی چاہیے لیکن حضرت امام صاحب نے حکم دیا [illegible] حسن تدبیر سے [illegible] وقت کو [illegible] سے نہ جانے دیا۔ اور خواجہ محمد حسن پوری کو اشرفیاں دے کر سرحد [illegible] کے پاس بھیج دیا تاکہ ان کی وساطت سے ان کے عوض روپے حاصل کر سکیں۔

ادھر ارسلان خان ایک جماعت کے ساتھ حبیب اللہ خان کی مدد کے لیے تیار تھا۔

دیں۔ نے کہا کہ اگر آپ میں سے کسی کو جہاد اور ایک مظلوم مسلمان کی مدد کا شوق ہے تو وہ بھی تیار ہو جائے۔ جس کے زاد راہ نہ ہو وہ لیں، اخراجات کا ذمہ میں لیتا ہوں۔ سید محمد مقیم اور کئی لوگوں نے اجازت طلب کی اگرچہ انہیں اجازت دینا خلاف مصلحت تھا لیکن سید صاحبؒ نے ان کی والدہ کی تاکید کی ہوئی تھی اس لیے امام صاحبؒ نے انہیں اجازت دے دی۔ چنانچہ بیس نفر تو آپ کے پاس رہ گئے اور باقی سب ارسلان کے ساتھ چلے گئے آپ اپنے پاس رہنے والے غازیوں کو لے کر ارسلان خان کی آذمست گاہ جہن کوٹ تشریف لے گئے۔ اب آپ نے اخوند زادہ محمد اسماعیل، محمد شاہ عرب اور چند دیگر غازیوں کو ساتھ لے کر سربلند خان تنولی سے ملاقات کا ارادہ فرمایا آپ نے ان کے پاس دو دن قیام فرمایا اور گفتگو کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ سربلند خان کا اصل مقصد پائندہ خان تنولی پر غلبہ حاصل کرنا ہے اور بس۔ اگر مجاہدین کو سکھوں کے مقابلے میں فتح و نصرت حاصل ہو تو یہ لوگ ساتھ دیں گے ورنہ نہیں۔ البتہ محمد شاہ کے ساتھ دینے کی صورت میں یہ بھی تعاون پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔ سربلند خان اور پائندہ خان میں کئی نسلوں سے باہمی عداوت تھی اس لیے سربلند خان کا اصل مقصود اپنے دشمن کا خاتمہ تھا لیکن حضرت امام صاحبؒ کی تمنا یہ تھی کہ سکھوں کے مقابلہ میں تمام مسلمان متحد ایک جمعیت میں منظم و یکجان ہو جائیں۔ آپ نے صورت حال سے حضرت سید صاحبؒ کو مطلع کر دیا تھا۔

۱۔ دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر پائندہ خان کی حکومت ہے بلحاظ اس کے قبضہ میں ہیں اور امب اس کے تابع ہے اگر اس سے رشتہ منقطع کر لیا جائے تو غازیوں کے لیے آمد و رفت میں مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔

۲۔ پائندہ خان تمام خوانین ہزارہ سے حشمت و شوکت میں بڑھا ہوا ہے۔ اسے مخالف بنا کر بعض دوسرے خوانین کی موافقت حاصل کرنا بالکل غلط ہوتا۔

۳۔ پائندہ خان، حبیب اللہ خان اور خوانین اگرور کے درمیان قدیم اتحاد قائم ہے اور ہم جو تناولی حبیب اللہ کی امداد کے لیے گئے ہوئے ہیں۔ اگر ان لوگوں کو علم ہو جائے کہ ہمارے اور پائندہ خان کے درمیان رابطہ اتحاد منقطع ہو چکا ہے تو غازیوں کو مضرت پہنچانے کے درپے ہو جائیں یا کم از کم ان کی موافقت سے کنارہ کشی اختیار کر لیں۔

۴۔ زبردست خاں حوالیٔ کشمیر کے بڑے رؤسا میں سے ہے وہ حبیب اللہ خاں کا حقیقی دوست ہے ممکن ہے حبیب اللہ خاں کے ذریعے سے زبردست خاں کے ساتھ رابطہ و ضبط پیدا ہو جائے۔

ان مذکورہ وجوہ کے پیش نظر پائندہ خاں سے تعلقات منقطع کرنا غیر مناسب اور مصلحت کے خلاف تھا۔ اس لیے حضرت امام صاحبؒ نے اسے پسند نہ فرمایا۔

خوانین ہزارہ میں سے آپ نے سر بلند خاں، سعادت خاں، احمد شاہ خاں، احمد خاں پشاسی خاں وغیرہ سے جیسے بلستہ ناصر خاں، حسن علی خاں اور محمد علی شاہ سے ملاقات نہ ہو سکی لیکن قوم کے متعلق آپ کا تاثر وہی تھا جو ہم تفصیل از ذکر کر آئے ہیں۔ کہ اگر مجاہدین کو سکھوں کے مقابلے میں فتح و نصرت ہو تو یہ بھی ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں ورنہ نہیں۔ آخرکار آپ جو ہاں ستوبر و قطع تیکری میں فروکش ہوئے سر بلند خاں نے خط لکھ کر ناصر خاں اور سید محمد علی شاہ کی طرف ارسال فرمایا۔ اپنی طرف سے بھی ایک غازی کے ہاتھ انہیں اور ان کے اعزہ و اقارب کو خطوط بھیجے۔ علاوہ ازیں ایک کو کرشی قوم اور ایک شخص کو سادات ترائی کی طرف بھی بھیجا فرماتے ہیں۔

> ۔ اگرچہ خدا کے فضل سے حصول مقصود کی امید ہے لیکن ان اطراف میں لشکر بھیجنے کا وقت ابھی نہیں آیا تھا۔ یہ قدم وقت سے پہلے اٹھا لیا گیا بہتر یہ تھا کہ میں چند ساتھیوں کو لے کر آتا۔ تمام ریاست میں پھیر کر پھرتا اور امر دعوت جہاد دیتا۔ جب رؤسا تیار ہو جاتے تو لشکر کو مستعد کر کے غازیوں کو یہاں بلاتا۔ نہ یہ مناسب تھا کہ زبردست لشکر بھیج کر تمام خوانین و رؤسا کی موافقت سے قطع نظر کرتے ہوئے سکھوں سے جنگ کی جاتی۔ خیر جو کچھ واقع ہوا۔ اس کو باعث خیر سمجھنا چاہیے۔ اگر سید محمد قیم کامیاب ہو گئے تو امید ہے کہ حصول مقصد کی صورت جلد پیدا ہو جائے گی ورنہ کچھ دیر لگے گی۔ اس موقع پر [illegible] آ جانا بھی مضر ہے اور تامل و تدبر کے بغیر کام کیا

ہاتھ ڈالنا خلافِ مصلحت ہے[۶۷]۔

معرکہ ڈمگلہ

قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے کہ اکثر وبیشتر مجاہدین ارسلان خاں کے ساتھ حبیب اللہ خاں کے بیٹے کو سکھوں کے محاصرہ سے نجات دلانے کے لیے روانہ ہو گئے تھے اور حضرت امام صاحبؒ کے پاس صرف چالیس مجاہد رہ گئے تھے۔ آپ چند رفقاء کی معیت میں "جوریاں ستور" (ڈیکری) میں تشریف لے گئے اور عبداللہ خاں کو امیر مقرر کر گئے۔ اسی دوران غازیوں کے ڈمگلہ پر حملہ کرنے کی خبر مشہور ہو گئی۔ اس لیے ہزارہ کے حکمران ہری سنگھ نے پھول سنگھ کی قیادت میں تین ہزار آدمیوں کو مجاہدین کے مقابلہ کے لیے بھیج دیا۔ پھر مزید تین ہزار آدمی پھول سنگھ کی مدد کے لیے بھیج دیئے۔ حضرت امام صاحبؒ کو جب ان حالات کا علم ہوا تو آپ نے بھی سکھوں کو سبق سکھانے کا عزمِ صمیم کر لیا، چنانچہ سکھوں کے اس چھ ہزار کے عظیم لشکر کے مقابلہ میں مجاہدین تعداد میں بہت کم تھے۔ اس لیے فیصلہ کیا گیا کہ شبخون مارا جائے۔

حضرت امام صاحب درہ بھوگڑ منگ کے سامنے، ڈمگلہ سے تین میل کی مسافت پر واقع مقام شنکیاری کے قریب ٹھہر گئے اور سید محمد مقیم رامپوریؒ کی قیادت میں غازیوں کی جماعت کو، جو کہ ایک سو افراد پر مشتمل تھی، ڈمگلہ کی طرف روانہ فرما دیا پھر جب چودہ پندرہ سو مقامی لوگ بھی اس جماعت میں شامل ہو گئے۔ مولوی خیرالدین شیر کوٹیؒ، سید محمد مقیمؒ کے مشیر و نائب مقرر کیے گئے تھے۔ دیگر ہتھیاروں کے علاوہ مجاہدین کو بارود سے بھرے ہوئے نل بھی دیئے گئے اور انہیں ہدایت کی گئی کہ سکھ لشکرگاہ میں سب سے پہلے نل پھینکے جائیں اور پھر چھاپہ مارا جائے۔ اس اثناء میں بھی اگر کہیں سکھ مجتمع نظر آئیں تو نل پھینک کر انہیں منتشر کیا جائے۔

سید محمد مقیمؒ بڑی سج دھج اور شان سے غازیوں کی قیادت فرماتے ہوئے سوئے منزل رواں ہوئے لیکن افسوس کہ مقامی لوگوں نے بزدلی دکھائی اور ڈمگلہ پہنچتے پہنچتے پندرہ سولہ سو میں سے صرف تین چار سو رہ گئے۔ تاہم سید موصوفؒ نے کسی پریشانی کا اظہار نہ کیا بلکہ عزم وہمت کا پیکر بنے ہوئے آگے ہی بڑھتے گئے حتیٰ کہ منزلِ مقصود آ پہنچے۔

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جاں کی تو کوئی بات نہیں

حضرت امام صاحبؒ کی ہدایت کے مطابق انہوں نے سب سے پہلے زور و شور سے غل مچا کر لشکرگاہ میں پھینکے اور چشم فلک نے دیکھا کہ چارپائیوں کی مدد سے تمام خندقوں سے کود کر، سکھ لشکرگاہ میں سب سے پہلے قدم رنجہ ہونے کی جرأت بھی اسی جانباز سپہ سالار کے حصے کی۔ انہوں نے قدم رکھتے ہی اس زور سے نعرۂ تکبیر لگایا کہ سکھوں پر پریشانی کا عالم طاری ہو گیا اور وہ سراسیمہ ہو کر مختلف ٹولیوں کی شکل میں جمع ہونے لگے۔ مجاہدین جہاں ان کی کوئی جماعت نظر آتی مجاہدین اس پر تیل پھینک کر منتشر کر دیتے اور جب وہ بھاگنے لگتے تو مجاہدین تلواروں سے انہیں خاک و خون میں لوٹا دیتے غرضیکہ ان جانبازوں نے شجاعتوں اور بے باکیوں کے ایسے ایسے جوہر دکھلائے کہ بقول سید جعفر علی نقوی :-

رستم و اسفندیار کی داستانیں فراموش ہو گئیں اور وہ لوگ جس
طرح سکھوں کے ہجوم میں گھستے تھے، جیسے کوئی کبڈی کھیلتا ہے۔
تین چار غولوں میں جنہیں اسکندر کا لشکر سے، باہر نکال دیا۔

اب غیور مقامی لوگوں نے بھی میدان میں آنا شروع کیا۔ اس لیے نہیں کہ جہاد میں شریک ہوں بلکہ اس لیے کہ مال غنیمت اٹھا کر بھاگ جائیں۔

سکھوں نے صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے پیچھے ہٹ کر بھگدڑ سے چند چھپروں کو آگ لگا دی۔ آگ کی روشنی میں انہیں معلوم ہو گیا کہ مجاہدین تعداد میں بہت کم ہیں اور مقامی لوگ مال غنیمت لوٹ کر بھاگ رہے ہیں۔ چنانچہ وہ مجتمع ہو کر میدان میں آنے لگے۔ مولانا خیرالدین شیرکوٹیؒ نے یہ صورت حال دیکھی تو ایک جماعت کے ساتھ سکھوں کے مقابلہ پر ڈٹ گئے اور دوسرے غازیوں کو حکم دیا کہ تیزی سے اٹھ کر باہر نکل جائیں کیونکہ اس وقت مقابلہ نہ کرنا ہی قرین صواب تھا۔ جب تمام غازی باہر نکل گئے تو مولانا خیرالدینؒ بھی آہستہ آہستہ باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ سکھوں پر اتنی ہیبت طاری تھی کہ انہیں تعاقب کی جرأت نہ ہوئی۔ اس معرکہ میں عبدالحق نگرآبادی اور سید لطف علی کے علاوہ چند دیگر مجاہدین نے بھی جام شہادت

نوش فرمایا۔ چند زخمی ہوئے جن میں سپہ سالار سید محمد مقیم بھی تھے لیکن اس کے برعکس سکھ دو تین سو کی تعداد میں داصل جہنم ہوئے۔

جنگ شنکیاری

مجاہدین کی ایک بڑی جماعت جب ڈمگلہ میں شبخون میں مصروف تھی حضرت امام صاحبؒ کو شنکیاری کے مقام پر اچانک ایک جنگ پیش آگئی۔ آپ کے جانباز رفقاء دو روز سے نانِ جویں تک کو ترس گئے تھے اب تیسرے روز جو انہیں کچھ سامانِ خورد و نوش میسر آیا تو اس سے اپنی گرسنگی کا علاج کرنے لگے کچھ مجاہد کھانے سے فراغت حاصل کر چکے تھے اور کچھ ابھی تک مصروف تھے کہ سکھوں کا ایک گروہ گڑھی شنکیاری سے باہر نکلا۔ حضرت امام صاحبؒ نے جب انہیں دیکھا تو آپ نے سمجھا کہ یہ جنگ کی نیت سے آرہے ہیں۔ آپ نے فوراً مجاہدوں کو مورچے پکڑ کر بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ شاہینیں اور بندوقیں چلنے لگیں، سکھ جب کچھ اور قریب آگئے تو غازیوں نے قرابینوں کو استعمال میں لانا شروع کر دیا اور جب بالکل قریب آگئے تو غازیوں نے اپنی شمشیروں کو بے نیام کر لیا۔ غازیوں کی شمشیروں کی جھنکار اور ان کی ضرب بے زنہار سے سراسیمہ ہو کر سکھ میدان سے بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔

سکھ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے جا رہے تھے کہ ان میں سے ایک نے پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ تو وہ اچانک پکار اٹھا، "ارے بزدلو! یہ تعداد میں بہت تھوڑے ہیں، تم ڈر کر کیوں بھاگے جا رہے ہو؟ چنانچہ وہ پھر لوٹ آئے۔ حضرت امام صاحبؒ کے ساتھ اس وقت صرف بارہ مجاہد تھے، تمام ہمالہ بن کر میدان میں جم گئے، عزیمت اور استقامت کے ان پہاڑوں نے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنا گوارا نہ کیا۔ سکھوں کو مار مار کر کشتوں کے پشتے لگا دیئے حضرت امام صاحبؒ اور آپ کے مٹھی بھر ان جانبازوں نے بے دریغ جسم و جان کی بازی لگاتے ہوئے تاریخِ اسلام کے صفحات پر شجاعت و جوانمردی کی ایسی مثالیں رقم کر دیں جو رہتی دنیا تک جگمگاتی اور قافلۂ اہلِ حق کے کے دلوں کو گرماتی رہیں گی۔

سکھوں کی گولیاں موسلا دھار بارش کی طرح برس رہی تھیں۔ جن کی وجہ سے حضرت امام صاحبؒ کی قبا چھلنی ہو گئی۔ لیکن آپ کے پایۂ استقامت میں قطعاً جنبش نہ آئی۔ آپ نے

مورچے میں پناہ لی اور نہ جنگ روکی بلکہ ہمیشہ تان کر میدان ہی میں جمے رہے۔ امیر خان نے خود آپ کی زبانِ فیض ترجمان سے سن کر روایت کیا ہے کہ:-

مشتکیاری کی جنگ میں سکھ ہم سے بہت قریب آ گئے تھے۔ ایک سکھ تلوار لے کر میری طرف بڑھا۔ میں نے گولی سے اسے ٹھنڈا کر دیا پھر بندوق بھرنے لگا۔ اس اثناء میں دوسرا سکھ آ گیا اسے بھی مار دیا۔ تیسری بار بندوق بھر رہا تھا تو میری انگلی پر گولی لگی اور ہاتھ بندوق کے پیالے سے چھٹ گیا۔ میں نے اس حالت میں بھی بندوق چلا دی۔ ایک اور سکھ مارا گیا۔ چوتھی مرتبہ بندوق بھرنے کا ارادہ کیا تو بارود لہو سے تر ہو گئی۔ چوتھا سکھ مجھ پر حملے کی غرض سے بڑھا مجھے یقین ہو گیا کہ اب زندہ بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ میں نے خالی بندوق کا کندا اس کی طرف پھیر دیا۔ وہ گھبرا کر بھاگ گیا تھا۔

حضرت امام صاحبؒ کی جو انگلی مبارک زخمی ہوئی، وہ چھنگلی تھی۔ آپ اسے رفقاء کو دکھا کر مزاحاً فرمایا کرتے تھے کہ یہ ہماری "انگشتِ شہادت" ہے۔ آوا سے

حدیث

هل انت الا اصبع دميت
وفی سبيل الله ما لقيت

سید جعفر علی نقویؒ، جو کہ آپ کے کاتبِ خاص تھے، فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ چھنگلی انگشتِ شہادت ہے۔ آپ نے فرمایا: ان اگر اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں تو بہتر ہے، ورنہ بہت سی ضربیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کی اللہ کے ہاں کوئی قیمت نہیں ہوتی۔

اس جنگ میں حضرت امام صاحبؒ نے اپنی خداداد شجاعت کے خوب خوب جوہر دکھائے اور بہت سے سکھوں کو واصلِ جہنم کیا۔ اس معرکہ میں دو اڑھائی سو سکھ مقتول ہوئے جب کہ چھ سات مجاہدین نے جامِ شہادت نوش فرمایا اور درجنوں زخمی ہوئے۔

ہشتنگر اور مشتکیاری کی ان جنگوں کی وجہ سے سکھوں پہ وحشت کا عالم طاری ہو گیا۔

کمال خانؒ اور ناصر خانؒ نے تجویز پیش کی کہ اب اگر وہ جاکر طمانیتِ قلب کے ساتھ مزید اقدام کے متعلق غور و فکر کرنا چاہیئے۔ حضرت امام صاحبؒ نے تجویز پسند فرمائی چنانچہ واپسی کے موقع پر شنکیاری، بلغہ، خاکی، بیرکھنڈ اور ملک پورہ کے قریب سے گزرے جب سکھوں کی کوئی گڑھی قریب آتی تو حکم دیتے کہ زور سے نقارہ بجا کر دشمنانِ اسلام کو خبردار کردو کہ اگر کوئی مقابلہ کرنا چاہتا ہے تو میدان میں آجائے۔ اوگی میں آپ نے آٹھ روز قیام فرمایا۔ آپ کا ارادہ تھا کہ سکھوں کی گڑھیوں پر شبخونوں کا سلسلہ شروع کر دیا جائے۔ اسی اثنا میں سید صاحبؒ کا حکم پہنچا کہ ہندوستان سے بہت سے غازی آگئے ہیں لہٰذا آپ تشریف لے آئیں۔ آپ ککلی، شیرگڑھ، نگاپانی اور بروٹی سے ہوتے ہوئے دریا پر پہنچ گئے اور وہاں سے امب، ستھانہ، کھبل اور ٹوپی سے ہوتے ہوئے پنجتار تشریف لے آئے۔

جنگِ اوتمان زئی

پنجتار سے نکلنے کے بعد مختلف مقامات کے دورے کرتے ہوئے حضرت امام صاحبؒ اور حضرت سید صاحبؒ جب دریائے سوات کے مشرقی کنارے پر سوات زیریں کے مشہور مقام خہر کی طرف جا رہے تھے تو درانیوں کی طرف سے ایک لشکر مقابلے کے لیے آدھمکا، لیکن یہ حضرات انہیں طرح دیتے ہوئے آگے نکل گئے۔ ابھی تک خہر میں ہی مقیم تھے کہ خبر ملی کہ درانیوں کا چار ہزار کا لشکر اپنے توپ خانہ سمیت دریائے لنڈہ عبور کرکے اوتمان زئی میں ڈیرے ڈال چکا ہے اور مجاہدین سے بر سرِ پیکار ہونے کے لیے موقع کی تلاش میں ہے۔

جب اس خبر کی تصدیق ہوگئی تو امیر المجاہدین حضرت سید صاحبؒ نے بھی کوئی اقدام کرنے سے قب [illegible] رام اور خوانین سے مشورہ کیا۔ غور و فکر کے بعد طے پایا کہ اوتمان زئی میں موجود لشکر سے معرکہ آرائی کے بجائے پشاور کا رخ کرنا چاہیئے تاکہ فتنہ و فساد اور بغاوت کی جڑوں کو بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ لیکن ابھی ٹوٹئی ہی پہنچے تھے کہ اوتمان زئی پر شبخون مارنے کا فیصلہ کرلیا گیا۔ کیوں کہ اس کے بغیر چارۂ کار ہی نہ تھا؛ چنانچہ حسبِ ضرورت مجاہدین میں ساز و سامانِ حرب کے علاوہ، ایک سیر آٹا، ایک پاؤ گھی اور ایک پاؤ گڑ فی کس کے حساب سے سامانِ خورد و نوش بھی تقسیم کر دیا گیا۔ پورے لشکر کے دو فریق

بنا دیئے گئے، جن میں سے ایک کی قیادت کے فرائض سید صاحبؒ انجام دے رہے تھے اور دوسرے کی قیادت کے فرائض امام صاحبؒ۔

سید جعفر علی نقوی نے لکھا ہے کہ لشکر اسلام بوقت عصر ڈگی سے روانہ ہوا۔ باہر نالے پر پہنچ کر نفوس قدسیہ پر مشتمل یہ جماعت نماز عصر کے لیے صف آرا ہوئی۔ سید صاحبؒ نے امامت کے فرائض سر انجام دیئے۔ نماز سے فراغت کے بعد سید صاحبؒ نے امام صاحبؒ کی جماعت کو الوداع کیا اور ایک ایک غازی سے مصافحہ فرمایا۔ امام صاحبؒ کی جماعت کو دشمن کے میمنہ پر حملہ آور ہونا تھا جب کہ میسرہ سید صاحب کی جماعت کے لیے تھا۔ دونوں جماعتوں کو یہ بھی ہدایت کر دی گئی تھی کہ درانیوں میں سے جو شخص ہتھیار سے تمہارا مقابلہ کرے اسے قتل کر دو، جو کوئی امان طلب کرے اسے چھوڑ دو اور جو راہ فرار اختیار کرے اس کا تعاقب مت کرو۔ حضرت امام صاحبؒ اپنی جماعت کی قیادت کرتے ہوئے منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گئے اور اپنی جماعت کو لے کر بڑی دانائی سے درانی لشکرگاہ کے میمنہ پر پہنچ گئے۔ جہاں سے صرف ایک گولی کی مار کا فاصلہ تھا، آپ نے اپنے جانباز رفقاء کو تاکید فرما دی کہ جب تک میں گولی نہ چلاؤں تم میں سے کوئی بھی نہ چلائے۔ وہاں سے صرف ان غازیوں کو ہمراہ لے کر جن کے پاس سواری کا انتظام تھا، آپ آگے بڑھے۔ جب بھی دشمن کے لشکر پر پہنچ گئے تو سنتری نے آپ کو دیکھ کر آواز دی کہ کون ہے؟ آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس نے دوسری بار آواز دی مگر آپ پھر بھی چپ رہے۔ اس نے تیسری بار آواز دی۔ جب تیسری بار بھی اسے کوئی جواب نہ ملا تو اس نے گولی چلا دی اور چیختا چلاتا ہوا کہ سید صاحبؒ کے غازی آ گئے اپنے لشکر کی طرف بھاگ گیا۔ حضرت امام صاحبؒ نے بلند آواز سے نعرۂ تکبیر لگایا اور غازیوں کو حملہ کا حکم دے دیا۔ آپؒ تمام لشکر سے آگے تھے۔ درانی گولہ انداز نے توپ داغنی چاہی۔ امام صاحبؒ تمام ساتھیوں سمیت زمین پر بیٹھ گئے۔ اس تدبیر سے توپ کا گولہ غازیوں کے سروں کے اوپر سے گزر گیا اور کسی قسم کا نقصان نہ ہوا۔ پھر آپ نے اس مستعدی سے حملہ کیا کہ دوسری بار گولہ چھٹنے سے قبل ہی گولہ انداز کو تہ تیغ کر دیا اور توپ اپنے قبضہ میں لے لی۔ تمام درانی میدان جنگ سے فرار ہو کر ایک ٹیلے پر پناہ گزین ہو گئے۔ مولانا محمد جعفر تھانیسری نے لکھا ہے کہ :

"گولہ انداز نے مہتابی روشن کر کے چاہا کہ توپ چلائے۔ مولانا (امام صاحبؒ) نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور ڈانٹ کر فرمایا کہ توپ کا منہ دُرّانیوں کے لشکر کی طرف پھیر دو۔ اس نے مارے خوف کے آپ کے حکم کی تعمیل کی اس کے بعد آپ نے دوسری توپ پر بھی قبضہ کر لیا اور گولہ انداز کو تلوار سے قتل کر دیا۔"[۴۳]

"سید صاحبؒ کو اطلاع ملی تو اس فتح پہ بارگاہِ الٰہی میں دوگانہ شکر ادا کیا۔ توپیں اس ٹیلے کے سامنے نصب کرا دیں۔ جن پہ دُرّانی جمع ہو گئے تھے غازیوں کو دو حصوں میں بانٹ کر صبح کی نماز ادا فرمائی۔ خیال تھا کہ دُرّانی جمع ہو کر حملہ کر دیں گے سید صاحبؒ نے جا بجا چار مورچے بنوا کر غازیوں کو ان میں بٹھا دیا اور اس تواتر سے باڑھیں مارنے کی تاکید کر دی، کہ دُرّانیوں کو اپنی جگہ سے جنبش کرنے کی بھی ہمت نہ ہوئی پھر خود توپ کھنچوا کر ایک اُونچی جگہ لائے، بھروائی، خود نشست باندھی اور میرزا حسین بیگ کو حکم دیا کہ اب گولے پھینکو، پہلے ہی گولے سے دو سوار اُڑ گئے۔ دُرّانی ٹیلے سے اُتر کر پیچھے کی طرف جا بیٹھے"

"دن بھر لڑائی جاری رہی خدا کے فضل سے کسی غازی کے خراش تک نہ آئی پاس تالاب تھا غازی اسی پہ وضو کرتے اور دو جماعتوں میں بٹ کر نمازیں پڑھتے رہے۔ مغرب کے وقت دُرّانیوں کی طرف سے گولیوں کی شدید بارش شروع ہو گئی اس وقت تک شاہینیں بھی انہوں نے فراہم کر لی تھیں۔ اب یہ تجویز پیش ہوئی کہ دشمن پہ بائیں جانب سے حملہ کیا جائے ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ میرزا حسین بیگ نے توپ سے گولے پھینکنے شروع کیے دُرّانیوں کے نقصانِ جان کا حال تو معلوم نہ ہو سکا، لیکن پھر ان کی شاہینوں سے کوئی گولہ نہ آیا۔"[۴۳]

اس جنگ میں حضرت امام صاحبؒ نے اپنی خداداد شجاعت و جوانمردی کا خوب مظاہرہ

فرمایا۔ اپنے سے چار گنا زیادہ لشکر کو شکستِ فاش دی۔ اس کی توپوں اور دیگر سامانِ حرب کو بھی اپنے قبضہ میں لے لیا، بے شمار دُرانیوں کو اپنی شمشیرِ بُرّاں سے قتل کرتے ہوئے کُشتوں کے پُشتے لگا دیئے اور بے شمار مالی نقصان سے بھی دشمن کو دو چار ہونا پڑا اور لطف یہ کہ حزبِ محمدؐ اور اللہ کے سپاہیوں میں سے کسی کو بھی کوئی تکلیف نہ پہنچی مگر افسوس کہ ایسی بے مثال فتح و نصرت کے باوجود آستین کے سانپ عین وقت پر ڈس گئے۔ سردار عالم خاں رئیس اوتمان زئی اور اہلِ خیبر نے یہاں بھی میر جعفر کا سا کردار ادا کیا اور دُرّانیوں سے مِل گئے۔ اس وجہ سے اب پشاور کی طرف پیش قدمی کرنا ناممکن تھا اور بغیر اس کے کوئی چارہ کار ہی نہ تھا کہ مجاہدین واپس چلے جائیں اور کسی مناسب موقع کا انتظار فرمائیں۔

اب میدانِ جنگ سے غازیوں کو حفاظت کے ساتھ واپس لے جانا بھی کوئی آسان کام نہ تھا۔ سیّد صاحبؒ نے چند غازیوں کو مورچوں میں بٹھا کر باقی تمام کو درختوں کے اس جھنڈ میں جمع ہونے کا حکم دیا جو اوتمان زئی سے دو تین فرلانگ کی مسافت پر تھا۔ جب اکثر و بیشتر مجاہد اس جھنڈ میں جمع ہو گئے تو سیّد صاحب نے پچاس آدمیوں کو روک لیا اور باقی تمام کو حضرت امام صاحبؒ کی قیادت میں جلالہ روانہ فرمایا۔ تھوڑی دیر کے بعد مورچہ میں پناہ گزین غازیوں کے پاس سیّد ابو محمدؒ کو بھیجا اور انہیں بھی بُلا لیا جب تمام واپس آ گئے تو پھر خود سیّد صاحبؒ بھی واپس تشریف لے آئے۔ دوسری طرف دُرّانی شب خون کے خوف سے تمام رات کانپتے رہے۔ جب سُورج طلوع ہوا تو بستی کے لوگوں نے دُرّانیوں کو بتایا کہ غازی تو واپس چلے گئے ہیں لیکن ان پر خوف و ہراس اس قدر طاری تھا کہ انہیں دوپہر تک بستی کے قریب آنے کی ہمت نہ ہوئی کیونکہ وہ یہی سمجھتے رہے کہ غازی کہیں چھپے بیٹھے ہیں۔ نامعلوم کب ہم پر ٹوٹ پڑیں؟

اس جنگ کے بعد سیّد صاحبؒ نے امام صاحبؒ کے مشورہ سے میاں جی محی الدین[۷۵] چشتی کو دو آدمیوں[۷۶] کے ہمراہ ایک نامہؐ دے کر امیرِ بخارا کے پاس روانہ فرمایا اور ایک قرآن مجید مُطلّا بطور ہدیہ بھی بھیجا۔

بیعتِ شریعت

سیّد صاحبؒ اور امام صاحبؒ نے جب سرحد کو قدوم میمنت لزوم سے نوازا تو انہیں یقین تھا کہ اہلِ سرحد دیگر

مسلمانانِ ہند کی نسبت تدین اور اسلام کے لیے جاں نثاری میں آگے بڑھے ہوئے ہیں لیکن دو سال بعد ہی یہ خوش فہمی غلط ثابت ہوئی اور معلوم ہو گیا کہ ان لوگوں کا اسلام بھی محض رسمی ہے اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ اہلِ سرحد کا ایک اجتماع بلا کر انہیں احکامِ شریعت کی پابندی اور غلط رسم و رواج کے ترک کی تلقین کی جائے۔ اجتماع کے انعقاد کے لیے جب مناسب جگہ کے انتخاب کا مسئلہ زیرِ غور آیا تو فتح خاں رئیس پنجتار اور اشرف خاں رئیسِ زیدہ نے اپنے اپنے علاقے میں اجتماع منعقد کرنے کی پیش کش کی، چنانچہ پنجتار کو زیادہ مناسب خیال کرتے ہوئے فیصلہ کیا گیا کہ یہاں اجتماع منعقد کیا جائے۔

یہ اجتماعِ عظیم یکم شعبان ۱۲۴۴ھ (۶ فروری ۱۸۲۹ء) بروز جمعۃ المبارک منعقد ہوا جس میں زعماء، خوانین اور اکابر کی کثیر تعداد کے علاوہ تقریباً دو ہزار علماء کرام اور اتنے ہی ان کے تلامذہ نے شرکت فرمائی۔ افتتاحی تقریر سید صاحب کی تھی اور آپ کے بعد امام صاحبؒ نے نہایت ولولہ انگیز اور ایمان خیز خطاب فرمایا۔

"غالباً ۱۵ شعبان ۱۲۴۴ھ (۲۰ فروری ۱۸۲۹ء) کو جمعہ کے دن پھر ایک اجتماع ہوا جو فتح خاں کے قبیلے کے افراد پر مشتمل تھا۔ خان نے ان سب کو بیعتِ شریعت کی ترغیب دی اور انہوں نے بہ طیبِ خاطر نظامِ اسلامی کی پابندی قبول کر لی۔ پھر مختلف علاقوں کے لیے سید صاحبؒ نے قاضی مقرر فرما دیئے۔ مولوی سید محمد حبان کو قاضی القضاۃ بنایا گیا۔ ملا قطب الدین ننگرہاری کو احتساب کا کام سونپا گیا۔ اور تیس تفنگچی ان کے ساتھ مقرر ہو گئے۔ وہ قریہ بہ قریہ اور دیہ بہ دیہ دورہ کرتے رہتے جہاں کوئی امر خلافِ شرع پاتے، اس کا انسداد[۷۹] کرتے"

اس بیعت کے خاطر خواہ نتائج ثابت ہوئے اگرچہ کتبِ تاریخ تمام تفصیلات بیان کرنے سے تو خاموش ہیں تاہم متفرق روایات سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ برکات و حسنات کے اعتبار سے یہ بیعت کس قدر نتیجہ خیز ثابت ہوئی مثلاً محمد جعفر تھانیسریؒ لکھتے ہیں۔

"ان تمام علاقوں میں جن کے باشندوں نے یہ عہد کیا تھا، کوئی مرد عورت

سب تیزی سے دور ہوا اور تمام تنازعے اور فتنے اندر سے شریعت محمدی کی
تابعوں کے تعمیل ہونے لگے۔ تھوڑے ہی دنوں میں یہ ملک رشک
عرب ہو گیا۔ چوری چکاری، زناکاری اور قتل و خون وغیرہ جرائم کا
نام مٹ گیا۔ شریعت پر چلنے کی برکت سے لوگوں کے دلوں میں ایسا ایمان
اور اخلاص پیدا ہوا کہ انہوں نے خوشدلی سے اسلام کو اپنی پیداوار
کا عشر یا دسواں حصہ بخوشی قبول کر لیا تھا

مجاہدین نے جو کہ سکھوں کے خلاف پنجتار کو اپنا مرکز بنایا جس کی وجہ سے فتح خان رئیس پنجتار کی عزت میں اضافہ ہوا لیکن رئیس ہنڈ خادے خان کو یہ اعزاز پسند نہ آیا بلکہ وہ آتش حسد میں یہاں تک جل اٹھا اور اسلام دشمنی پر شریعت کے نفاذ سے اسے یہاں تک نفرت و عداوت پیدا ہو گئی کہ اس نے مجاہدین کے خلاف سکھوں سے ساز باز کرنے میں بھی دریغ نہ کیا۔ سید صاحب ابھی غور ہی فرما رہے تھے کہ کیا طریق اختیار کیا جائے، اسی دوران آپ کو معلوم ہوا کہ خادے خان لڑائی کے انتظام مکمل کر کے اشرف خان رئیس زیدہ سے برسر پیکار ہونے کے لیے پر تول رہا ہے۔ سید صاحب نے امام صاحب کو دو سو مجاہدین کے ہمراہ معاونت کے لیے روانہ فرما دیا۔ آپ جب زیدہ پہنچے تو سمت منصور کی طرف سے گولیاں چلنے کی آواز آئی۔ آپ فوراً وہاں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ اشرف خان اپنے لشکر کی معیت میں زیدہ کی طرف رخ کیے ہوئے بڑھنے کی تیاری کر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ خان بھائی! یہ لڑائی کیوں ہے؟ ہم تو حضرت سید صاحب کے حکم سے مصالحت کے لیے آئے ہیں۔ اشرف خان نے کہا۔ ہم تو سید صاحب کے فرمان کے مطابق اپنی گڑھی میں اقامت پذیر تھے کہ صبح کی اذان کے ساتھ ہی خادے خان بھی اپنے لاؤ لشکر سمیت میدان میں آ گیا اور مجبوراً ہمیں بھی دفاع کرنا پڑا لیکن ہم ابھی تک اپنی سرحدوں پر بھی نہ پہنچنے پائے تھے کہ خادے خان کے لشکر کی طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ آنا شروع ہو گئی۔ ہم نے بھی جواب دیا۔ کچھ دیر لڑائی کے بعد خادے خان کے ساتھی میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کر گئے۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم ہر تکلیف سے محفوظ و مامون رہے۔ مگر افسوس کہ نیک نیت و خوش اخلاق اور مجاہد

سے ساتھ الفت و محبت رکھنے والا تھیں حسرت و شادمانی کا اظہار کرتے ہوئے ، اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے جا رہا تھا کہ سرِ شام منصورہ کے قریب پہنچ کر گھوڑا گر گیا اور زین کا جو ناخان صاحب کے سینہ میں پیوست ہو کر جان لیوا ثابت ہوا ۔ میت کو زیدہ لے جایا گیا۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ خادے خاں بھی وہاں پہنچ کر شریک جنازہ ہوا۔ جب تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد تمام لوگ مسجد میں جمع ہوئے۔ تو امام صاحبؒ نے آپ کے محامد و مناقب بیان فرمائے اور پھر مغفرت کے لیے دعا فرمائی۔

خادے خاں کو نفرت و عداوت نے اس حد تک پہنچا دیا کہ اس نے مہاجرین کے خلاف سکھوں سے امداد کی درخواست کر دی۔ سکھوں نے اس کی درخواست کو قبول کیا اور اس کی امداد کے لیے ایک بہت بڑا لشکر بھیج دیا۔ یہ لشکر فرانسیسی جنرل ونٹورا کی زیر کمان ، راستے میں واقع دیہاتوں پر ظلم و تشدد کا بازار گرم کرتے ہوئے پہلے حضرو پہنچا مولانا تھانیسری نے فرانسیسی جنرل ونٹورا کی فوج کشی کی تفصیل ، ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

سردار خادے خاں حسب الطلب سکھوں کی فوج کا ایک فرانسیسی جنرل ونٹورا صاحب مع فوج کثیر کے پہلے حضرو پہنچا۔ سردار خادے خاں ایک گھوڑا اور باز اور چند تحفے معمولی نذرانے لے کر حضرو میں اس کے پاس حاضر ہوا اور دیگر خوانین سمہ کی شکایت کر کے درخواست کی کہ حضور دریائے اباسین عبور کر کے ملک سمہ میں رونق افروز ہوں اس وقت سب سرداران سمہ اطاعت اختیار کر لیں گے ۔ ونٹورا صاحب دریائے اباسین سے عبور کر کے اول ہنڈ ریاست خادے خاں میں آیا اور وہاں سے پنجتار تک آنے کا قصد کیا۔ ونٹورا صاحب کے ساتھ تقریباً دس پندرہ ہزار فوج اور توپخانہ اور رسالہ بھی تھیں جب سید صاحبؒ کو اس کے آنے کی خبر پہنچی تو آپ نے ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان جہاں سے پنجتار میں آنے کی راہ تھی ایک دیوار طویل تقریباً قدآدم تیار کرا کے اس پر مورچے اور برج بنوائے اس دیوار کی تیاری میں خندق مدینہ کی طرح خود سید صاحبؒ اپنے ہاتھوں سے کام کیا کرتے تھے ۔

جب یہ دیوار تیار ہو گئی تو جا بجا ہندوستانی اور قندھاری آدمیوں کے اس پر پہرے مقرر کیے گئے ۔ ایک رات کو سو سواران ۔ نے خبر دی کہ لشکر کفار دروڈ کو تک آ پہنچا

سکھوں کی آمد کی خبر آگ سے شعلے اور دھواں ہوتا تھا جس قدر وہ بڑھتے تھے دیہات اور بستیوں کو پھونکتے اور مسجدوں اور مدرسوں کو گراتے جاتے تھے [illegible] پنجاب ہی نہیں [illegible] پر سے ظالموں کی راہ کی علامت [illegible] سے نہیں آگ اور دھواں کی [illegible] ہوتا ہے ہمیں [illegible] انسان نے [illegible] حق ہے۔

اللّٰھم زد فزد"

جب پنجتار پر سکھوں کے حملے کا خطرہ شدت اختیار کر گیا تو [illegible] بھی تھا۔ سے پہلے [illegible] سید صاحب نے مولانا خیر الدین شیر کوٹی کو تین سو مجاہدین کا قافلہ بنا کر [illegible] کی حفاظت کے لیے بھیج دیا تھا۔ جو لوگ [illegible] سے باہر خیمہ زن ہو گئے تھے۔ حضرت سید صاحب نے آیت بیعت الرضوان کی تلاوت کر کے [illegible] بیعت جہاد [illegible] کے ساتھ بیان کر کے [illegible] فرمایا کہ میرا آپ کا دل چاہتا ہے [illegible] بیعت کر کے [illegible] پہنچائے۔ سید صاحب خود [illegible] سو آدمیوں نے سید صاحب کے دست حق پرست پر بیعت کی اور کفار کے مقابلہ پر شجاعت و جوانمردی کے خوب خوب جوہر دکھانے کا عزم بالجزم کیا۔ سکھوں کی فوج مجاہدین کے مغربی طرف دو ڈھائی کوس کے فاصلہ پر پہنچ گئی [illegible] انہوں نے دیکھ لیا ہے جب لشکر اسلام کا جائزہ لیا تو اس پر [illegible] سلطان [illegible] کے [illegible] ہیبت طاری ہو گئی۔ اس نے فورا خادو خان کو بلا کر کہا کہ تو نے مجھے دھوکہ دیا ہے پنجتار میں تھوڑے سے آدمی ہیں۔ اب یہ اتنا بڑا لشکر کہاں سے آ گیا؟ مجھ میں تو اس کے مقابلہ کی تاب نہیں [illegible] مقابلہ کرنے کی صورت کیا ہے رنجیت سنگھ کی طرف سے [illegible] کا بھی خطرہ تھا اس لیے وہ [illegible] پہاڑ سے نیچے اترا اور فوج سے [illegible] کے لیے [illegible] قریب پہنچ گیا [illegible] دیوار کی [illegible] تھے جنہوں نے پہاڑ پر چڑھ کر [illegible] سکھوں کے [illegible] حملے سے باخبر کیا۔ سید صاحب نے [illegible] لشکر کفار [illegible] ہو گئے [illegible] اور [illegible] تو لشکر اسلام نے بڑی شجاعت اور دلیری کے ساتھ پیش قدمی شروع کر دی۔ مجاہدین کے جوش و خروش کو دیکھ کر [illegible] اور اس کے ساتھیوں نے راہ فرار میں عافیت محسوس کی اور میدان سے بھاگنا شروع

کردیا۔ مجاہدین نے درہ کے انتہا تک ان کا تعاقب کیا اور کئی بھاگتے سکھوں کو واصلِ جہنم کر دیا۔

اگرچہ وقتی طور پر سکھوں کا خطرہ ٹل گیا اور ان کے مقابلے میں مسلمانوں کو فتح و نصرت نصیب ہوئی لیکن سازشوں اور شرارتوں کے خاتمہ کے لیے سید صاحبؒ نے ایک مجلس شوریٰ منعقد کی جس میں امام صاحبؒ کے علاوہ کئی دوسرے اکابر نے بھی شرکت فرمائی اس مجلس میں سب سے پہلے جہاد فی سبیل اللہ کے مقاصد اور اہمیت و عظمت پر سید صاحبؒ نے روشنی ڈالی اور سردار یار محمد خاں اور خادے خاں کی سازشوں کا دکھ بھرے لہجے میں ذکر کیا۔ سید صاحب کی اس تقریر کو سن کر سردار فتح خاں نے تجویز پیش کی کہ۔ آپ سمہ کے علماء اور سادات و خوانین کا ایک اجتماع بلا کر یہی باتیں بیان فرمائیں۔ چونکہ وہ لوگ آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کر چکے ہیں لہذا ان کی معاونت سے اس سلسلہ میں ضرور کوئی مؤثر اقدام کیا جا سکتا ہے۔" سید صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ یہاں کے رئیس ہیں، لہذا ہماری طرف سے، آپ دعوت نامے ارسال فرمادیں، چنانچہ جمعۃ المبارک کے دن کا تعین کر کے جگہ جگہ آدمی بھیجے گئے، جس کے نتیجہ میں تین ہزار سے زیادہ لوگ جمع ہو گئے۔ پنجتار کی بستیوں کے لوگوں نے اشیاء خورد و نوش جمع کر کے امام صاحبؒ کے پاس پہنچا دیں کیوں کہ دعوت کا اہتمام بھی آپ کے سپرد تھا۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا یہ جمعۃ المبارک کا دن تھا، قاضی احمد اللہ میرٹھی نے خطبہ پڑھا۔ نماز کے بعد سید صاحبؒ نے تقریر فرمائی، جس میں آپ نے پہلے تو حصولِ معاش کے لیے لوگوں کی مساعی لیکن فریضۂ جہاد سے غفلت کا ذکر کیا، پھر دار الحرب ہند سے ہجرت کر کے دار الامان میں جا کر کفار سے جہاد کرنے کے حکم کا تذکرہ فرمایا اور اسی ضمن میں رنجیت سنگھ نے مسلمانوں پر آلام و مصائب کے جو پہاڑ توڑے، ان کی طرف بھی اشارہ کیا۔ پھر آپ نے خاص طور پر علماء سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا۔

> ”آپ لوگوں نے ہمیں جگہ دی، ہمارے ہاتھ پر امامت کی بیعت کی آپ کے مشورے کے مطابق اس مقام سے جہاد شروع ہوا۔ اب آپ مساعی جمیلہ سے دست کش ہو رہے ہیں، حالانکہ آپ کو وارث الانبیاء کہا گیا ہے اس کا سبب کیا ہے[۸۵]۔“

سید صاحبؒ کی اس تقریر دل پذیر کا خاطر خواہ اثر ہوا، آنکھوں سے آنسو امڈ آئے اور دل میں اسلامی حمیت کے دریا رواں ہو گئے۔ تقریر ختم کرنے کے بعد دعا فرمائی اور پھر امام صاحبؒ سے تقریر فرمانے کے لیے کہا اور لوگوں سے بھی کہا کہ آپ جو فرمائیں اسے بھی ذرا سنیئے، اگر کسی کے دل میں شک ہو وہ اسے صاف کر لیا جائے۔ حضرت امام صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے خطابت کا خصوصی ملکہ عنایت فرمایا ہوا تھا۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے آپ نے اپنے مخصوص فصیح و بلیغ انداز میں جب خطابت کے جوہر دکھانا شروع کیے تو گویا سامعین میں سے ہر ایک کی زبان پر بے ساختہ یہ شعر ورد کرنے لگا۔ ؎

چہ جادوئیست ندانم بہ طرز گفتار تحشی
کہ باز بست ز دل ہستی طراز ال ما

آپ نے اپنی اس تقریر میں یہ آیۂ مبارکہ

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔"	اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے صاحب امر لوگوں کی بھی۔

کی انتہائی شرح و بسط کے ساتھ تفسیر فرمائی۔ پھر علماء سے استفسار کیا کہ کیا اس آیت شریفہ کی رو سے امام کی اطاعت فرض نہیں؟ سب نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر آپ نے فرمایا: باغی کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ سب نے اسے باغی قرار دیا۔ پھر آپ نے بغاوت کے سلسلے میں شرعی احکام کے متعلق استفسار فرمایا تو تمام علماء نے فتویٰ دیا کہ باغیوں کی سزا قتل ہے اور اس فتویٰ پر اپنی اپنی مہریں بھی ثبت کر دیں۔ پھر امام صاحبؒ نے علماء سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"ہمارا قصور وار آپ کا ہے، اس ملک کے تمام خزائن آپ کے زیر فرمان ہیں لیکن آپ انگریز ظالم کی مداہنت سے کام لے رہے ہیں، ورنہ یہ غدار پیدا نہ ہوتے"

پھر آپ نے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ دعا فرمائی تمام لوگ اس میں شریک تھے۔ علماء کے فتویٰ کی روشنی میں جب غدار سلطان کا قلق و اضطراب اور بے چینی شرمندگی کا احساس بڑھ

گیا تو وہ غلبی سے اتر کر چلا گیا اور اپنے اعوان کی اصلاح کے بجائے وہ اور بھی زیادہ جارحانہ رویہ اختیار کرتا گیا۔ عصر کی نماز کے بعد فتح خان رخصت ہو گئے۔ [illegible] دن میں [illegible] خان آیا تھا سید صاحب نے رات گزارنے [illegible] جب شیخ رخصت ہو رہا تھا [illegible] سے بہت کھانے کی کوشش کی مگر وہ قطعاً راضی [illegible] ہو کر آ گیا۔

جنگِ پنجتار

جرنیل ونٹورا جب سید صاحب جناب سے فرار ہو کر لاہور گیا تو وہاں [illegible] اس پر [illegible] کا انتقام لیا گیا چنانچہ اس نے پنجتار سے [illegible] کے لیے جتنا [illegible] کیا [illegible] شروع کر دی ادھر یار [illegible] خان اس کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے بالکل تیار تھا۔ ایک دن شب کو دو سو آدمیوں نے نماز فجر کے وقت دشمن کے [illegible] پہنچ جانے کی خبر دی۔ نماز سے فراغت کے بعد سید صاحب نے بھی مجاہدین کو تیاری کا حکم دے دیا۔ دن ہوا تو معلوم ہوا [illegible] کی فوج [illegible] ہے۔ [illegible] ہوئے بادل نظر آتے تھے [illegible] عورتوں کی غارت گری [illegible] کی [illegible] کر رہے تھے۔ سید صاحب نے مرزا احمد بیگ کو [illegible] والی دیوار کی طرف پیچھے ہونے کا حکم دیا تھا کہ [illegible] جب [illegible] آ جائے [illegible] مقابلہ نہ کیجئے [illegible] طرف [illegible] جب سکھوں کا لشکر [illegible] سے [illegible] ہو جائے تو قریب [illegible] سے حملہ کرنا [illegible] اس جنگ میں مجاہدین کی تعداد دو سو کے قریب تھی جب کہ لشکر [illegible] کئی [illegible] تھا۔

حضرت امام صاحب نے موقع [illegible] کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے بیعت جہاد کی تجدید کی [illegible] بیعت کے فضائل نہایت مؤثر و دل نشین انداز میں بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

اس وقت سب صاحب حاضر ہیں۔ حضرت امیر المؤمنین کے دست مبارک پر آج بیعت خالص سے بیعت کریں [illegible] اللہ زندہ جان [illegible] لگا [illegible] ہیں [illegible] سید عبداللہ [illegible] شہید ہو جائیں گے [illegible] جو صاحب [illegible] شہید ہوں گے [illegible] اور جو زندہ بچیں گے وہ اعلیٰ مراتب کے غازی ہوں گے۔

سب سے پہلے [illegible] نے بیعت کی۔ پھر ان کے [illegible] جو حضرت سید صاحب کے قریب تھے۔ [illegible] نہیں جانتے تھے، انہوں نے [illegible] سید صاحب نے [illegible] ہاتھ [illegible] بیعت کر لی۔ ان کے بعد سید صاحب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن اس کے باوجود ونٹورا کو یوں محسوس ہوا کہ دونوں طرف کے ٹیلوں پر مجاہدین کا ایک انتہائی عظیم الشان لشکر جرار فروکش ہے؛ چنانچہ یہ منظر دیکھ کر بادلِ نخواستہ اس نے اپنی فوج کو پیش قدمی کا حکم دیا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خادے خاں نے جنرل ونٹورا کو یقین دلا رکھا تھا کہ مجاہدین کی کسی بڑی جماعت سے مقابلہ نہیں ہو گا کیوں کہ پنجتار میں وہ انتہائی معمولی تعداد میں ہیں۔ مجاہدین اسلام کی ہیبت و شوکت سے مرعوب ہو کر جب اسے اڑھائی تین ہزار کی تعداد بھی ایک بہت بڑی تعداد نظر آنے لگی تو وہ خادے خاں سے بہت خفا ہوا بالآخر جب ونٹورا نے اپنی فوج کو پیش قدمی کا حکم دے دیا تو اسلامی فوج بھی برات کی طرح خوش خوش آگے بڑھی سکھ فوج کے ابتدائی دستے دفاعی دیوار کو پیوندِ خاک کرنے کے ناپاک عزم سے آگے بڑھے۔

امیرالمومنین حضرت سید صاحبؒ نے میرزا حسین بخش کو شاہینوں سے سکھ لشکر پر گولے پھینکنے کا حکم دیا۔ پہاڑیوں کی چوٹیوں پر بیٹھے ہوئے اللہ کے سپاہی بھی اب نیچے اتر آئے اور تمام لشکرِ اسلام میدان میں جم کر کھڑا ہو گیا۔ سکھ بار بار ان کی ہمت کی مضبوط و مستحکم چٹان سے ٹکرائے اور ہر بار پیچھے ہٹ گئے۔ مجاہدین کے تابڑ توڑ حملوں سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا پہاڑوں کا ایک ایک پتھر حرکت میں آگیا ہے۔ ونٹورا نے غازیوں کی شجاعت کو دیکھا تو اپنی فوج کو واپسی کا حکم دے دیا اس معرکہ میں دو سکھ واصلِ جہنم ہوئے اور حزبِ محمدؐ میں سے کسی کے خراش تک نہ آئی۔ سید صاحبؒ کو مجاہدین کی فتح و نصرت اور سکھوں کی میدان سے پسپائی کا علم ہوا، تو وہی کیا جو اللہ والے کیا کرتے ہیں یعنی اپنے رب کے حضور جھک گئے اور شکرانے کے دو نفل ادا فرمائے ادھر ونٹورا کے دل پر اس قدر ہیبت طاری ہوئی کہ وہ فوراً لاہور بھاگ گیا۔

تنگی پر شبخون

خادے خاں کا رویہ اگرچہ انتہائی مایوس کن تھا، تاہم سید صاحبؒ اس کے راہِ راست پر آجانے کے ہی متمنی تھے سید صاحبؒ نے ایک قاصد کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ پنجتار میں آکر مجھ سے ملاقات کرو۔ خادے خاں نے جواب دیا کہ میں پنجتار کے بجائے سلیم خاں میں آسکتا ہوں۔ سید صاحبؒ نے اسے بھی تسلیم فرمالیا اور تین سو غازیوں کو ہمراہ لے کر تشریف لے گئے۔ خادے خاں چار یا پانچ دن کے بعد ساٹھ سواروں اور چار سو پیادوں کے ساتھ آیا۔ ملاقات کے لیے جگہ کا تعین ہوا تو سید صاحب جانے کے لیے تیار ہو گئے لیکن کچھ

دیگر اصحاب اور حضرت امام صاحبؒ نے اختلاف کیا اور خود جانے کے لیے اجازت طلب کی جس پر سید صاحبؒ نے اجازت عنایت فرما دی تو حضرت امام صاحبؒ ایک سو غازیوں کے ہمراہ مقررہ جگہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب تھوڑا سا فاصلہ رہ گیا تو آپ نے [illegible] آدمیوں کو خادے خان کے پاس بھیجا۔ اس نے کہلوا بھیجا کہ تین چار آدمی لے کر آ جائیں۔ لیکن تعداد زیادہ ہونے پر اصرار کیا کہ آپ تین چار ساتھیوں کے ساتھ آ جائیں۔ ساتھیوں نے کہا خادے خان بڑا حیلہ باز آدمی ہے لیکن آپ نے ان تمام ساتھیوں کو سمجھا کر مطمئن کر دیا کہ آپ کسی قسم کے اندیشے میں مبتلا نہ ہوں خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا۔ بہرکیف حضرت امام صاحبؒ تین چار رفقاء کی معیت میں خادے خان کے پاس تشریف لے گئے اور جو گفتگو ہوئی اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

حضرت امام صاحب: خان بھائی! آپ سے یہ توقع نہ تھی کہ اپنے مسلمان بھائیوں کے مقابلے میں سکھوں کو لے آئیں گے۔ آپ نے یہ بہت برا کیا ہے۔ یہ تو بغاوت کے مترادف ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ آپ اپنے کیے پر ندامت کے آنسو بہائیں اور بارگاہ ایزدی میں توبہ کریں۔ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ اللہ غفور رحیم ہے وہ گناہوں پر قلم عفو پھیر دے گا ورنہ ذلت و رسوائی کے بغیر کچھ نصیب نہ ہوگا۔

خادے خان! مولانا خفا نہ ہوں۔ ہم لوگ دنیا دار ہیں۔ سید بادشاہ کی طرح کوئی ملا مولوی نہیں اور ہمارا اور سید صاحبؒ کا راستہ الگ الگ ہے۔ ہم پٹھان لوگ سید بادشاہ کی شریعت پر ہرگز ہرگز نہیں چل سکتے۔ لہٰذا جو کچھ ہو سکے مخالفت کرنا چاہیں ضرور کر لیں۔

(القصہ) اس گفتگو کے بعد خادے خان کی طرف سے مکمل مایوسی ہو گئی۔ ادھر چند روز کے بعد خوانین کے مختلف قبائل کے لوگوں نے سید صاحبؒ کے پاس آ کر شکایات کیں کہ جب سے ہمارے علاقوں میں درانی در آئے ہیں ان لوگوں نے ہمارے امن و چین اور سکون کو غارت کر دیا ہے۔ اگر آپ کچھ مجاہدین کو روانہ فرما دیں تو بستی پر آپ کا قبضہ کرا دیں گے اور اس طرح پشاور کے راستے سے رکاوٹ بھی دور ہو جائے گی۔ سید صاحبؒ نے اس [illegible] میں سے بھی

مشورہ کیا۔ تمام نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔ سید صاحبؒ نے امام صاحبؒ کی قیادت میں تین سو مجاہدوں کا لشکر ترتیب دے کر تنگی کی طرف روانہ فرما دیا یاد رہے ارباب[۹۰] بہرامؒ خاں اور مولانا امیر الدین ولایتیؒ بھی اس سفر میں امام صاحبؒ کے ہمراہ تھے بوقتِ عشاء یہ قافلہ روانہ ہوا ایک مسافت میں یہ سفر ناممکن تھا اس لیے صبح کے وقت ایک نالے پر پڑاؤ ڈال دیا گیا اطلاع کے لیے دو آدمیوں کو عصر کے وقت تنگی بھیج دیا گیا اور باقی مجاہد اندھیرا ہونے پر روانہ ہوئے جب تنگی بالکل نزدیک آگیا تو گاؤں کے لوگوں کو بھیجا گیا جو کہ ہمراہ تھے انہیں کچھ فاصلے پر چار زرہ پوش سوار ملے ان سے گفتگو کے بعد حضرت امام صاحبؒ اور آپ کے معاونین ارباب بہرام خانؒ اور مولانا امیر الدین ولایتیؒ کو ساتھ لے گئے اس وقت یہ انکشاف ہوا کہ ایک گروہ پہلے فیصلہ پر کاربند نہیں رہا بلکہ اس کے خلاف دُرانیوں کے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ ہے اگر ان حالات میں حملہ کیا جائے تو ان لوگوں کو زیادہ نقصان پہنچنے کا احتمال ہے جو درانیوں کے مخالف ہیں۔ حضرت امام صاحبؒ یہ صورتِ احوال دیکھ کر انتہائی رنجیدہ ہوئے۔ کچھ احباب نے اہلِ تنگی سے سختی سے پیش آنے کا مشورہ دیا لیکن ارباب بہرام خانؒ اور مولانا ولایتی صاحبؒ نے سب کو روک دیا کیونکہ یہ احباب سرحد کے رسم و رواج سے واقف تھے اس لیے انہوں نے خیر و عافیت کے ساتھ بستی میں جانے کی اجازت دے دی۔ اور لشکرِ اسلام بھی وہاں سے بخیریت واپس آگیا یہ ۱۵ر محرم سنہ ۱۲۴۵ھ (۱۷ر جولائی سنہ ۱۸۲۹ء) کا واقعہ ہے۔

تسخیر قلعۂ ہنڈ

خادے خاں کے کردار کی ادنیٰ سی جھلک گزشتہ صفحات میں پیش کی جا چکی ہے یعنی اس نے سید صاحبؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کے بعد نہ صرف یہ کہ بیعت کو توڑ کر بغاوت کی بلکہ بہت سے دوسرے لوگوں کو بھی برگشتہ کرنے کی کوشش کی، سکھوں سے ساز باز کر کے انہیں مسلمانوں کے مقابلہ میں لے آیا ان سفاکوں نے صدہا گاؤں نذرِ آتش کر دیئے، مساجد و مدارس کو تباہ و برباد کر دیا اور دیگر بے شمار تباہیوں اور بربادیوں سے نہتے مسلمانوں کو دوچار کر دیا واقعہ تنگی کے بعد مجاہدین کے سامنے اب تین راستے تھے۔

(۱) موت پر بیعت کر کے سردارانِ پشاور سے لڑائی۔

(ب) خادے خان کی سرکوبی۔

(ج) سمہ سے مجاہدین کی پنجتار میں نئے مرکز کا قیام۔

غور و فکر کے بعد طے پایا کہ سب سے پہلے منافق خادے خان کی قلعہ بند بستی ہنڈ پر اچانک حملہ کرکے اس سنگدل شخص کو ٹھکانے لگا دیا جائے اور ہمیشہ کے لیے اس سے نجات حاصل کر لی جائے۔ اس مقصد کے لیے پانچ سو بہادر مجاہدین کا انتخاب کیا گیا۔ اس حزب الٰہی کی قیادت اس مرتبہ بھی شیرِ خدا حضرت امام صاحبؒ کو نصیب ہوئی اور جناب ارباب بہرام خانؒ کو نائب امیر متعین کیا گیا۔ اس معرکہ میں سنت نبویؐ پر خوب عمل کیا گیا۔ سید صاحبؒ اور امیر و نائب امیر کے سوا کسی دوسرے مجاہد کو قطعاً اس بات کا علم نہیں تھا کہ کس طرف کا قصد ہے؟ بعد عشاء لشکر اسلام کو روانہ کرتے ہوئے سید صاحبؒ نے نہایت تاکید کے ساتھ فرمایا۔ آپ لوگ بالکل خاموش ہو کر جائیں ہم بھی آپ کے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔ مجاہدین گھوڑوں پر سوار تھے اور جنہوں نے سیڑھیاں و قلابے وغیرہ جنگی آلات اپنی پیٹھ پر لادے تھے انھیں سوار کرا کے پیچھے کا بندوبست کر دیا گیا۔ عوام اور مجاہدین آخر وقت تک یہی سمجھتے رہے کہ پنجتار ہی منزل مقصود ہے۔ حضرت امام صاحبؒ [illegible] اور گڑھی امان زئی کے راستے ترکئی پہنچے اور ارباب بہرام خانؒ سیدھے ترکئی پہنچے۔ ترکئی سے ہنڈ کا فاصلہ کم و بیش پانچ میل تھا۔ حضرت امام صاحبؒ نے غازیوں کو فوراً دو وقت کا کھانا تیار کرنے کا حکم دیا اور مغرب کے بعد ترکئی سے پنجتار جانے کے قصد کا اظہار فرمایا تاکہ ترکئی کے باسیوں میں سے بھی کسی کو کوئی شبہ لاحق ہونے کا امکان نہ رہے۔ دو میل کی مسافت پر نماز عشاء ادا کی گئی۔ بعد ازاں سواروں کو پنجتار کی طرف بھیج دیا اور امام صاحبؒ خود ہنڈ کے مغربی حصے کی طرف روانہ ہوئے۔ جس طرف دور دور تک آبادی کا نام و نشان نہ تھا۔ وہاں سے پندرہ کوس کی مسافت پر تھی۔ ہیں نالہ تھا۔ بہت احتیاط کا حکم تھا۔ ورنہ آہٹ کا اندیشہ تھا اور شب تاریک کی ظلمت انتہا پر تھی۔ خادے خان سے اور عم زاد محمد نجیب خان اپنے بھائی کے ذریعے انتظام ہو رہے تھے۔ لیکن کچھ مسافت طے کرنے کے بعد وہ بھی راستہ بھول جانے سے معذور ہو گئے۔ ظلمت کا اندھیرا تھا اور موسم سرما کی شدت اپنے جوبن پر۔ اگرچہ رات کا وقت تھا تاہم پہاڑوں کی شدت سے حق ادا ہوتے جاتے تھے اور سب سے زیادہ یہ فکر دامن گیر تھی کہ اگر صبح سے پیشتر

ہنڈ نہ پہنچا گیا تو مقصد فوت ہو جائے گا جب چلتے چلتے کافی دیر ہو گئی اور رات کا بہت تھوڑا حِصّہ باقی رہ گیا تو مناسب یہ سمجھا گیا کہ صبح ہونے سے قبل کسی ایسے مقام پر پہنچ جانا چاہیے، جہاں تمام دن چھپ کر گزارہ کر لیا جائے اور حملہ اگلی رات تک ملتوی کر دیا جائے۔ اس تصفیہ کے بعد مجاہدین مختلف جماعتوں میں منقسم ہو کر ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ ہو گئے امام صاحبؒ بھی پہلے تو ایک جگہ پر ٹھہر گئے۔ لیکن پھر ایک جہت کا تعین کر کے توکلاً علی اللہ اس طرف چل دیئے۔ اللہ پر توکل رنگ لایا اور اتفاق سے ایک ایسا راہ گیر مل گیا جو ہنڈ کی طرف بخوبی راہنمائی کر سکتا تھا؛ چنانچہ صبح کاذب کے وقت آپ اپنے ڈیڑھ سو غازیوں کی جماعت کے ہمراہ ہنڈ کے تالاب پر پہنچ گئے۔

یہ تالاب ہنڈ کے قریب ہی صرف ایک گولی کی زد پر تھا۔ یہاں پہنچنے کے بعد آپ نے اپنے باقی ساتھیوں کا انتظار شروع کر دیا اور یہ اس لیے بھی کہ سیڑھیاں وغیرہ انہی کے پاس تھیں اور ان کے بغیر قلعہ کی دیواروں کو پھاندنا بہت دشوار تھا۔ بڑی دیر کے انتظار کے بعد جب ان کی طرف سے مایوسی ہو گئی اور ادھر سپیدۂ سحر بھی نمودار ہونے کے لیے بے قرار تھا تو اس عظیم سپہ سالارِ اسلام نے ایک جدید پلان (PLAN) تشکیل دیا وہ یہ کہ آپ نے ان ڈیڑھ سو غازیوں کو، جو آپ کے ہمراہ تھے پانچ دستوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں سے ایک دستہ اپنے پاس رکھا اور باقی چار کا شیخ ولی محمد کو قائد بنایا اور انہیں حکم دیا کہ آپ انہیں لے کر قلعہ کے دروازہ کے باہر کے دو طرفہ گنّے کے کھیتوں کو مورچے کے طور پر استعمال کیجیے۔ جب دروازہ کھول دیا جائے تو بندوقیں چلا کر فوراً اندر داخل ہونے کی کوشش کیجیے۔ ہم بھی بندوقوں کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے فوراً پہنچ جائیں گے۔ شیخ ولی محمد نے تین دستوں کو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کھیتوں میں بٹھا دیا اور خود چوتھے دستے سمیت، دروازے کے قریب ہی کھیت کے ایک گوشے میں بیٹھ گئے۔ یہ انتظامات جب پایۂ تکمیل کو پہنچ گئے تو قلعے میں سے ایک گدھے کے ہنہنانے کی آواز آئی، پھر مسجد سے اذان کی آواز سنائی دی اس کے بعد قلعے کے اندر کے ایک آدمی نے چوکیدار سے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ چوکیدار نے جواب دیا کہ سید صاحبؒ کے حملے کی خبر تھی، اس لیے میں خاں کے حکم کے بغیر دروازہ کھولنے کی جسارت نہیں کر سکتا اس نے

کیا اب تو صبح کی روشنی میں ہو چکی ہے حملہ ہوتا تو رات کو ہوتا اب کیا ہو گا۔ چونکہ یہ بارے سے مزید اطمینان کے لیے ایک آدمی سے مکان کی چھت پر چڑھ کر ادھر ادھر دیکھنے کے لیے کہا لیکن ابھی کہر تک کی موجود تھی۔ اس لیے کیا نظر آ سکتا تھا۔ حضرت امام صاحب اپنے دستے کے ہمراہ تالاب کے پاس اور باقی غازی۔ گنے کے کھیتوں میں چھپے ہوئے تھے۔ آخر کار دروازہ کھلا اور خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ آدمی اس طرف کو جدھر کوئی غازی نہ تھا۔ شیخ ولی محمد صاحب جو خود قلعے کے دروازے کے بالکل قریب تھے یعنی دروازہ کھلتے ہی آپ اندر داخل ہو گئے ملا قطب الدین نے فوراً قرابینہ چلا دیا۔ جس کی آواز سن کر حضرت امام صاحب اپنے رفقاء کے ہمراہ نعرۂ تکبیر بلند فرماتے ہوئے قلعے کے اندر آ گئے۔ ابھی تک بکھرے ہوئے غازیوں کی ایک جماعت یہیں آ پہنچی جس نے نعرہ بلند کئے تکبیر سے دروازے پر آ پہنچے۔ حضرت امام صاحب نے جب قلعہ میں قدم رکھا تو اعلان کرا دیا خبردار کوئی شخص باہر نکلنے کی کوشش نہ کرے ورنہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ جو لوگ اپنی جگہ بیٹھے رہیں گے انہیں ان سے کوئی سروکار نہ ہو گا ہم صرف خوانین سے قتال کے لیے آئے ہیں۔

خادے خان کو بعض لوگوں نے ایک رات پہلے ہی اطلاع دے دی تھی کہ سید بادشاہ کا لشکر تو دور ہونا چاہتا ہے لہذا محتاط رہو۔ وہ چونکہ متکبر تھا اس نے ٹال کر کہا مردود اور بزدل لوگ اپنی طرف سے باتیں بنا کر مجھے سنانے آ جاتے ہیں ورنہ سید بیچارے کی کیا ہستی ہے کہ ادھر کا رخ کرے وہ درویش تو نان جویں تک کو ترستا ہے۔ بھلا میرے مقابلہ کی کیا تاب رکھتا ہے اسے واصل یقین تھا کہ راستے میں واقع دیہات کے لوگ مجاہدین کو ادھر کا رخ کرتے دیکھ کر فوراً اس تک خبر پہنچا دیں گے لیکن اس بے چارے کو کیا معلوم تھا کہ موت کا پنجہ جب کسی کی گردن کو دبانے والا ہو تو کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا اور نہ کوئی تدبیر کارگر ثابت ہو سکتی ہے۔

صبح سویرے ہی خواب خرگوش میں مدہوش خادے خان کو جب غازیوں کی آواز نے بیدار کیا تو سر پر آن پہنچنے کا وقت جا چکا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا اور سراسیمگی کے عالم میں اپنے آدمیوں کو مورچہ بندی کا حکم دینے لگا۔ لیکن وہ آ پہنچے تو ڈر کے مارے اپنے گھروں میں چھپ کر بیٹھ گئے تھے۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ وقائع احمدی: سوانح احمدی۔

منظورۃ السعداء، عبرۃ لاولی الابصار وغیرہ کتب تاریخ میں جو تفصیلات ذکر کی گئی ہیں ان میں کچھ اختلاف ہے لیکن بہر کیف اس بات پر سب متفق ہیں کہ خادے خاں نمازیوں کے ہاتھ قتل ہو گیا تھا۔ اس کے قتل کے بعد امام صاحبؒ نے قلعہ پر پہرہ لگا دیا تاکہ باہر سے کوئی شخص قلعہ میں نہ داخل ہو۔ اور ارباب بہرام خاں، شیخ ولی محمد وغیرہ کو بھیجا کہ دروازے پر کھڑے ہو کر مستورات کو تسلی دے دو کہ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا، تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ خادے خاں کا بڑا بیٹا تو کسی طرح راہ فرار اختیار کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ چھوٹا بیٹا بھوسے والی کوٹھڑی میں چھپا ہوا تھا اس سے بھی کوئی تعرض نہ کیا گیا بلکہ اسے بھی حفاظت کے ساتھ زنان خانے میں پہنچا دیا گیا۔ خادے خاں کی لاش کو اس کے وارثوں کے مطالبہ پر ان کے سپرد کر دیا گیا، انہوں نے اسے قلعہ سے آٹھ دس قدم کے فاصلے پر آبائی قبرستان میں دفن کر دیا۔ خادے خاں کے اہل و عیال کو قطعی کوئی تکلیف نہ دی گئی بلکہ انہیں رہا کر دیا گیا۔ قلعہ ہنڈ کی تسخیر نمازیوں کی بے پناہ عسکری صلاحیتوں اور حضرت امام صاحبؒ کی بے مثال شجاعت و جوانمردی اور کمال تدبر و حسن تدبیر کی منہ بولتی تصویر ہے۔ اس معرکے میں خادے خاں کے علاوہ صرف ایک اور آدمی مارا گیا تھا اور وہ ایک کسان تھا جو کہ باہر سے کھیتوں کو جا رہا تھا اس نے کسی نمازی کو دیکھ کر شور مچانا چاہا تھا مگر عبد اللہ خاں رامپوری نے بجلی کی سی تیز رفتاری کے ساتھ تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ دشمن کے یہ دو آدمی مارے گئے مگر نمازیوں میں سے کسی کو خراش تک بھی نہ آئی تھی۔ وللہ الحمد

جنگِ زیدہ

قلعہ ہنڈ کی تسخیر کے بعد اس علاقہ میں مجاہدین کی مخالفت بہت بڑھ گئی۔ فتح کے بعد حضرت امام صاحبؒ ابھی تک قلعہ ہی میں تھے کہ خادے خاں کا بھائی امیر خاں سید صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا کہ قلعہ ہنڈ مجھے مرحمت فرما دیجئے میں ہمیشہ احکام شریعت کا پابند اور آپ کا مطیع فرمان رہوں گا۔ ایک طرف تو یہ سید صاحبؒ کو اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا یقین دلا رہا تھا اور دوسری طرف پشاور کے حاکم یار محمد خاں سے سازباز میں بھی مصروف تھا۔ چنانچہ اس نے یار محمد کو بارہ ہزار روپیہ بطور رشوت ادا کرنے کے وعدہ پر اسے اپنی امداد پر آمادہ کر لیا۔ یار محمد سید صاحبؒ سے دشمنی رکھتا تھا۔ اس نے یہ موقع غنیمت سمجھا اور چار ہزار سواروں کی قیادت میں امیر خاں کو دیا

نے صدر مقام پنجتار میں تین سو سوار روانہ کر دیے، ادھر سے خود یار محمد خان بھی چھ توپوں اور چند شاہینوں، دو ہاتھیوں اور بہت سے اونٹوں کے علاوہ ایک عظیم لشکر سمیت موضع زیدہ میں آ گیا۔ میدان میں داخل ہوتے وقت اس نے قصداً زور شور سے توپیں چلائے جانے کا حکم دیا تاکہ ان کی آواز سن کر سید صاحبؒ کے معاونین جو پڑاؤ میں ہیں چھپ جائیں۔

نماز مغرب کے بعد سید صاحبؒ نے خاص طور سے اپنے احباب و رفقاء کی میٹنگ بلائی اور جنگ کے متعلق مشورہ کیا۔ اس جلسہ میں مخالفت گو دبی بیٹھی ہوئی تھی لیکن کوئی خاطر خواہ فیصلہ نہ ہو سکا۔ آخرکار سید صاحبؒ فرمانے لگے: تمام معاملات اللہ کے سپرد کر دو۔ صبح کو ستھانہ کے کنارے قبرستان والے میدان میں مقابلہ ہو گا۔ امام صاحبؒ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ آپ شہر پناہ کے مناسب مقامات پر پہرہ۔ اور دن کو تفتیش فرما دیجئے باقی کیا عرض کروں۔ مولانا نے کہا اجازت عنایت فرما دیجئے لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ ذرا مستعد رہنا۔ عشاء کی نماز کے بعد سید صاحبؒ اور امام صاحبؒ نے کھانا تناول فرمایا۔ فراغت کے بعد امام صاحبؒ سے کہہ کر امام قریب کے خیمے کو گئے۔ لیکن ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ سید صاحبؒ نے آواز دی۔ ایک صاحب حاضر ہوئے ان سے کہا میاں صاحبؒ (امام صاحبؒ) کو بلائیے۔ آپ تشریف لائے تو فرمایا کہ شب خون کی تجویز زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہے اس لیے آپ لشکر سے باہر غازیوں کو تیار فرما دیجئے ہم دو ہزار آدمیوں کو بھیج دیتے ہیں آپ گڑھی تشریف لے چلئے۔ تو سید صاحبؒ نے تین سو غازی اور چار سو ملکی روانہ فرما دیئے۔ آدھی رات کے وقت حسب معمول سید صاحبؒ نے ہر ایک کو کہا کہ دو دو دفعہ سورۂ قریش پڑھ کر اپنے اوپر دم کرنے کا حکم دیا۔ امام صاحبؒ نے غازیوں کو گڑھی کے باہر میدان میں جمع کیا اور بڑے عجز و الحاح کے ساتھ دیر تک بارگاہِ صمدیت میں دعا کی۔ پھر ایک رہبر کی راہنمائی میں ہو کر منزل پر چل پڑے۔

گڑھی سے باہر قدم رنجہ ہوئے تھے، امام صاحبؒ نے غازیوں اور ملکیوں کی الگ الگ جماعتیں تشکیل فرما دی تھیں۔ غازیوں کو تین جماعتوں میں تقسیم کر کے ہدایت فرمائی کہ سب سے پہلے توپوں اور شاہینوں کی جگہ پر حملہ کیا جائے گا۔ چنانچہ جب توپوں سے فراغت ہو گئی تو امام صاحبؒ نے غازیوں کی ایک جماعت کو دائیں اور دوسری کو بائیں جانب پیش قدمی کا حکم دیا۔

اور تیسری جماعت کی خود قیادت فرماتے ہوئے عین سامنے سے معرکۂ کارزار میں شجاعت وبسالت کے جوہر دکھانے لگے۔ اُدھر سے مسلسل گولہ باری ہو رہی تھی لیکن چشمِ فلک نے یہ عجب نظّارہ دیکھا کہ اسلام کے اس عظیم فرزند اور عظیم ترین جرنیل نے تھوڑی سی مدّت میں دشمن کی پانچ توپوں پر قبضہ کر لیا چھٹی توپ وہاں سے کچھ دُور تھی، وہ بڑی تیزی سے آگ اُگل رہی تھی، امام صاحبؒ نے چالیس پچاس بندوقچیوں اور قرابینچیوں کو اس کے عقب سے حملہ کرنے کے لیے بھیج دیا۔ انہوں نے نہ صرف توپ پر قبضہ جما لیا بلکہ دو گولہ اندازوں کو بھی گرفتار کر لیا تھوڑی دیر بعد یار محمد کا ایک مصاحب بھی غازیوں نے پکڑ لیا اور استفسار پر یار محمد کے متعلق اس نے بتایا کہ وہ کنڈلوہ کی جانب متعین توپ کے پاس تھا اسے گولی لگی اور ساتھی اسے اٹھا کر میدان سے باہر لے گئے۔ غازیوں نے بھی توپ سے چند فائر کیے پھر انہوں نے فائر بندی کر کے میدانِ جنگ کا جائزہ لینا شروع کیا تو اکثر وبیشتر خیمے خالی پائے۔ اگرچہ یقین ہو چکا تھا کہ فتح ونصرت نے غازیانِ اسلام کے قدم چوم لیے ہیں تاہم اس خطرہ کے پیشِ نظر کہ یار محمد کہیں پھر حملہ نہ کر دے امام صاحبؒ نے غازیوں کو توپوں کے پاس ہی رہنے کا حکم دیا۔ تھوڑی دیر بعد مولانا مظہر علی عظیم آبادیؒ[۹۱] اور پیر خاں مُوائی ہنڈ سے ستّر اسّی غازیوں کی مزید کمک لے کر آ گئے مگر مجاہدین نے تو پہلے ہی دشمن کے چھکّے چھڑا دیئے تھے، انہوں نے بتایا کہ ہم نے راستہ میں یار محمد کے لشکریوں کو دیکھا کہ وہ سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگے جا رہے تھے۔ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اس نازک موقع پر قلعے کو چھوڑ کر آنا خلافِ مصلحت ہے لہذا آپ واپس تشریف لے جائیں۔

اس معرکہ میں مجاہدین کے ہاتھوں میں بہت سا مالِ غنیمت آیا۔ امام صاحبؒ نے جب مالِ غنیمت ایک جگہ جمع کرنے کا حکم دیا تو مندرجہ ذیل اشیاء جمع ہو گئیں: ایک ہاتھی، ساٹھ ستّر اُونٹ، قریباً تین سو گھوڑے، پندرہ سولہ شاہینیں، چھ توپیں اور بے شمار تلواریں اور بندوقیں، پلاؤ کی دیگیں، خشک میوہ کے ڈھیر، جُوتے، بستر اور خیمے وغیرہ اس کے علاوہ تھے۔ کچھ خیموں سے عورتیں بھی برآمد ہوئیں جنہیں یار محمد کے سپاہی تعیّش کے لیے زبردستی پکڑ لائے تھے۔ امام صاحبؒ نے انہیں فوراً ان کے گھروں میں بھیج دیا۔ یار محمد خاں بُری طرح زخمی ہو گیا تھا، اسے اس کے آدمی جب میدانِ جنگ سے اٹھا کر لے گئے تو ابھی ہریانہ اور دوڈھیر کے درمیان ہی پہنچے تھے کہ وہ فوت

ہو گیا۔ اس کی میت کو پشاور دفن کیا گیا۔ اس معرکہ میں مجاہدین صرف سات سو تھے جب کہ فریق ثانی کی فوج تقریباً دس ہزار تھی۔ دشمن کے سات بڑے بڑے سردار ان کے علاوہ تقریباً تین سو سپاہی بھی مارے گئے جب کہ صرف دو مجاہدین نے جام شہادت نوش فرمایا۔ اس کامیابی کا تمام تر سہرا حضرت امام صاحب کے سر ہے کہ ان کی بے مثال شجاعت، جنگی تدبیر اور عسکری صلاحیتوں کی بدولت اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو بہت بڑی کامیابی سے سرفراز فرمایا۔ مولانا غلام رسول مہر تحریر فرماتے ہیں :-

> اتنے تھوڑے نقصان کے ساتھ اتنے کثیر التعداد اور جرار لشکر کے مقابلہ میں اپنے سے تیس گنا لشکر کو ایسی فاش شکست دینا یقیناً ایک عظیم الشان کارنامہ تھا۔ جسے بڑے بڑے جرنیلوں کی بہترین فتوحات کے مقابلے میں بے تکلف فخر کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس سے مولانا شہید کی غیر معمولی صلاحیت قیادت اور مہارت فنون حرب کا اندازہ ہو سکتا ہے

اب ایک بات تحقیق طلب باقی ہے کہ یہ معرکہ کس تاریخ کو پیش آیا؟ اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں۔ مولانا محمد جعفر تھانیسری نے جنگ زیدہ کی تاریخ ۵ ربیع الاول ۱۲۴۲ھ بروز دوشنبہ ذکر کی ہے اور غالباً انہوں نے "منظورہ" کی روایت سامنے رکھتے ہوئے لکھا ہے لیکن اس روایت کی صحت مشکوک معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہفتہ ۵ ربیع الاول کو تھا یا ۴ کو اور ایسے کوئی قرائن بھی نہیں ملتے جن کے پیش نظر اس جنگ کی تاریخ ۵ ربیع الاول تو قرار دی جا سکتی ہے اور نہیں۔ ۵ ربیع الاول کو سید صاحب نے پشاور کے مشہور علماء کی خدمت میں ایک مکتوب گرامی ارسال فرمایا۔ جس میں خادے خان اور یار محمد خان کے یکے بعد دیگرے قتل ہونے کا ذکر ہے۔ اسی طرح سلطان محمد خان کی طرف بھی ایک خط ارسال فرمایا جس پر ۵ ربیع الاول درج ہے۔ بنا بریں یہ ہوا۔ ربیع الاول ۱۲۴۲ھ / ۱۴ نومبر ۱۸۲۶ء کو جنگ زیدہ کی تاریخ قرار دیا جا سکتا ہے۔ ۵ ربیع الاول کی تاریخ صحیح نہیں۔ مولانا غلام رسول مہر کی بھی یہی تحقیق ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

امب اور عشرہ کے معرکے جس طرح ریاست امب کشمیر کی طرف جانے

وسط میں واقع ہونے کے باعث خاص اہمیت کی حامل تھی۔ اسی طرح نواب پائندہ خان تنولی والیٔ امب کی شخصیت بھی بہت اہم تھی جو سکھوں سے کافی عرصہ سے برسرِپیکار تھا۔ حضرت سید صاحبؒ کے ساتھ بھی کچھ راہ و رسم پیدا کر چکا تھا۔ جنگ زیدہ کے بعد سید صاحبؒ پکھلی کے مظلوم باشندوں کی مدد کا ارادہ رکھتے تھے دوسری طرف کشمیر کی طرف پیش قدمی کر کے وہاں کے مسلمانوں کو سکھوں کے مظالم و ستم کے طوفان کی تیز رفتاری سے نکال کر امن و چین کے ساحل سے بھی آشنا کرنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے پائندہ خان کی طرف سے تعاون ضروری تھا لیکن پائندہ خان کے دل و دماغ کی صحیح کیفیت و ہیئت ابھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ۔ بظاہر شکوک و اوہام میں مبتلا ہے اس لیے ضروری تھا کہ اس سے رابطہ قائم کر کے اس کے شکوک کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ جنگ زیدہ کے بعد مجاہدین کھبل سے ہوتے ہوئے جب ستھانہ پہنچے تو سید صاحبؒ نے پائندہ خان کی طرف پیغام بھیج کر ملاقات کا وقت اور مقام متعین کر لیا۔ روانگی سے قبل سید صاحبؒ نے امام صاحبؒ سے مشورہ کیا کہ زیادہ آدمیوں کا ہمراہ لے جانا سوءِ ظن کا موجب ہو سکتا ہے؟ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اگرچہ زیادہ آدمیوں کا ساتھ لے جانا قرینِ صواب نہیں تاہم تمام آدمیوں کا ستھانہ میں چھوڑ جانا بھی قطعاً موزوں نہیں بلکہ مناسب یہ ہے کہ آپ تمام کو ساتھ لے چلیں اور مقام ملاقات سے تھوڑے فاصلے پر پہنچ کر جا ہیں ہمراہ لے لیں اور جن کو چاہیں چھوڑ جائیں۔ سید صاحبؒ نے امام صاحبؒ کے علاوہ تیرہ اور مجاہدین کو ساتھ لیا اور روانہ ہو گئے۔ امام صاحبؒ نے از خود بطور احتیاط چوبیس آدمیوں کا انتخاب کر کے انہیں دریا کے کنارے کی اوٹ میں مقام ملاقات کے قریب جا کر ٹھہرنے کا حکم دیا۔ عجیب اتفاق ہے کہ ادھر پائندہ خان نے بھی دامن کوہ میں غار نما کے جنگل کے پاس پانچ سو پیادے چھپا رکھے تھے۔ پائندہ خان سے ملاقات کے بعد سید صاحبؒ پکھلی کی طرف پیش قدمی کرنا چاہتے تھے اس مقصد کے لیے لشکر کا امیر مولانا خیرالدین شیرکوٹی کو نائب امیر بنا دیا۔ امام صاحبؒ نے پائندہ خان کو اطلاع دی کہ ہم پکھلی جانا چاہتے ہیں اس لیے آپ کا اتفاق چاہیے۔ پائندہ خان نے جواب دیا کہ یہ تو ٹھیک ہے میں تو آپ کا بڑا خیرخواہ ہوں لیکن اگر آپ لوگ میری ریاست میں سے گزر گئے تو ہزارہ کا گورنر ہری سنگھ مجھے تنگ کرے گا لہٰذا آپ کوئی اور راستہ اختیار کریں۔

امام صاحبؒ نے دوبارہ لکھا کہ ایک طرف تو آپ امیر المؤمنین کی اطاعت کا اقرار کرتے ہیں اور دوسری طرف اپنے علاقے سے گزرنے کی بھی اجازت نہیں دیتے یہ کیسی اطاعت ہے؟ اگر آپ اپنے علاقے سے گزرنا مصلحت کے خلاف سمجھتے ہیں تو کسی دوسرے گھاٹ سے گزر جائیں گے لیکن اس صورت میں بھی پکھلی سے گزرنا پڑے گا اور وہ بھی آپ کی ریاست میں ہے لہذا بہتر یہ ہے گزرنے کی اجازت دیجئے۔ پائندہ خاں نے [illegible] اپنی [illegible] سے [illegible] ہرگز اجازت نہیں دوں گا ورنہ لڑائی ہو جائے گی۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سید صاحبؒ کو صورت حال سے مطلع فرمایا تو سید صاحب نے خود پائندہ خاں کو خط لکھا لیکن وہ [illegible] اپنی ضد پر بدستور [illegible] سید صاحب [illegible] تحریر [illegible] امام صاحب [illegible] فرمایا کہ آپ لڑائی کی ابتدا نہ کریں ذاتی مخالفت اگر حریف کا آغاز کر دے تو پھر آپ اپنی حفاظت کے لیے مناسب اقدام کرنے سے [illegible] سید صاحبؒ نے دعا فرمائی اور لشکر کو [illegible] کی طرف روانہ فرما دیا۔

امام صاحبؒ [illegible] سے [illegible] کی طرف چل پڑے [illegible] پیچھے چھوڑا۔ [illegible] سے گزر کر [illegible] پائندہ خاں نے [illegible] کی حفاظت کے لیے [illegible] پر مورچے بنا لئے۔ [illegible] اور [illegible] کے درمیان [illegible] لیکن امام صاحبؒ [illegible] سے بے خبر تھے۔ آپ پہلے ہی غازیوں کی ایک جماعت [illegible] کی طرف روانہ فرما چکے تھے۔ اس جماعت [illegible] مولانا [illegible] شہادت [illegible] کس قدر خیال [illegible] حدیث رسول [illegible] صحیح بخاری میں درج ذیل الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔

عن عبد اللہ بن عمرؓ قال	حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ
امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ موتہ میں زید

وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ مُوتَةَ زَيْدَ بْنَ حَارِثَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ قُتِلَ زَيْدٌ فَجَعْفَرٌ وَإِنْ قُتِلَ جَعْفَرٌ فَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ رَوَاحَةَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ كُنْتُ فِيهِمْ فِي تِلْكَ الْغَزْوَةِ الحدیث

بن حارثہ کو امیر مقرر کیا اور فرمایا اگر زید شہید ہو جائے تو جعفر امیر ہوں اور اگر جعفر شہید ہو جائے تو عبداللہ بن رواحہ امیر ہیں۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں [illegible] اس غزوہ میں ان غازیوں میں تھا۔ الحدیث

الغرض امام صاحب نے اس بات کو ثابت فرمایا کہ [illegible] کے بعد [illegible] کی طرف پیش قدمی کی [illegible] غازیوں کو [illegible] آپ نے سید احمد علی کو روانہ فرمایا اور خود [illegible] سے پیش قدمی کا ارادہ تھا۔ آپ کی [illegible] سے [illegible] تھی پائندہ خاں کو جب علم ہوا کہ غازی پھلڑی پر تسلط جما چکے ہیں تو وہ بہت گھبرایا اور پریشان ہو کر اس نے صلح کا خیال پیدا کیا۔ امام صاحب کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ میں اپنی غلطی پر نادم ہوں [illegible] کا [illegible] آپ میری غلطی معاف فرما دیں اور [illegible] پانچ سات ساتھیوں کے ہمراہ یہاں تشریف لے آئیں۔ اگر [illegible] شہید [illegible] کوئی [illegible] لیا ہو [illegible] امام صاحب پائندہ خاں کے اس پیغام سے بہت خوش ہوئے لیکن جب [illegible] راستے میں [illegible] خوشی [illegible] فرمانے لگے اور پھر سید صاحب کا [illegible] حتی الامکان [illegible] جائے۔ آپ نے [illegible] کا ایک [illegible] ایک [illegible] عبدالحمید اور سید امیر شاہ قندھاری کو خیال تھا کہ پائندہ خاں فریب دینا چاہتا ہے [illegible] میدان میں پہنچنا [illegible] بہتر ہے لیکن [illegible] سید احمد علی نے [illegible] سالار لشکر کے [illegible] علامت [illegible] لہٰذا وہ واپس تشریف لے آئے [illegible] امام صاحب نے [illegible] غازیوں کے ہمراہ [illegible] جانے [illegible] لیکن [illegible] عبدالحمید خاں اور سید امیر شاہ قندھاری کی بات درست نکلی۔ پائندہ خاں کو جب [illegible] ہوا کہ غازی [illegible] پیچھے [illegible] چکے ہیں تو اس نے [illegible] پیچھے [illegible] اور [illegible] دوسرے [illegible] کے راستہ میں [illegible] کے [illegible] کر دیا [illegible] لشکر [illegible] کی [illegible]

دامن تک چاروں طرف سے بھی اس نے دو گروہ بنا لیے۔ ایک نے [illegible] پہاڑی کی دائیں طرف اور دوسرے نے کبیر پہاڑی کی بائیں طرف سے پیش قدمی کی تھی جہاں پر مقیم غازیوں کے لیے یہ بڑا صبر آزما مرحلہ تھا۔ تمام راستے مسدود ہو چکے تھے [illegible] اطلاع بھی نہیں پہنچ سکتے تھے اور ان محصوروں [illegible] کھانے کے لیے ان کے پاس [illegible] تھی [illegible] کچھ بھی نہ تھا۔ [illegible] رکھا [illegible] کیا اور [illegible] ہو گئے۔

اکبندہ خان کی فوج کے سپاہی [illegible] پہاڑی کے دونوں جانب سے چڑھائی کر رہے تھے اور مجاہدین انہیں روکنے میں سرگرم تھے۔ [illegible] غازی [illegible] شہادت سے سرفراز ہوئے۔ معرکہ [illegible] غازیوں کی [illegible] تھی [illegible] نے [illegible] کر [illegible] اجازت طلب کی [illegible] بھی [illegible] شہادت سے [illegible] اکبندہ خان کی فوج کا پلڑا بھاری تھا۔ [illegible] سپاہیوں [illegible] کی اجازت سے مولوی شیر [illegible] نے [illegible] میں [illegible] ساتھ [illegible] کے پیچھے سے [illegible] فوج پر حملہ کر دیا۔ [illegible] اور اس مرتبہ [illegible] بعد [illegible] غازی [illegible] پہنچ گئے [illegible] اور [illegible] دونوں طرف سے [illegible] ہو گئے۔ [illegible] نے جب اپنے سپاہیوں [illegible] کی [illegible] اور [illegible] سے اور سپاہی بھی [illegible] سپاہیوں [illegible] غازیوں [illegible] اکبندہ خان [illegible] کی [illegible]۔

شیخ ولی محمد [illegible] سید صاحب کی خدمت میں پیغام

[illegible]

[illegible]

[illegible]

دو اس تفصیل بتائی بھیج دیئے۔ اس طرح آپ نے تمام کو احتیاط اور بڑی اچھی تدبیر سے خیر و عافیت کے ساتھ تفصیل الٰہی پہنچا دیا۔ نمازیوں سے بیان کئی ماہ تک قیام فرمایا۔ آخر پائندہ خان بھی مطیع ہو گیا اور ہار گیا اور ۲۹ ذی قعدہ ۱۲۴۳ھ کو اس نے تحریری طور پر معافی مانگ لی۔ الغرض امب اور عشرہ کے یہ معرکے حضرت امام صاحب کے کمال سپہ گری کی منہ بولتی تصویر ہیں۔

امب میں قیام

امام صاحب کے امب میں قیام کے زمانے کے کئی واقعات کتب تاریخ و سیر میں ملتے ہیں۔ آپ اور خود سید صاحب شاق امور میں سبقت کی کوشش فرماتے تھے تاکہ دیگر مجاہدین دل برداشتہ نہ ہوں بلکہ وہ خود بھی خوشی خوشی کام پایۂ تکمیل تک پہنچاتے ہیں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے۔ سید جعفر علی نقویؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک تمبو کو امب سے نیچے بالائی پر لانے کا پروگرام تھا۔ امام صاحب نے مجھے طلب کیا اور فرمایا کہ آؤ اسے مل کر اٹھائیں جب ہم نے اسے اٹھایا تو آپ نے اپنا مبارک کندھا نیچے کر دیا۔ میں نے عرض کیا کہ یہ بہت وزنی ہے میرے سر والا مجھے اٹھانے کی اجازت عنایت فرمائیے۔ آپ نے تسلیم نہ کرتے ہوئے خود ہی اٹھانے پر اصرار فرمایا! چنانچہ ہم دونوں نے مل کر اٹھایا لیکن وزن اس قدر زیادہ تھا کہ آپ برداشت نہ کر سکے اور پاؤں لڑکھڑانے شروع ہو گئے جب دوسرے غازیوں نے دیکھا تو تیزی سے وہاں پہنچے اور آپ کے مبارک کندھوں سے تمبو لے لی۔ آپ نے فرمایا جو مومن اس کی ساعت میں ملے کرتا ہے کہ سب تمام بھائی زیادہ ابدی اٹھائیں۔

سید عبد الرزاقؒ ایک مرتبہ بیٹھو چلے گئے جب واپس آئے تو امام صاحبؒ نے ذرا ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ انہوں نے سید صاحب کے پاس شکایت کر دی۔ آپ اس وقت مجلس میں تشریف فرما تھے۔ ان کی شکایت کے جواب میں فرمایا کہ وہ پیچھو تو ذرا قصور کی اجازت کے بغیر کہیں چلے جاتے تو پھر یہ بغیر اجازت کیوں چلے گئے۔ پھر آپ نے امام صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا:

مولانا ہم کام کے لائق ہیں، اس کا فیصلہ امام کے ہاتھ میں ہے جو
لوگ میرے ساتھ رہیں گے، وہ مولوی صاحب! آپ ان سے جہاد کا کام لیجئے
میں رعایت نہ کروں گا۔ جہاد میں کوتاہی اور سستی وہ لوگ کو آگے رکھنا چاہیے:

ایک دفعہ سید صاحب نے فرمایا کہ مجھے تو حق تعالیٰ کی رضا چاہیے میں جنت کی بھی خواہش نہیں کرتا۔ میری تو یہی تمنا ہے کہ وہ مجھ سے راضی رہے اس سے غرض نہیں کہ وہ مجھے جنت سے جدا رکھے یا جہنم کا ایندھن بنا دے۔ یہ سن کر حضرت امام صاحب فرماتے ہیں۔

> یہ جملہ شیخ احمد کے مقام سے نیچے ہے جنت سے اس قدر بے پروائی نہ چاہیے اس لیے کہ جنت سے حق اور دوزخ سے باطل وابستہ ہے مراد ہے کہ ان کی خواہش نہیں رہی وہ حق سے بے پروائی کا اظہار کرے۔

سید صاحب نے فرمایا ہے:

> جب خدا تعالیٰ راضی ہو جائے گا تو بندہ کو جنت میں داخل فرما دے گا۔ اصل مقصود تو حق کی رضا کا حصول ہے۔ جنت تو اس کی رضا کی ایک نشانی ہے۔

امام صاحب نے جواب دیا:

> جی نہیں، بلکہ جنت کی بجائے حق تعالیٰ کی رضا ایک مستقل شے ہے۔

مولانا مودودی اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں:-

وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ	مومن مردوں اور عورتوں سے اللہ کا وعدہ
جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا	ہے کہ انہیں ایسے باغ دے گا جن کے
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَ	نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ
مَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ	رہیں گے۔ ان سدا بہار باغوں میں ان کے لیے
وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ	پاکیزہ قیام گاہیں ہوں گی۔ اور سب سے بڑھ
ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ	کر یہ کہ اللہ کی خوشنودی انہیں حاصل
الْعَظِيمُ ۹	ہوگی۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رضا ایک ایسا مرتبہ ہے جو جنت سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔

امام صاحب گویا ہوئے ۔

۔ رضا جو کہ جنت کی ایک چیز یا شاخ ہے اس لیے شریعت و طریقت کے پیش نظر اسے شدت سے وضاحت بیان کیا گیا ۔

شیخ صاحب نے یہ فرما کر بات ختم کر دی کہ :-

۔ یہ نہ تکلیف و راحت کا خواہاں نہیں ہوں البتہ سراسر رضا کے خیال سے پر ہے :

جس طرح ایک روز آپ نے صبر کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ایک عجیب بات بیان کی تھی فرمایا آپ نے فرمایا کہ صبر کی دو قسمیں ہیں ۔ بدنی اور نفسانی ۔ بدنی کی پھر دو قسمیں ہیں ایک فعلی دوسری انفعالی ۔ فعلی یہ ہے کہ انسان اعمال شاقہ پر کیسے خاطر ہوا کرے ۔ انفعالی یہ کہ اگر اس پر شدائد و مصائب آئیں تو ثابت قدم رہے ۔

نفسانی کے بہت سے پہلو ہیں مثلاً :

۱۔ اگر انسان بطن و فرج کی شہوتوں سے محفوظ رہے تو اسے عفت کہتے ہیں ۔

۲۔ اگر طالب فضول سے پرہیز کرے تو اس کا نام زہد و قناعت ہے ۔

۳۔ اگر مصیبت کے وقت جزع فزع سے پرہیز کرے تو یہ معروف صبر ہوگا ۔

۴۔ اگر حالت جنگ میں ثابت قدم رہے تو اسے شجاعت کہا جاتا ہے کا یہ بھی صبر ایمان ہی کا ایک جز ہے ۔

۵۔ اگر غضب کی حالت میں انسان دوسرے کو مارنے یا برا بھلا کہنے سے باز رہے تو یہ حلم ہوگا ۔

۶۔ کسی مہم کے سر انجام دینے میں تحیر و اضطراب سے محفوظ رہنے کو وسعت حوصلہ قرار دیا گیا ۔

۷۔ اخفائے اسرار میں ضبط و صبر کو رازداری سے تعبیر کیا گیا ۔

اس طرح ثابت کر دیا کہ انسان کے اکثر محاسن و فضائل دراصل صبر ہی کے مختلف شعبے و مظاہر ہیں ۔

ایک دن قابل اخوند زادہ نے آپ سے حروف مقطعات کے متعلق سوال کیا تو آپ نے جواب میں یہ آیت شریفہ تلاوت فرما دی۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ
زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ
ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ
وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا
اللّٰهُ۔

جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ قرآن
کی متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں فتنہ
پیدا کرنے کے لیے اور اس کی ماہیت دریافت
کرنے کے لیے حالانکہ اس کی ماہیت نہیں
معلوم ہے مگر اللہ کو۔

سید صاحبؒ جب حسن زئی تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے درخواست کی کہ انہیں عشر معاف فرما دیا جائے، آپ نے تالیفِ قلوب کرتے ہوئے معاف فرما دیا۔ امام صاحبؒ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے رؤسا کو جمع کر کے فرمایا:۔

"عشر بھی خمس و زکوٰۃ کی طرح شرعی حقوق میں سے ہے اور اس کی معافی کا امام صاحب کو بھی، اختیار نہیں لہٰذا امام بھی اگر زراعت پیشہ ہو تو اسے بھی عشر بیت المال میں جمع کرانا پڑے گا۔"

جب رؤسا کو معلوم ہو گیا کہ یہ ایک شرعی امر ہے تو انہوں نے بھی اسے خوشی خوشی تسلیم کر لیا۔ یہاں ایک اور بات قابلِ غور ہے اور وہ یہ کہ آپ سید صاحبؒ کا اس قدر احترام کیا کرتے تھے کہ بقول نواب وزیر الدولہ مرحوم:۔

حضرت امامی مثال و مفتی مولانا عبد الحی
صاحبؒ و جناب عالم جلیل مولانا محمد اسمٰعیل
علیہما الرحمۃ از بس کہ بعد امیت حضرت
امامی حقیقت عظمت، معرفت، مقام قرب جناب
امام ہمام ہدایت فرجام بودند از کمال ادب بروی
آنحضرت مانند نقش و صورت بے حس از
خود رفتہ سراپا مطیع و منقاد و حسب فرمودۂ حضرت

حضرت امامی مثال و مفتی مولانا عبد الحی
اور جناب عالم جلیل مولانا محمد اسمٰعیلؒ کو
اگرچہ سید صاحبؒ کے ہاں بہت قرب
حاصل تھا تاہم وہ سید صاحبؒ کے سامنے
بالکل بے حس و حرکت، از خود رفتہ و سراپا
مطیع و منقاد رہتے اور ان کی نشست و برخاست
اور گفت و شنید تک بھی حضرت سید صاحب

اب کشف و شہود نشست و برخاست و گفت و شنود سب کچھ ﷺ کے حکم کے مطابق ہوتی تھی۔ لیکن چونکہ یہ ایک شرعی معاملہ تھا۔ اس لیے سید صاحبؒ کی بھی پرواہ نہ کی اور بے باک ہو کر حق کا اظہار فرما دیا۔ قاضی سید محمد جانؒ کو جب ستہ میں انتظامِ عشر کے لیے امیر بنا کر بھیجا گیا تو کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ انہیں بھی آپ کی حق گوئی و بے باکی کا یہ واقعہ یاد آ گیا جس کی وجہ سے انہوں نے آپ کو اپنے ساتھ لے جانے پر اصرار کیا اور کہا کہ اگر مجھ سے نادانستہ کوئی فعل خدا اور رسول کی رضا کے خلاف سرزد ہوا تو آپ اصلاح فرما دیں گے۔

جنگ مردان

جب قاضی سید محمد جانؒ کے زیر امارت اور امام صاحبؒ کے زیر نگرانی تین سو سوار اور اڑھائی سو پیادہ غازیوں کا قافلہ ستہ میں نظام شریعت کے استحکام اور بالخصوص عشر کے انتظام کے لیے گیا تو ان حضرات نے اپنے مشن کی کامیابی کے لیے دن رات کام کیا۔ علاقہ کے مختلف مقامات کے دورے کیے، لوگوں کو وعظ و تبلیغ کے ذریعے سمجھایا اور بہت سے خوانین کو جمع کر کے انہیں اصلاح احوال کی طرف توجہ دلائی۔ ان میں مردان کا رئیس احمد خان بھی تھا۔ اس نے جواب بھیجا کہ میں آٹھویں دن ملاقات کروں گا۔ ادھر باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ احمد خان پشاور کے درانیوں سے ساز باز کر کے مجاہدین کے خلاف محاذ قائم کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ مجاہدین نے بھی باہمی مشورے کے بعد مردان پر پیش قدمی کا فیصلہ کر لیا۔

عشاء کی نماز کے بعد شبخون کی نیت سے غازیوں کا لشکر مردان کی طرف روانہ ہوا جب مردان صرف ڈیڑھ کوس رہ گیا تو معلوم ہوا کہ دشمن کو حملہ کی اطلاع ہو چکی ہے۔ امیر لشکر قاضی صاحبؒ نے امام صاحبؒ اور دیگر اکابر سے مشورہ کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ یہاں تک تو اللہ تعالیٰ نے پہنچا دیا ہے۔ اب پیچھے لوٹ جانا نامناسب ہے اگر دشمن کے مطلع ہو جانے کے باعث شب خون کے فیصلے کے مطابق عمل ناممکن ہے تو کوئی مضائقہ نہیں ہم دن کے وقت بھی دشمن سے ہاتھ دو چار کرنے کے لیے تیار ہیں اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں فتح و نصرت نصیب ہوگی۔ قاضی صاحبؒ بھی یہی چاہتے تھے لہٰذا وہ یہ بات سن کر بہت زیادہ خوش ہوئے۔ اسی اثناء میں ایک مخبر نے بتایا کہ گڑھی کے قریب ہی ایک کھلیان

میں جا نہیں سکتا یہ آدمی غیر مقلد ہے لہٰذا بیٹھے ہیں۔ مولانا نے کچھ عطر تازہ [illegible] ایک شخص کے ساتھ ان کی طرف بھیج دیا۔ جب وہ پہنچے تو امام صاحب نے فرمایا عمدہ ہے اور قبول کر لیا۔ ادھر مولانا [illegible] نے بھی ظہر بول دیا۔ جس [illegible] سنت ہوتے ہوئے [illegible] پیچھے ہو گئے [illegible] اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس دوران مولانا کی زبان پر بھی ایک کوئی نکتہ [illegible] اور آپ ذکر پڑھ رہے۔ [illegible] پیچھے [illegible] فرماتے [illegible] دیکھے گئے۔ [illegible] وغیرہ [illegible] امام صاحب نے [illegible] فرمایا کہ [illegible] جواب دیا کہ آپ [illegible] پہلے [illegible] مطلب ہے۔ اگر صحیح ہو جائے تو مجھ بھی دکھا دینا کہ کس حال میں ہوں۔ جناب [illegible] آفتاب کے [illegible] صاحب کی جام شہادت نوش فرما گئے۔ امام صاحب کو علم ہوا تو فرمانے لگے۔

الحمد للہ قاضی القضاۃ سے بچ گیا

لیکن اس بات کو ہم پھر ذکر کریں کہ [illegible] کو سارے [illegible] شہادت [illegible] قاضی صاحب کی شہادت کے بعد امام صاحب نے دوست کے [illegible] شروع کیے۔ آخر کار [illegible] نصیب ہوئی۔ [illegible] کے بھائی [illegible] کی [illegible] کی۔ امام صاحب نے فرمایا [illegible] آدمی [illegible] ہم نہیں [illegible] رہا [illegible] محفوظ رہے گا البتہ۔ [illegible] کا [illegible] کے بعد [illegible] کی مسند پر بیٹھا [illegible] مروان کی [illegible] البتہ [illegible] کے بعد قاضی صاحب کے بھائی [illegible] اپنے وطن سے گئے اور وہاں دفن کیا۔ [illegible] کے بعد امام صاحب نے [illegible] لیا۔ [illegible] شریعت سے [illegible] کے بعد [illegible] ہوتے ہوئے [illegible] سید صاحب کی طرف سے [illegible] اور [illegible] سے [illegible] شریف لے گئے اور سید صاحب کی خدمت میں [illegible] مروان کی [illegible] سید صاحب نے جب [illegible] مروان [illegible] قاضی صاحب کی [illegible] فرمایا۔

جنگ مایار

مجاہدین اور درانیوں کے درمیان جو لڑائیاں ہوئیں ان میں سے جنگ مایار سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے کیونکہ اس موقعہ پر مجاہدین نے درانیوں کے چھکے چھڑا دیے۔ امام صاحب نے اس جنگ میں بھی اپنی شجاعت اور شجاعانہ حملوں کے خوب خوب جوہر دکھائے۔ درانیوں کی فوج بارہ ہزار تھی جب کہ مجاہدین کی تعداد تین ہزار سے متجاوز نہ تھی۔ درانیوں نے جب حملہ کیا تو ان کی کثرت تعداد کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا تمام مجاہدین ان کے نرغے میں آ گئے ہیں۔ اس موقعہ پر امام صاحب نے شیخ ولی محمد [illegible] کو اپنے ساتھ لیا اور دشمن کی توپوں پر قبضہ کر لیا۔ دشمن نے لشکر کے دونوں بازوؤں سے باری باری بڑھ کر [illegible] لیکن ہر بار [illegible] واپس دھکیلنا پڑا۔ آپ نے اس معرکہ میں بھی کئی درانی فوجیوں کو [illegible] [illegible] اس موقعہ پر آپ [illegible] ایک دشمن حملہ آور [illegible] آپ کی پشت مبارک زخمی ہو گئی تھی۔ [illegible] ایک دفعہ آپ کی بندوق خالی تھی اور [illegible] ایک درانی سوار آپ کے [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] [illegible] امام صاحب [illegible] [illegible] مقتول ہوئے۔ امام صاحب نے [illegible] شہیدوں کی [illegible] ان کی مغفرت کے لیے دعا کی۔ [illegible]

مردان کی طرف روانگی

جنگ مایار سے فراغت کے بعد [illegible] نے پشاور [illegible] بھی کیا [illegible] [illegible] امام صاحب نے فوراً [illegible]

صاحبؒ کو ایک سو رفقاء کے ساتھ مردان روانہ فرما دیا۔ ان میں سے کچھ ایسے غازی بھی تھے جنہوں نے گزشتہ چوبیس، تیس گھنٹوں سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ بھوک کی وجہ سے پیٹ میں قراقر اٹھ رہے تھے لیکن جب فرائض نے پکارا تو فوراً سوئے منزل رواں دواں ہو پڑے۔ جب ہوتی کے قریب پہنچے تو گڑھی سے کچھ گولیاں آئیں۔ امام صاحبؒ نے جب دیکھا تو غازیوں کو چار چار قدم کے فاصلہ پر چلنے کا حکم دیا۔ اسلام کے یہ جانباز سپاہی بڑی شان و شوکت سے قدم بڑھاتے ہوئے مردان کے مغربی سمت ایک باغ میں پہنچ گئے۔ اگرچہ گڑھی مردان کے برجوں سے مسلسل گولیاں آ رہی تھیں لیکن ان غازیوں کے مایۂ ناز سپہ سالار حضرت امام صاحبؒ نے ان کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کیا تھا، جہاں وہ بالکل محفوظ تھے۔

کچھ دیر بعد گولیاں تو مدھم پڑ گئیں لیکن انہوں نے ایک چال اور چلی اور وہ یہ کہ غازیوں کو زہر آلود کھانا کھلانے کا ارادہ کیا اس غرض سے امام صاحبؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ اجازت ہو تو کھانا لائیں۔ فراستِ مومن کے بھی قربان جائیں، آپ ان کے اس برے ارادے کو بھی بھانپ گئے اور فرمانے لگے: "خبردار! ان شرارتوں سے باز آ جاؤ ورنہ درانیوں سے مالِ غنیمت میں حاصل کی ہوئی توپوں کے ساتھ گڑھی کو نیست و نابود کر دوں گا"؛ چنانچہ آپ نے شاہینوں کو لانے کے لیے آدمی بھی روانہ فرما دیئے۔ جب ان کو علم ہوا تو دوڑے آئے اور صلح کے لیے آمادہ ہو گئے۔

رسول خاں نے صلح کے لیے یہ شرط پیش کی کہ غازی قصبے سے باہر رہیں گے اور اندر داخل نہ ہوں گے۔ امام صاحبؒ نے سید صاحبؒ کے استثناء کے ساتھ اس شرط کو تسلیم کر لیا اس کے بعد آپ نے مرزا احمد بیگ کی قیادت میں پچاس غازیوں کو گڑھی پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ فرمایا اور تمام برجوں پر پہرے دار تعین کر کے بندوقیں چلانے کا حکم دے دیا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ قبضہ مکمل ہو چکا ہے۔ رسول خاں کو سید صاحبؒ کی خدمت میں تو رو بھیج دیا۔ سید صاحبؒ کو صلح کی شرائط کی خبر دینے کے لیے کچھ غازی بھی بھیجے جب سید صاحبؒ کی آمد کی خبر ملی تو پھر ایک غازی کو آگے بھیج دیا کہ آپ کی خدمت میں یہ عرض کریں کہ یہ شرائط صلح میں طے پا گیا ہے کہ آپ باہر تشریف رکھیں، اندر قدم رنجہ نہ فرمائیں۔

سید صاحب کی تشریف آوری کے موقع پر سواروں اور پیادوں کا ایک بڑا ہجوم ان کے ساتھ تھا اس لیے جیسی نیازی و ملا فیض محمد کو بھیجا گیا تھا وہ آپ تک پیغام پہنچانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس لیے سید صاحبؒ کو شیخ کی شرائط کا علم نہ ہو سکا اور آپ اندر تشریف لے آئے۔ امام صاحبؒ کو جب آپ کے اندر تشریف لے آنے کی خبر پہنچی تو غصے کی حالت میں فوراً آپ کے پاس پہنچے اور جاتے ہی کہا:-

جناب خود خلاف شرع امر کے مرتکب ہوئے۔ فیصلہ السلام
میرے ایک آدمی کے عہد کا ایفا بھی لازم اور ضروری ہے شیخ پر
واجب ہو جاتا ہے۔ مجھے آپ نے اپنا نائب بنا کر بھیجا تھا لیکن
آپ نے میرے عہد کا بھی خیال نہ رکھا اور قصبے میں داخل ہو گئے
بہتر ہے واپس میدان میں ٹھہر جائیے پیر زادوں کا قافلہ
نہیں تو قصبے میں گھس آئے گا

دراصل کسی غلطی سے سید صاحبؒ کو امام صاحبؒ کی طرف منسوب کر کے قصبے میں آنے کا پیغام دے دیا جس کی وجہ سے سید صاحبؒ اندر تشریف لے آئے۔ امام صاحبؒ نے جب اعتذار کیا تو سید صاحب فرمانے لگے۔

مجھے کیا خبر تھی تو آیا، ورنہ کیا ہے کہ آتا، میں ابھی جاتا ہوں۔
فرما کر مشرقی دروازے سے باہر نکلے اور قصبے کے مشرقی کنارے
پر توت کے درختوں کے سائے میں جا بیٹھے۔

امام صاحبؒ کی اس روش کو اپنے پیر و مرشد کی بے ادبی پر محمول نہ کیا جائے۔ ہوتا وگرنہ آپ تو اپنے پیر و مرشد کا اس قدر ادب و احترام کرتے کہ جب وہ سوار ہوتے تو آپ رکاب تھام کر چلتے تھے، جب وہ بغرض استراحت سوتے تو ساری رات ان کی چارپائی کے پاس بیٹھ کر گزار دیتے اور جب وہ کسی مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو آپ بالکل بے حس و حرکت رہتے اور آپ کی بات کا جواب بھی بڑی مشکل سے دیتے تھے۔ یہاں آپ کا یہ طرز عمل بھی جوش ایمانی، حق کی پاسداری، شرعی معاملات میں سختی سے پابندی اور

حق گوئی و بے باکی کے سبب سے اور جیسا کہ قبل ازیں بھی اس طرف اشارہ کیا گیا ہے بعد میں جب آپ کو شیخ ولی محمد کی زبانی معلوم ہوا کہ سید صاحب کی خدمت میں کوئی تحفہ نذر نہیں بھیجا تھا تو ضروری امور سے فراغت کے بعد سید صاحب کی خدمت میں تشریف لے گئے اور نہایت ادب سے دو زانو ہو کر بیٹھ گئے۔ سید صاحب نے بھی آپ کی حق گوئی پر کسی ملال کا اظہار نہ فرمایا بلکہ اہل قصبہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ لوگوں نے میاں صاحب سے ہماری شکایت کر کے انہیں ناراض کر دیا۔ پھر آپ کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ مجھے آپ کے عہدہ و جلالت سے کسی نے مطلع نہیں کیا ورنہ ایسا ہرگز نہ ہوتا۔ آپ نے بھی انتہائی مؤدبانہ پیرایہ بیان میں صورت حالات کی وضاحت فرما دی۔ اہل قصبہ نے جب لشکر اسلام کے سپہ سالاروں کی حق شناسی کا یہ منظر دیکھا تو بہت معذرت کی اور سید صاحب کی خدمت اقدس میں اصرار کرنے لگے کہ آپ خود بدولت گڑھی کو قدوم میمنت لزوم سے نوازیں چنانچہ آپ نے ان کی درخواست کو شرف قبولیت سے نوازا۔

سرداران پشاور کا پیغام مصالحت

پشاور کے سرداروں نے جب مجاہدین کی کامیابی کو دیکھا تو سلطان محمد خان وغیرہ نے مصالحت کے لیے سلسلہ جنبانی شروع کر دیا۔ مشورہ کے بعد امام صاحب کو ان سے ملاقات کے لیے نامزد کیا گیا۔ آپ چالیس غازیوں کے ہمراہ ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔ سلطان محمد خان کی خواہش تھی کہ گڑھی میں امام صاحب کی ملاقات ہو تاکہ دروازہ تک استقبال کے لیے خود جا سکے لیکن ارباب فیض اللہ خان نے گڑھی کے دروازے کے سامنے باغ میں ملاقات کا انتظام کیا۔ امام صاحب نے پندرہ سوار تیار کر کے اس مقام پر متعین فرما دیا جہاں سے سلطان محمد خان کے لشکر کی آمد ممکن تھی۔ اور آپ مقام ملاقات پر تشریف لے گئے۔ سلطان محمد خان آ کر بغلگیر ہوا۔ آپ کے دست حق پرست پر بیعت کرنے کے بعد کہنے لگا کہ آئندہ سے میں دین کی خدمت اور غازیان اسلام کی اعانت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھوں گا۔ چنانچہ یہ پہلی مجلس صوری گفتگو ہی پر اختتام پذیر ہوئی۔ یہ جمعرات کا دن تھا اس کے بعد ہفتہ کے دن ملاقات کا پروگرام طے پایا۔ پروگرام کے مطابق جب ہفتہ کے دن مذاکرات ہونے

تو دیگر امور میں بحث کے علاوہ سلطان محمد خان نے حضرت سید صاحبؒ سے ملاقات کا اشتیاق بھی ظاہر کیا۔ امام صاحبؒ نے فرمایا یہ حضرت کی رائے پر موقوف ہے بہتر آپ سے موافقت کے بعد تیار ہو جائے گا۔

آپ نے سید صاحبؒ سے اس کا ذکر کیا تو وہ ملاقات کے لیے تیار ہو گئے پشاور اور ہزار خانی کے درمیانی میدان کو ملاقات کے لیے انتخاب کیا گیا دونوں فریق اپنے اپنے لشکر کے ہمراہ ملاقات کے لیے آئے۔ امام صاحبؒ ارباب بہرام خانؒ سید صاحبؒ کی مدد کر رہے تھے جب کہ ارباب فیض اللہ خان اور مردان خان، سلطان محمد خان کے معاون تھے۔ تقریباً آدھ گھنٹہ تک گفتگو جاری رہی جو کہ فریقین کی مصالحت پر منتج ہوئی۔

سلطان محمد خان کے بعد خیبر سے اٹک تک کے تقریباً تمام رؤسا و خوانین نے بھی ملاقات کرکے اطاعت کا اظہار کیا جس سے یہاں یہ معلوم ہونے لگا کہ تین چار برس کی جانفشانیوں میں جان پڑ گئی ہے اور وہ روشن مستقبل کی غمازی کر رہی ہیں مگر افسوس کہ سرداران پشاور نے دھوکا دیا اور یہ جھوٹ اور سراب ثابت ہوئی۔

سازش

معلوم ہوتا ہے کہ سرداروں نے مصالحت سے جب مجاہدین کو مطمئن کر دیا تو خود دامِ ہمرنگِ زمیں بچھا کر خفیہ سازشوں کے منصوبے بنانے میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے سازش کا جال کچھ اس قسم کا بنانا چاہا کہ مختلف مقامات کے لوگوں کو اپنے ساتھ ملائیں اور ان علاقوں میں پھیلے ہوئے مجاہدین کو ایک ہی وقت میں کامل بے خبری کے عالم میں شہید کر دیں۔ ارباب فیض اللہ خان کو جب اس جوڑ توڑ کی اطلاع ملی تو انہوں نے فوراً پشاور کے قاضی مولانا مظہر علی صاحبؒ کو مطلع کیا اور کہا کہ امیر المومنین کو بھی اس صورت حال سے آگاہ کرو۔ اسی طرح شیخ حسن علی جن کا پورا خاندان سید صاحبؒ کے حکم سے دکھاڑا میں مقیم تھا۔ انہیں سازش کی ابتدائی خبر دکھاڑا کی مسجد کے امام سید جعفر سے معلوم ہوئی۔ انہوں نے اپنے بھائی عبد العزیز کو دکھاڑا سے سید صاحب کی خدمت میں یہ پیغام دے کر پنجتار بھیج دیا کہ ایک سازش کا انکشاف ہوا ہے اور وہ یہ کہ سردار ایک ہی شب میں مختلف مقامات میں موجود غازیوں کو خاک و خون میں تڑپانے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ لیکن سید صاحبؒ

فاتح کی حیثیت میں داخل ہوا ۔

شیخ عبدالعزیز نے واپس آ کر جب اپنے تعاقب اور سید محمد اصغر کو بتایا کہ سید صاحب اس خبر کو صحیح تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تو انہوں نے بڑے افسوس کا اظہار کیا سید محمد جعفر نے دوبارہ پیغام بھیجا لیکن سید صاحب نے یہی فرمایا کہ یہ سب خوانین ہمارے دوست ہیں اور یہ ہماری کسی دشمن سے لڑائی مول لیں ۔ شیخ نے دوبارہ پہنچ کر جب بتایا کہ سید صاحب اپنے موقف پر بدستور قائم ہیں تو سید محمد اصغر حزن و اضطراب کے عالم میں اشکبار ہو کر کہنے لگے میری بات کو یاد رکھنا ، دو تین روز میں یہ حقیقت واضح ہو جائے گی ۔ چنانچہ چند دن بعد ہی بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے اور پشاور کے سرداروں نے مولانا مظہر علی ، ان کے رفقاء اور ارباب فیض اللہ خان کو شہید کر دیا ۔

سید صاحب کو جب اس حادثہ کا علم ہوا تو انہوں نے امام صاحب اور دیگر مشیروں سے مشورہ کیا اور مختلف مقامات میں موجود غازیوں کو پنجتار پہنچنے کا پیغام بھیج دیا ۔ امام صاحب نے مسجد کے جنوب مغربی گوشے میں توپیں نصب کرا دیں ۔

جنگ بالاکوٹ

پشاور اور ہزارہ کے باشندوں کی غداری اور بد عہدی سے امیر المومنین حضرت سید صاحب بہت بیزار ہو گئے حتیٰ کہ ان کے علاقے میں اب قیام کرنا بھی بے فائدہ تصور فرمایا اور وہاں سے ہجرت کا عزم کر کے دشوار گزار کوہستانی راستوں اور سنگلاخ گھاٹیوں کو طے کرتے ہوئے راجدواری تشریف لے گئے حضرت امام صاحب بھی آپ کے رفیق سفر تھے ۔ راجدواری پہنچے تو برف باری کا موسم شروع ہو چکا تھا اس موسم میں جنگ ممکن نہ تھا اس لیے پورے لشکر کو وہاں رکھنے کے بجائے مختلف مقامات پر بھیج دیا گیا شنکیاری کے قریب درہ بھوگڑمنگ خاص اہمیت کا حامل تھا کیونکہ یہاں سکھوں کی ایک بڑی فوجی تھی سکھوں کی طرف سے حملہ کی روک تھام کے لیے سید صاحب نے درہ بھوگڑمنگ میں چار سو غازیوں کا ایک لشکر روانہ فرما دیا ۔ امام صاحب اس کے امیر اور مولانا خیر الدین شیرکوٹی نائب امیر و مشیر تھے ۔ امام صاحب نے راستے میں ایک منزل پر قیام فرمایا ۔ مولانا خیر الدین کو ساڑھے تین سو غازیوں کا امیر بنا کر بھوگڑمنگ روانہ فرما دیا اور خود پچاس رفقاء سمیت بھوگڑمنگ سے

چند میل کی مسافت پر واقع موضع سچوں میں تشریف لے گئے اسی اثنا میں سید صاحبؒ کو معلوم ہوا کہ سکھوں نے اپنے آدمی امراء و صاحب کا صرف نام مسلمانوں کو بھی کچھ حقیقی نہیں بنا رکھا بلا وجہ سے خرابی اور روک جا رہی ہیں جو غریب رعایا تنگ کر رکھا ہے ان تمام سرداروں نے سید صاحبؒ کی خدمت میں امداد کی درخواستیں ارسال کیں۔ سید صاحبؒ نے یہ تمام حالات لکھ کر امام صاحبؒ کی خدمت میں بھیج دیئے اور فرمایا کہ آپ فوراً بالاکوٹ تشریف لے آئیں۔ آپ نے یہ خط پہنچتے ہی بلا تاخیر بدون انتظار آپ فوراً بالاکوٹ پہنچ جائیں ورنہ تین روز تک ہم پہنچ جائیں گا۔

سفر بالاکوٹ

آپ دو شعبان ۱۲۴۶ھ کو سچوں سے سیدھے بالاکوٹ روانہ ہوئے لیکن بطور تدبیر فرمایا کہ بھوگڑمنگ جانا ہے جب روانہ ہوئے تو بات بدلی ہوئی تھی۔ بھوگڑمنگ پہنچ کر درختوں کے نیچے قیام فرمایا اور اعلان کر دیا کہ ہمیں بالاکوٹ جانا ہے راستے میں ایک گاؤں آیا اس میں کچھ دیر ٹھہرے۔ پہاڑوں سے ہوتا ہوا پہاڑی اور جب معلوم ہوا کہ اس گاؤں میں ٹھہرنے کے لیے کوئی خالی مکان نہیں مل سکے گا تو چلتے ہوئے منزل چل پڑے۔ نماز عصر وہیں کو وہیں اور مغرب بعض نمازیوں نے بیٹھ کر پڑھی۔ راستے میں دو وادیاں چڑھائی اور اترائی راستے کے سنگلاخ اور انتہائی دشوار گذار ہونے کے باعث اس سفر میں بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ جیسا کہ تین روز سے پیدل چلتے رہے اور رمضان آ رہا تھا ان دنوں طبیعت بھی علیل تھی۔ چلتے چلتے جب جنگل سے گزر رہے تھے تو ایک پتھر پر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے بھائیو! مجھ سے ہم تو یہاں سے اٹھنے نہیں۔ چنانچہ ان تمام غازیوں دو دو کر کے کوٹ سے چارپائی اور کچھ آدمی گاؤں سے لے آئے اور آپ کو چارپائی پر ڈال کر بالاکوٹ پہنچا دیا۔ اسی شام رمضان المبارک کا چاند طلوع ہوا اور آپ دوسرے دن بالاکوٹ تشریف لے گئے۔

سردار لوگ جب آپ سے ملاقات کی تو آپ سے بھی امداد کی درخواست کی۔ آپ نے غازی کی بھیجنے کا وعدہ فرمایا۔ مولانا خیر الدینؒ کو امیر بنایا گیا لیکن انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ ان لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ نا معلوم کس شکل میں چھپ کر علیحدہ ہو جائیں۔ آپ نے بذریعہ بعد کے ہمراہ تین سو غازیوں کو مظفرآباد روانہ فرما دیا۔ سید صاحبؒ کو جب مولانا خیرالدین کی معذرت

[illegible] آپ [illegible] آپ کا عذر قبول [illegible]
[illegible] ساتھ [illegible]

دینی مصروفیات

مولانا نصیر الدین [illegible] میں نماز تراویح کا انتظام [illegible] صاحب ضعف و نقاہت کے باعث [illegible]

[illegible] تراویح میں شریک [illegible]
[illegible] اور [illegible] ہے [illegible]
[illegible] آپ [illegible]
[illegible] رمضان المبارک [illegible]
[illegible] آپ نے [illegible]

> [illegible] جی چاہتا ہے کہ [illegible] تراویح میں [illegible] لیکن
> شرط یہ ہے کہ امام مجھے [illegible] جائے۔

[illegible]
[illegible]

> آپ نے [illegible]
> [illegible]
> [illegible]
> [illegible]

[illegible] اور پیغام سید صاحب

[illegible] رمضان [illegible]
[illegible]

[illegible] رمضان المبارک [illegible] پہنچ گئے تھے [illegible] رمضان المبارک کو جمعہ [illegible]
خطبہ جمعہ [illegible]
[illegible] اور [illegible] خان [illegible]
[illegible] سید صاحب [illegible] خدمت میں [illegible]

ایک دن خود ہی سچون کا فیصلہ کر لیا لیکن اسی روز سید صاحبؒ کا ایک خاص خادم درج ذیل پیغام لایا :-

مرحمت دستگاہ آں برگزیدہ بارگاہ ایزد
امید ہست کہ اشتیاق از حد بیش دارم۔ نامہ بہ
طلب شما روانہ نمودہ از عقب سردار حبیب اللہ
خاں ہم مے رود۔ حکم قطعی برائے خود دیدہ
دانستہ زود از زود روانہ شوند و این جانب
خوشنود شود۔

آپ بہت مدت سے ہم سے جدا ہیں لہٰذا
ملاقات کا اشتیاق بہت زیادہ ہے اس لیے
آپ کو بلانے جاتا ہے سردار حبیب اللہ خاں
بھی آ رہا ہے لہٰذا آپ اسے قطعی حکم سمجھتے ہوئے
جلد از جلد ہمارے پاس تشریف
لائیں۔

اس مکتوب کے اختتام پر مہر اور آغاز پر کلمہ اللہ کافی ثبت تھا۔ اصطلاح میں اس سے اشتیاق تاکید مراد تھی۔ امام صاحبؒ نے یہ مکتوب پڑھتے ہی فرمایا کہ اب جانا چاہیے مجھے حضرت نے طلب فرمایا ہے اس لیے سچون کا ارادہ ملتوی کیا جاتا ہے۔ کچھ احباب نے درخواست کی کہ سچون کا فیصلہ ملتوی نہیں کرنا چاہیے سید صاحب کی خدمت میں یہ حالات لکھ بھیجے جائیں لیکن آپ نے فرمایا حضرت کا ازحد تاکیدی فرمان ہے جس کی اطاعت سے انکار کی مجھے گنجائش نہیں۔ آپ نے شیخ بلند بختؒ کو امیر بنایا اور خود سید صاحبؒ کی خدمت میں سچون تشریف لے گئے۔ سچون میں دیگر امور کے علاوہ سید صاحبؒ کے حکم سے آپ نے مشکوٰۃ المصابیح کا درس بھی شروع فرمایا۔ ہر روز صبح کے وقت ایک مجلس میں چند احادیث کا ترجمہ و تشریح بیان فرماتے۔ ان مجلسوں میں سید صاحبؒ بھی شرکت فرماتے۔ عصر کے بعد مجمع عام میں مشکوٰۃ کی ایک فصل سامنے رکھ کر خطاب فرماتے۔ سید صاحبؒ نے آپ کو یہاں اس لیے طلب فرمایا تھا کہ سکھوں کی طرف سے درہ بھوگڑ منگ پر حملے کا خطرہ تھا۔ ابھی تک آپ کوئی فیصلہ نہیں کر پائے تھے کہ بالاکوٹ سے حبیب اللہ نے لکھا کہ شیر سنگھ بالاکوٹ میں پیش قدمی کا ارادہ کر رہا ہے لہٰذا آپ جلد بالاکوٹ تشریف لے آئیں۔ چنانچہ آپ امام صاحبؒ اور دیگر رفقاء سمیت ۵ ذی قعدہ (۱۷ اپریل ۱۸۳۱ء) کو سچون سے بالاکوٹ روانہ ہو گئے۔

جذبۂ تبلیغ

پہاڑی راستہ تھا۔ کمزوری طبیعت کے باعث امام صاحبؒ کا چند

قدم پر سانس پھول جاتا۔ جب تھکاوٹ سے بہت چور ہو جاتے تو پتھر پر بیٹھ کر وعظ فرمانا شروع کر دیتے سانس درست ہو جاتا تو پھر سفر جاری فرما دیتے۔ اسی طرح کے ایک موقع پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

> "بھائیو! خیال کرو۔ اگر ہم کسی امیر یا رئیس کے نوکر چاکر ہوتے اور وہ اپنے کسی کام کے لیے ایسے دشوار گزار راستے پر بھیجتا تو بلا عذر جانا اور رنجِ راہ اٹھانا پڑتا۔ لیکن وہ نوکری صرف گزرانِ دنیا کے لیے ہوتی۔ الحمدللہ آج ہم کسی کے نوکر نہیں ہیں بلکہ محض اپنے پروردگار کی خوشنودی و رضامندی کے لیے یہاں آئے ہیں اور خوشی خوشی یہ سب محنتیں اور مشقتیں اٹھاتے ہیں اگر ہماری نیتیں خالص ہیں تو اللہ تعالےٰ آخرت میں بڑا درجہ دے گا؎"

پہاڑ کی چوٹی پر کئی چشمے تھے۔ سید صاحبؒ وہاں ٹھہر گئے اور امام صاحبؒ سے فرمایا کہ آپ بالاکوٹ تشریف لے جا کر ہمارے خورد و نوش کا انتظام کریں لیکن بعد میں پیغام بھیج دیا کہ آپ ہمارا انتظار نہ کریں، ہم رات پہاڑ پر ہی بسر کریں گے؛ چنانچہ سید صاحبؒ صبح بالاکوٹ روانہ ہوئے۔ امام صاحبؒ نے ست بنے کے نالے پر آپ کا استقبال کیا جنگِ بالاکوٹ کے واقعات سمجھنے کے لیے بالاکوٹ کے محلِ وقوع کی وضاحت ضروری ہے جو کہ حسبِ ذیل ہے۔

بالاکوٹ

"بالاکوٹ ضلع ہزارہ کی تحصیل مانسہرہ کا مشہور قصبہ ہے اور تحصیل کے شمالی و مشرقی گوشے میں وادیٔ کاغان کے جنوبی دہانے پر پاسبان کی حیثیت میں کھڑا ہے۔ اردگرد کے پہاڑی سلسلوں کو پیشِ نظر رکھا جائے تو بالاکوٹ وادیٔ کاغان کا ایک حصہ معلوم ہوگا چونکہ اس کے سر پر پہنچ کر وادی کو پہاڑی دیوار نے بند کر دیا ہے اور دریائے کنہار (جس کا اصل نام دریائے کاغان ہے) کے منفذ کے سوا کوئی راستہ باقی نہیں رہا، اس لیے بالاکوٹ وادیٔ کاغان سے منفک ہو گیا۔"

"مانسہرہ سے جو سڑک پہاڑوں کے نشیب و فراز سے گزرتی اور پیچ و خم کھاتی ہوئی مظفرآباد

اور سری نگر جاتی ہے، وہ پندرھویں یا سولھویں میل پر وادیِ کنہار میں داخل ہوتی ہے۔ وہاں سے اس کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں۔ ایک شاخ دریا کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ جنوب کو گئی ہے قریباً ڈیڑھ میل پر ایک پل ملتا ہے اس سے گزر کر مشرقی کنارے پر جائیں تو تھوڑی دور گڑھی حبیب اللہ خاں کی آبادی ہے۔ یہی سڑک مظفر آباد اور سری نگر جاتی ہے دوسری شاخ کنہار کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ شمال کو گئی ہے اس کے دسویں میل پر بالاکوٹ واقع ہے[لہ]۔

لشکر گاہیں

سید صاحبؒ جب بالاکوٹ تشریف لائے تو سکھوں کا لشکر دریائے کنہار کے مشرقی کنارے پر بالاکوٹ سے جنوب کی جانب دو اڑھائی کوس کی مسافت پر ہوگا۔ آپ نے بالاکوٹ پہنچ کر مختلف گزرگاہوں کی حفاظت کا بندوبست کیا۔ سکھوں کے لیے بالاکوٹ پر حملے کی دو ہی صورتیں تھیں اول یہ کہ وہ مٹی کوٹ کی طرف سے پہاڑ پر چڑھ کر مٹی کوٹ کے ٹیلے پر پہنچ کر نیچے اترتے اور دوم یہ کہ کنہار کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ بالاکوٹ کے سامنے پہنچیں۔ انہوں نے دوسری صورت اختیار کی لیکن یہ شکل اختیار کرنے سے وہ توپیں اور بھاری سامان اس راستے سے نہیں لے جا سکتے تھے سید صاحبؒ نے بھی دونوں امکانات کے لیے جگہ جگہ مورچے بنوا کر ان میں مجاہدین کو متعین کر دیا۔ ارشاد کا حکم تھا کہ سکھ مٹی کوٹ کے ٹیلے اور قصبے کے درمیانی نشیبی علاقہ میں جس وقت پہنچیں تو ان پر حملہ کیا جائے۔ تمام مجاہدین کی جماعت کو قصبے کی جانب ہٹانے کا فیصلہ کیا گیا لیکن بعد میں آپ خود جماعت کے ساتھ نہیں تھے بلکہ غازیوں کی ایک جماعت کے ہمراہ مسجد بالا کے پاس شمالی طرف قیام فرما تھے آپ کی جماعت کے بائیں طرف شیخ ولی محمدؒ اور آپ کے سامنے مسجد کی مغربی جانب مولانا احمد اللہ ناگپوری کی جماعت کا مورچہ تھا۔ اسی طرح دیگر جماعتوں کی بھی موزوں مقامات پر مورچہ بندی کر دی گئی تھی۔

جنگ

صبح کی نماز مسجد بالا میں ادا کی گئی، سید صاحبؒ نے امامت کے فرائض انجام دیئے سکھ لشکر ایک دن پہلے ہی پہاڑ پر پہنچ گیا تھا لیکن رات ہو جانے کے باعث پیش قدمی نہ کر سکا۔ طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی مٹی کوٹ کی شمالی جانب سے نمودار ہوئے اور گولیاں چلانے لگے ان کے شاہینوں کے گولے قصبے کے اوپر سے

نکل رہے تھے۔ سید صاحبؒ نے تمام جماعتوں کے امراء کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ چوکی میں بیٹھ کر دفاع کریں اور اس وقت تک باہر نہ نکلیں جب تک کہ جابجا نشان آگے بڑھتا ہوا نظر نہ آئے۔ سکھوں کی طرف سے گولیوں کی موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ بعض غازی زخمی ہو گئے آہستہ آہستہ پوری سکھ فوج مٹی کوٹ کے ٹیلے سے بالا کوٹ کی طرف نیچے اترنے لگی یہ دیکھ کر سید صاحبؒ مسجد بالا سے مجاہدین کے ایک دستے کے ساتھ روانہ ہوئے حضرت امام صاحبؒ نے جب آپ کو دیکھا تو اپنے مورچے سے نکل کر آپ کے ساتھ ہو لئے مسجد زیریں میں چند لمحات قیام کے بعد سید صاحبؒ اچانک دلدل میں داخل ہو گئے امام صاحبؒ نے دیکھا تو انہیں اور ان کے ہمراہ آنے والے مجاہدین کو سید صاحبؒ کے ارد گرد جمع ہو جانے کا حکم دے دیا۔ آخر کار بڑا گھمسان کا رن پڑا۔ سکھ فوج اگرچہ مجاہدین کی نسبت بارہ گنا زیادہ تھی لیکن غازیوں نے بڑی عزیمت و استقامت کے ساتھ مردانہ وار مقابلہ کیا۔ غازی بھوکے ہوئے شیروں کی طرح جس طرف رخ کرتے دشمن کی صفیں الٹ دیتے حتیٰ کہ سکھ پسپا ہو گئے اور آخر کار شیر سنگھ نے خود تلوار ہاتھ میں لی اور آگے بڑھنا شروع کیا۔ جوان سنگھ اسے روک رہا تھا لیکن اس نے کچھ نہ سنا اور آگے ہی بڑھتا گیا اس نے اپنے دیگر ساتھیوں کو بھی میدان میں لڑنے پر ابھارنا شروع کیا۔ سکھ فوج واپس آ گئی اور اس نے بڑی شدت سے حملہ کیا الغرض دونوں فوجیں بڑی جانبازی سے لڑتی رہیں اور فریقین کی طرف سے بڑی زبردست تیغ آزمائی ہوتی رہی سید صاحبؒ اور امام صاحبؒ نے بھی شجاعت کے خوب خوب جوہر دکھائے حتیٰ کہ سکھ مورخ گیان سنگھ نے بھی لکھا ہے کہ :-

خلیفہ سید احمد شاہ و مولوی اسمٰعیل کہ سر
دو امیران ملال بر آن فوج بودند راست
خود حملہ کناں و اللہ اکبر گویاں ...... در زمین
مسجد کہ درمیان جنگل بود آمدند و بآواز
بلند گفتند کہ کافران رفتند حملہ
کنید[۱۲۰]

خلیفہ سید احمد شاہؒ اور مولوی اسمٰعیلؒ بھی
جو فوج کے سب سے بڑے سردار تھے وہ دونوں
خود حملے میں شریک ہو گئے اور ...... اللہ اکبر
کہتے ہوئے مسجد کی زمین میں پہنچ گئے زور زور
سے کہہ رہے تھے دیکھو کافر شکست کھا کر جا رہے
ہیں ان پر حملہ کرو ۔ ۔

فریقین میں بڑا زبردست مقابلہ ہوتا رہا۔ بالآخر مشیت ایزدی کے مطابق اس معرکہ میں سید صاحبؒ، امام صاحبؒ اور دیگر بہت سے مجاہدین اسلام جام شہادت نوش فرما گئے۔ سیدین شہیدینؒ کی شہادت کیسے واقع ہوئی اس میں بہت زیادہ اختلاف ہے اور خصوصاً سید صاحبؒ کی شہادت یا غیبوبت میں بھی اختلاف ہے اس کی تفصیل کے لیے "سید احمد شہیدؒ" مصنفہ مولانا غلام رسول مہر کا مطالعہ فرمایئے یہاں ہم حضرت امام صاحبؒ کے متعلق آپ سے جو روایات منقول ہیں ان کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

شہادت کیسے ہوئی

مشہور یہ ہے کہ امام صاحبؒ کی پیشانی پہ گولی لگی۔ سید عبدالرحمٰنؒ (خواہر زادہ سید صاحبؒ) نے شیخ ولی محمدؒ اور ملا اللہ خان گھکھڑی کی زبانی سنا کہ مولانا کے سر پر ایک گولی لگی تھی اس سے اگرچہ خفیف زخم آیا لیکن داڑھی خون سے رنگی گئی پھر آپ ننگے سر ملا اللہ خان کو ملے بندوق بھری ہوئی تھی اور لبلبی چڑھی ہوئی تھی۔ پوچھا: امیر المومنینؒ کہاں ہیں؟ ملا اللہ خان نے مٹی کوٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ادھر سے کثرت سے گولیاں آرہی تھیں لیکن یہ کہتے ہوئے چلے گئے: بھائی! میں تو وہیں جا رہا ہوں۔ پھر معلوم نہ ہو سکا کہ کس جگہ سے شہادت پائی۔ بیان حفیظ اللہ دیوبندیؒ نے انہیں دوسرے غازیوں کے ساتھ کھیتوں میں مٹی کوٹ کے نالے کے قریب بندوق چلاتے دیکھا تھا۔ بیان امام الدین بڈھانویؒ کا بیان ہے کہ جب غازی حضرت امیر المومنینؒ کی تلاش میں تھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ مولانا رائفل کندھے پہ رکھے ہوئے چہل قدمی کر رہے تھے پیشانی سے خون جاری ہے۔ حافظ محمد جعفر پھلتی مٹی کوٹ کے دامن کے حالات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرے بائیں طرف سے مولانا اسمٰعیل رائفل کندھے پہ ڈالے اور ننگی تلوار ہاتھ میں لیے میرے پاس آئے پیشانی سے خون بہہ رہا تھا۔ پوچھا: امیر المومنینؒ کہاں ہیں؟ میں نے اپنے داہنے طرف ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اس ہجوم میں ہیں۔ یہ سن کر وہ اسی طرف جھپٹتے ہوئے چلے گئے۔ کریم خان میواتی کا بیان ہے کہ مولانا اس ہجوم کی طرف چلے گئے جہاں لڑائی ہو رہی تھی یہ یقینی ہے کہ سر سے خون جاری تھا۔ یہ معلوم نہیں کہ گولی پیشانی پہ لگی تھی یا کنپٹی پہ۔ ہجوم میں جا کر داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔

شہادت کہاں ہوئی؟

آخری بیان کسی صحیح شہادت پر مبنی نہیں بہت ممکن ہے جو میر نعمان چونکہ تو بالا پر قیام کر رہا تھا کہ وہاں شہید ہوئے ہوں جو بالاکوٹ کی مغربی جانب مٹی کوٹ کے دامن میں تھا اور مولانا کو قریبی جنگ سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر قصبہ کے شمال مشرق میں ست بنے کے نالے کے پار تین فرلانگ دور مولانا مٹی کوٹ کے دامن میں شہید ہوئے لیکن ثابت کر رہا تھا کہ آپ کا دور جب اسی تعلق مقام پر کہیں ہو گئے جہاں کوئی پتھر نہیں تھا بلکہ کھیت ہی کھیت تھے میرا خیال ہے کہ مولانا بڑھتے لڑتے اور دشمن کے دباؤ کے باعث مٹی کوٹ کے دامن سے پیچھے ہٹتے ہٹتے ست بنے کے نالے تک پہنچ گئے اور وہاں شہید ہوئے یہ معلوم نہیں کہ شہادت گولی سے ہوئی یا تلوار سے۔[۲۲] شیخ محمد اکرام صاحب مرحوم نے لکھا ہے کہ کافروں نے شہادت کے بعد آپ کی لاش کو بہت تلاش کیا لیکن نعش کا پتا نہ چل سکا جیسے ہیں۔ ؎

شوق سے ... کی عظمت ہے کہی　　　لاش کو اغیار سے تو لوٹ نہ دیکھ

پر وہ ... میں سینہ کا صدقہ کی　　　کی لاش اعدا سے لیکن نہ ملی

دہشت دیکھا تو ہے سو سو بار ہے[۲۳]

بہرحال ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۶ مئی ۱۸۳۱ء بروز جمعہ مبارک کے دن یہ واقعہ پیش آیا حضرت امام صاحب اپنے پیر و مرشد اور دیگر جاں نثار رفقاء و مجاہدین جان پر کھیل کر میدان میں لڑے۔ علمائے حق کی آخری تحریک اکابر مرد دلوں کی باہمی محبت سے جہاد میں کی قدر دانی اور دشمن کے بے پناہ حربے سامان حرب کی فراوانی کے باعث اگرچہ صورت حالات نظر آ رہی تھی لیکن شہادت کی تمنا وہ دین کی محبت ان میں ایسی تھی کہ ہو جاتا ان کے دل میں جذبہ شوق اور آپ کا طریقہ کار یہی تھا جب تک قافلہ حریت کے قدم حق سے وابستہ رہا تو آگے بڑھتا رہا۔ اس وقت تک ہر قافلہ اب تک رواں دواں ہے اور ہمیشہ رہے گا کہ ان کے اچھے مقدس خون سے بالاکوٹ کی گلیاں وادی اور جنگل سیراب ہو گیا۔ آج بھی بالاکوٹ سے وحشت و جنگل سے ان کے نعرہ مستانہ کی گونج سنائی دیتی ہے اور صدا آتی ہے ... دو ... ہے۔

هرگز نمیرد آنکه دلش زنده شد بعشق
ثبت است بر جریدهٔ عالم دوام ما

اے سرزمین بالاکوٹ! تجھ پر اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کی موسلا دھار بارشیں نازل ہوں کہ تجھ میں امت کی بہترین آرزوئیں محو استراحت ہیں۔ اور اے شہیدان ارض بالاکوٹ! تم پر اللہ کی رحمت و سلامتی کی شبنم افشانی ہو۔ خدا تمہاری قربانی کو شرف قبولیت سے نوازے اور تمہیں جنت الفردوس میں اَلَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ کی معیت سے سرفراز کرے۔ آمین۔ اے شہدائے بالاکوٹ! ہمیں یقین ہے کہ تمہاری یہ قربانی ان شاء اللہ رائیگاں نہیں جائے گی بلکہ بقول مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی خدا کی میزان میں ہندی مسلمان کے دو ڈھائی سو سالہ کارنامے میں جتنا حصہ خیر کے پلڑے میں رکھے جانے کے قابل ہوگا۔ اس کا سب سے زیادہ وزنی حصہ یہی ہوگا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

مدفن

امام صاحبؒ کا مدفن سڑک سے بلندی پر واقع ہے کچھ عرصہ ہوا ہے محکمہ اوقاف نے مزار کا فرش پختہ کر دیا ہے اور پتھروں کا خوبصورت اونچا چبوترہ بنا دیا ہے۔ سڑک اور مزار کے درمیان ایک بہت بڑا پہاڑی نالہ ہے جس کی وجہ سے مزار تک پہنچنا خاصا دشوار ہے۔ اگر اس نالہ پر کوئی پل وغیرہ کا انتظام ہو جائے تو اچھا ہے تاکہ زیارت کرنے والوں کی یہ دشواری ختم ہو جائے اور وہ بآسانی مزار تک پہنچ کر دعا کر سکیں۔ شہادت کے کافی مدت بعد تک مدفن کا علم نہ تھا سنہ ۱۹۲۴ء میں خان عجب خان ناصر وہیں نائب تحصیلدار متعین ہو کر آئے تو انہوں نے سید صاحبؒ اور امام صاحبؒ کی قبروں کی کہن رسیدہ اور واقف حال آدمیوں کو جمع کر کے پوری تحقیق کی اور دونوں قبروں پر ایک ایک کتبہ نصب کیا امام صاحبؒ کی قبر پر انہوں نے جو کتبہ لگوایا وہ تراشیدہ پتھر پر ہے اور ترچھے حروف میں لکھا ہوا ہے اور اب قبر کی چار دیواری میں مشرقی جانب ہے۔ فرید آباد کے رشید احمد نے بھی قبر شریف پر ایک لوح لگائی جس پر حسب ذیل عبارت اور اشعار کندہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرقد

حضرت مولوی شاہ محمد اسمٰعیل شہید دہلوی بن شاہ عبد الغنی بن شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہم

ولادت شنبہ ۱۲ شوال ۱۱۹۳ھ ؛ شہادت جمعہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ

اے زہے شہید اسمٰعیل
شد بپاست شور اسرافیل
خون خود را بکعبہ لیلیٰ ریخت
یافت زیں گونہ رتبت و تبجیل

احقر العباد

سید احمد علی نوری فرید آبادی این کتبہ را در ماہ محرم الحرام ۱۳۶۲ھ نصب کرد

ایک پرانے چبوترے پر ایک نو تختہ بھی لگا ہوا ہے جس پر حسب ذیل عبارت کندہ ہے۔

مزار شریف

غازی مولوی شاہ اسمٰعیل صاحب دہلوی شہید مرحوم

۱۳ اپریل ۱۹۸۱ء

باب ششم

تصنیفات

گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ حضرت امام محمد اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے سنِ شعور سنبھالتے ہی اپنی زندگی کا ایک نصب العین متعین فرما لیا اور وہ تھا اعلائے کلمۃ اللہ۔ محض اسی نصب العین کے لیے آپ نے اپنی حیات مبارکہ کی گھڑیاں اور ساعتیں، دن اور راتیں بسر فرما دیے حتیٰ کہ اس عظیم ترین نصب العین اور پاکیزہ مشن کے لیے اپنے مقدس خون کے آخری قطرے تک کو قربان کر دیا ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اس لیے آپ کو قلم کے جوہر دکھانے کی فرصت بہت کم میسر آئی۔ اگر آپ کو مہلت ملتی تو دنیا دیکھتی کہ آپ بڑے بڑے سلاطینِ قلم اور شہسوارانِ فن سے سبقت لے جاتے۔ تاہم

حالات کے تقاضوں کے پیش نظر آپ نے کچھ کتابیں تصنیف فرمائیں جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے اپنے موضوع پر پہلے کی بعض بڑی بڑی مجلدات اور نامور کتابوں سے کئی گنا زیادہ وزن میں ہیں نیز وہ مصنف کی بلند پایہ تصنیفی خوبیوں اور علمی گہرائیوں کا بھی پتہ دیتی ہیں۔ طرزِ نگارش کا حسن اسلوبِ بیان کی عمدگی، استدلال کی قوت، دلائل کا وضوح، احکامِ شرعیہ کی مؤثر تشریح، فلسفہ و اصولِ دین کی نقاب کشائی اور بیان میں تفہیم و تسلیم دونوں پہلوؤں کو پیش نظر رکھنا آپ کی تصنیفات کی مشترک خصوصیت ہیں۔

تحصیلِ علم سے فراغت کے بعد آپ نے قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کا عزم کیا اور اس عزم کا اپنے عم محترم حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے پاس بھی اظہار کیا۔ شاہ صاحب فرمانے لگے کہ تفسیریں تو بہت سی لکھی جا چکی ہیں لیکن آپ کس نئے انداز کو اپنا کے تفسیر لکھیں آپ نے استفسار فرمایا چچا جان! وہ نیا انداز کیا ہو سکتا ہے؟ شاہ صاحب نے فرمایا:-

> کچھ پرانی ادب کی کتابیں، شعرائے متقدمین کے کلام اور محاورۂ عرب دیکھیں اور پھر قرآنی محاورہ اور ہم عصروں کی تحریروں سے اسے تطبیق دے کر دیکھیں۔ اس طرح کی بہت سی نئی باتیں جب تفسیر لکھنے بیٹھو گے نکل آئیں گی۔

آپ کو بھی یہ بات پسند آئی اسی دن سے شاہی کتب خانہ کی مخطوطہ کتب ادب کا مطالعہ شروع کر دیا پھر کیا تھا آپ کی خداداد قوتِ حفظ نے عربی لغت کے محاورات، تشبیہات اور ضرب الامثال تفسیر کے لئے استشہادی چیزوں کو حسبِ طلب کے ساتھ اپنی گرفت میں لے لیا علاوہ ازیں دو ہزار اشعار عربی بھی آپ کے نوکِ زبان ہو گئے مگر افسوس کہ آپ کی یہ تمنا دل ہی میں رہی اور آپ کو اس عظیم کام کے لئے وقت میسر نہ آ سکا ورنہ یہ مجوزہ تفسیر ایک بے نظیر شاہکار ہوتی۔

ان تمام امور کے باوصف آپ کی جو علمی یادگاریں آج موجود ہیں، وہ سب اپنے اپنے موضوع پر نادر و یگانہ ہیں جن سے عوام و خواص یکساں استفادہ کرتے اور آپ پر تحسین و آفرین کے پھول برساتے ہیں مثلاً شیخ الکل حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی نے فرمایا ہے کہ:-

"میں ان دونوں واحد ہستیوں کا قائل ہوں جو صرف قرآن و حدیث

سے استنباط مسائل کرتے ہیں اور اپنی رائے پر اعتماد رکھتے ہیں زید و عمرو کسی مصنف یا عالم کی پیروی نہیں کرتے۔ ان کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ تحقیقانہ ایمانی جوش مار رہا ہے[۲]

اب ہم ذیل میں آپ کی تصنیفات سے متعارف کراتے ہیں وباللہ التوفیق۔

۱۔ ردّ الاشراک: شرک و بدعت کی تردید میں امام صاحبؒ نے یہ رسالہ عربی زبان میں تحریر فرمایا تھا اس کی ابتداء: ان الاشراک الذی نزل الکتب الالٰہیۃ لابطالہ وبعث الانبیاء لمحقہ ...... سے آغاز ہوتی ہے حضرت نواب صدیق حسن خان صاحبؒ آپ کی اس کتاب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> "مختصریست در رد اشراک و بدعات از آیات و احادیث لاغیر، باب اولش در اجتناب از شرک است و باب آخر در فی الوجوہ الممنوعہ عن تزیین آنست و 'تقویۃ الایمان' اردو گویا ترجمہ نصف اول ہمین مختصر است۔"

ایک اور جگہ آپ کی مؤلفات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> "از آنجملہ رد الاشراک است مشتمل بر دو باب در نفی اشراک و رسوم کفر و بدعات، از احادیث و تقویۃ الایمان ترجمہ یک باب اوست ہم از مؤلفات"

یعنی آپ نے آیات و احادیث کی روشنی میں شرک و بدعت اور دیگر کفریہ رسوم کی تردید میں یہ کتاب تصنیف فرمائی جو کہ دو ابواب پر مشتمل تھی۔ اس کے پہلے باب کا آپ نے ہی اردو میں ترجمہ کیا اور اسے "تقویۃ الایمان" کے نام سے موسوم فرمایا۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا نصر اللہ خورجویؒ، مولانا امیر شاہ خانؒ، حضرت نواب صدیق حسن خانؒ اور کئی دیگر بزرگوں کے پاس تھا۔ دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار نے اس رسالہ کا تعارف پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

> "یہ شرک اور غیر مشروع مراسم کے ردّ میں آیات و احادیث کا مجموعہ ہے اس کے دو باب ہیں، نواب صدیق حسن خاں نے اسے ایک مرتبہ "قطف الثمر" کے ساتھ شائع کیا تھا اور احادیث کی تخریج کر کے اس کا نام "الادراک بتخریج احادیث رد الاشراک" رکھا۔ یہ رسالہ الگ بھی شائع ہوچکا ہے[۵]۔"

۲۔ تقویۃ الایمان

یہ آپ کی وہ مقبولِ خاص و عام، ایمان افروز، نکتہ آفریں، پُرتاثیر و پُر درد اور اپنے موضوع کی معرکۃ الآرا تصنیفِ لطیف ہے جو ایک طرف اہل توحید کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں تو دوسری طرف اس کی ایٹمی طاقت سے، اس کے زمانۂ تصنیف سے لے کر آج تک الی انتہائے شرک و بدعت متزلزل ہیں۔

موضوع

"تقویۃ الایمان" کا موضوع توحید ہے، جس پر دین و ایمان کی بنیادیں استوار ہیں۔ اس موضوع پر اگرچہ بے شمار اہلِ علم نے خامہ فرسائی فرمائی ہے تاہم حضرت امام صاحبؒ کا اسلوبِ بیان سب سے نرالا اور البیلا ہے آپ سب سے پہلے کتاب و سنّت سے استدلال کرتے ہوئے آیات و احادیث پیش فرماتے ہیں اور پھر ان کی عام فہم اور سلیس انداز میں تشریح کرتے ہیں اور ساتھ ہی شرک و بدعت کی ان رسوم کی دل نشین انداز میں تردید فرماتے جاتے ہیں جو کہ اس وقت کے معاشرہ میں رواج پذیر تھیں، اگر خدانخواستہ مطالعہ کرنے والا خود ان بیماریوں میں مبتلا ہو تو اس کے لیے توبہ کے سوا چارہ نہیں رہتا۔ اور اگر پڑھنے والا موحد و مخلص مومن ہو تو اس کا ایمان تازہ ہوجاتا ہے، گُلِ تازہ کی طرح تازہ۔

تائید

آپ نے اس کتاب کو تصنیف فرما کر جب اپنے خاندان کے اہل علم اور اپنے دیگر خاص خاص احباب کو جمع کر کے پیش کیا تو تمام نے اس کے مندرجات پر صاد کیا۔ چنانچہ حضرت امیر شاہ خاں صاحبؒ فرماتے ہیں کہ :—

> " آپ نے "تقویۃ الایمان" اوّل عربی میں لکھی تھی چنانچہ اس کا ایک نسخہ میرے پاس اور ایک نسخہ مولانا گنگوہیؒ کے پاس اور ایک نسخہ مولوی نصر اللہ خاں خورجویؒ کے کتب خانہ میں تھا اس کے بعد مولانا نے اس

کو اردو میں لکھا اور لکھنے کے بعد چند خاص خاص لوگوں کو جمع کیا
جن میں سید صاحبؒ، مولوی عبدالحی صاحبؒ، شاہ اسحٰق صاحبؒ
مولانا محمد یعقوب صاحبؒ، مولوی فرید الدین صاحبؒ مرادآبادی، مومن
خاں، عبداللہ خاں علوی بھی تھے۔ اور ان کے سامنے تقویۃ الایمان کو
پیش کیا اور فرمایا کہ میں نے یہ کتاب لکھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس
میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آگئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا
ہے مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے شرک جلی لکھ دیا گیا ہے۔ ان
وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی
اگر میں یہاں رہتا تو ان مضامین کو آٹھ دس برس میں بتدریج بیان کرتا
لیکن اس وقت میرا ارادہ حج کا ہے اور وہاں سے واپسی کے
بعد عزم جہاد ہے اس لیے میں اس کام سے معذور ہو گیا ہوں اور میں
دیکھتا ہوں کہ کوئی دوسرا اس بار کو اٹھائے گا نہیں۔ اس لیے میں نے یہ
کتاب لکھ دی ہے گو اس سے شورش ہوگی مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر
خود ٹھیک ہو جائیں گے۔ یہ میرا خیال ہے اگر آپ حضرات کی رائے
اشاعت کی ہو تو اشاعت کی جائے ورنہ اسے چاک کر دیا جاوے
اس پر ایک شخص نے کہا کہ اشاعت تو ضرور ہونی چاہیے مگر فلاں فلاں
مقام پر ترمیم ہونی چاہیے۔ اس پر مولوی عبدالحی صاحبؒ، شاہ
اسحٰق صاحبؒ اور عبداللہ خاں علوی، مومن خاں نے مخالفت کی اور
کہا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں۔ اس پر آپس میں گفتگو ہوئی اور گفتگو کے
بعد بالاتفاق یہ طے پایا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں ہے اور اسی طرح
شائع ہونی چاہیے چنانچہ اسی طرح سے اس کی اشاعت ہوگئی

خاں صاحب نے اس بزم سے قبل [illegible] مرزا حیرت۔ پہلے یہ کتاب
عربی میں تصنیف ہوئی اور بعد میں اس کا اردو میں ترجمہ کیا گیا تھا۔

جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے۔ دوم آپ نے جو یہ فرمایا کہ ان لوگوں میں تشدد پیدا ہو گیا۔ آپ یاد رہے کہ یہ تشدد وقتی اصلاح تھا جب مرض کا تشدد ہوتا تھا۔ جیسا کہ مولانا شبیر احمد عثمانی نے فرمایا ہے۔ سوم آپ نے یہ کتاب حج پر روانہ ہونے سے قبل تصنیف فرمائی گویا یہ کتاب ۱۲۴۰ھ سے قبل کی تصنیف ہے چنانچہ تقویۃ الایمان کے مندرجات اس دور کے علماء اور خانوادۂ ولی اللہی کے اہل علم و محققین کے تصدیق شدہ ہیں جب ہم حضرت شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ، الفوز الکبیر، الفتوحات الالٰہیہ اور [illegible] وغیرہ کتب کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کے مندرجات کی یکسانیت سے اس امر کی مزید تصدیق ہو جاتی ہے۔ پنجم امام صاحب کا شور و شغب کے متعلق اندازہ بہت صحیح ثابت ہوا نیز تقویۃ الایمان کے خلاف جو شورش ہوئی ہے اس کی کوئی تلافی پیشین گوئی کی جا سکتی اور سب سے بڑا [illegible] اس کتاب تقویۃ الایمان کے خلاف ایک طوفان بدتمیزی برپا ہے کہ الامان والحفیظ۔ اس سلسلہ میں پہلا مناظرہ ۱۲۴۰ھ میں نواب محمد میر خان کی ترغیب سے اس مناظرہ کی صورت میں ہوا جس میں مولوی رشید الدین دہلوی نے [illegible] امام صاحب اور مولانا عبدالحی سے مناظرہ کیا جس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا حافظ عزیز الدین مراد آبادی فرماتے ہیں :-

> مولانا شاہ عبدالعزیز کی وفات کے بعد [illegible] اختلاف مناظرہ جامع مسجد دہلی بوقت صبح بروز شنبہ ۲۹ ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ ہوا جس میں مولانا شہید مرحوم مع مولانا عبدالحی مولوی رشید الدین خان صاحب وغیرہ چند مسائل بدعت و رسومات مثل کلمہ [illegible] قبر وغیرہ میں اور [illegible] تقویۃ الایمان ہو جس میں جمع کثیر علماء و فضلاء و روساء و غیرہم [illegible] مراد آبادی [illegible] ہوا تھا۔ یہ روئداد مناظرہ قلمی و [illegible] کتب خانہ مولانا سید حسن شاہ صاحب محدث ریاست رامپور میں محفوظ ہے۔ پھر مناظرہ دہلی سے بار دیگر ہوا بعد مولانا شہید مرحوم کا [illegible] ۱۲ [illegible] ۱۲۴۰ھ کو [illegible] و تشریح تقویۃ الایمان [illegible] و مسائل [illegible] قبر وغیرہ [illegible]۔

استفتا یہ تھا کہ دریں صورت تکمیل بعض افعال شرکیہ کہ در رسالہ تقویۃ الایمان تحریر شدہ مثل نذر غیر اللہ یعنی آش وغیرہ و بوسہ دادن قبور و طواف اہل قبور بیان و سوختن چراغ غیر اللہ و مثل آن نماید زید بعد از تحقیق پس زید را کافر گفتن و خون و مال او را مباح دانستن و دیگر معاملہ کفار با او نمودن جائز است یا نہ؟

آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:۔

زید را کافر گفتن و دانستن و با او معاملہ کفار بمجرد صدور آنچہ در سوال تحریر است جائز نیست و ہمچنیں با او معاملہ کفار بمجرد صدور افعال مذکورہ نماید گنہگار شود ...... الخ کتبہ محمد اسمٰعیل مصنف تقویۃ الایمان عفی عنہ در شب یکشنبہ او محررہ دوازدہم ماہ ذی الحجہ ۱۲۴۳ھ تمام شد"

(مجموعہ نفیس دہلوی)

سید بغدادی کے اعتراضات

اسی طرح ۱۲۳۹ھ کی بات ہے کہ سید عبداللہ بغدادیؒ کے ذہن میں بعض مخالفین نے تقویۃ الایمان کے متعلق کئی شبہات پیدا کر دیئے۔ انہوں نے ان کو ایک مکتوب کی شکل میں تحریر کر کے امام صاحبؒ کی خدمت میں ہاتھوں ہاتھ روانہ کر دیا۔ آپ ان دنوں جہاد کے لیے وطن چھوڑ کر تنظیم کے سلسلے میں دہلی سے سینکڑوں میل کی مسافت سے کافی دور قیام پذیر تھے۔ آپ تک یہ اعتراضات پہنچے تو آپ نے وہیں سے ہی سید بغدادیؒ کی طرف ایک مکتوب ارسال فرمایا جس میں عقلی و نقلی دلائل سے ان کے اعتراضات کے جوابات دیئے۔

امام صاحبؒ کا یہ مکتوب گرامی جب سید بغدادیؒ کو دہلی میں موصول ہوا تو انہوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے نواسے مولانا محمد یعقوبؒ کو بھی سنایا۔ حضرت کی مجلس میں سے دوسرے صاحب نے اس نامۂ مبارک کی نقلیں لے لیں اور مولانا نصیر الدینؒ اور مولانا محبوب علیؒ نے بھی اس کی ایک ایک نقل لے لی۔ اسی سے حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ نے مولانا نصیر الدینؒ کے خط سے اسے اپنے لیے نقل فرمایا تھا۔ بہرکیف مخالفین نے سید عبداللہ بغدادیؒ کے ذہن میں ان کی آمد سے پہلے واقفیت سے دور حضرت تقویۃ الایمان کے متعلق جو شکوک و شبہات پیدا کر دیئے تھے وہ اس مکتوب گرامی کے مطالعہ سے ختم ہو گئے بلکہ انہوں نے امام صاحبؒ

کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کی اور بتایا کہ یہ بدباطن و بدعقیدہ تھا اور مجھے غلط ترجمہ کر کے سناتا گیا اس لیے آپ مجھ سے خفا نہ ہوں ۔

مولانا فضل حق رحمہ کے اعتراضات

امام صاحب کے معاصرین میں سے سب سے زیادہ جس نے آپ کی مخالفت کی وہ مولانا فضل حق خیرآبادی ہیں۔ منطق و فلسفہ میں آپ ماہر تھے۔ یہ بھی ان کا فن تھا کہ معتزلہ و قدریہ اور یونان کے فلاسفہ کی غلطیوں کی نشاندہی کرتے لیکن افسوس کہ آپ نے معتقدات کی لغزشیں ... انہوں نے تقویۃ الایمان کی اس عبارت پر ۔

اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن
سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی اور جن و فرشتہ جبرئیل اور محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر پیدا کر ڈالے ۔

پر مولانا صاحب نے تین اعتراضات کیے ۔

(۱) اول آنکہ دعویٰ تحقق قدرت الٰہیہ بر مثل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعینہا باطل است ۔

(۲) ثانی آنکہ دعویٰ مذکور مخالف ادب است نسبت بہ سید المرسلین

(۳) ثالث آنکہ ذکر آں لغو است ۔

انہوں نے اس قسم کے اعتراضات پر مشتمل «امتناع النظیر» کے نام سے ایک رسالہ لکھا ۔ امام صاحب نے اس کے جواب میں «امکان النظیر» کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں نہایت متانت سے سنجیدہ اور دلائل عقلیہ و نقلیہ سے مزین بزبان فارسی ایک رسالہ لکھا جو «یک روزی» کے نام سے مشہور ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ قدرت ایک علیحدہ صفت ہے اور علم الٰہی ایک دوسری صفت ہے سو وجود مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قدرت الٰہی کے تحت داخل ہے گو علم کے تحت نہیں ہے اس لیے اس کا وقوع لازم نہ آئے گا ۔ تقویۃ الایمان کے اس مقام میں یہی بات ثابت کرنا مقصود ہے کہ اللہ رب العزت مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مثل پیدا کرنے پر قادر ہے اور یہ مقصود نہیں کہ وہ مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کرے گا ۔ کیونکہ آپ خاتم النبیین ہیں پھر آپ

نے تقریر کے دوران میں درج ذیل آیت لکھی ۔

اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۔	کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسا پیدا کر سکے ؟ کیوں نہیں ، جبکہ وہ ماہر خلاق ہے ۔

پھر آپ نے فرمایا کہ اس آیت میں مثلہم کی ضمیر تمام بنی نوع انسان کی طرف راجع ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں اور اس آیت میں صاف بیان ہے کہ اس کے مثل پیدا کرنے پر قادر ہونا اس سے قولی ثابت ہے ۔

افسوس کہ مولانا خیرآبادی جیسا ذہین انسان اس مسئلہ کو کبھی نہ سمجھ سکا یا محض معاصرت ، ضد اور ہٹ دھرمی کا شکار ہو گئے ۔ چاہیے تو یہ تھا کہ امام صاحب کے تقویٰ و دلائل کو تسلیم کر کے اپنی غلطی کا اعتراف فرماتے لیکن ہوا یہ کہ اپنے غلط موقف پر ڈٹے رہے اور تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ کے نام سے ایک اور کتاب لکھ ڈالی ۔ اس کے جواب میں شاہ عبدالعزیز کے ایک نامور شاگرد مولانا حیدر علی صاحب ٹونکی نے کتاب لکھی ۔ خود مولانا خیرآبادی کے تلمیذ رشید مولانا سراج الدین محمودی نے مولانا کی تردید اور امام صاحب کی تائید میں "امکان نظیر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وامتناعہ" کے نام سے ایک رسالہ لکھا ۔ حامد سعید عباسی لکھتے ہیں ۔

فبسط القول فيها بسطاً لا يخفى به جهالة اقوال شيخه فضل حق ۔	آپ نے اس رسالہ میں مسئلہ پر بہت شرح و بسط سے بیان فرمایا ہے اور اپنے استاد مولانا فضل حق کے اقوال کی تردید کی ہے ۔

مفتی صدر الدین صاحب آزردہ اگرچہ مولانا فضل حق کے استاد بھائی اور گہرے دوست تھے لیکن انہوں نے جب انصاف سے مسئلہ کا جائزہ لیا تو انہیں امام صاحب کے دلائل میں وزن محسوس ہوئے ۔ اس لیے انہوں نے آپ کی تائید میں تحریر سے رجوع کر لیا جو اب تک علامہ فضل حق کی تائید میں مولانا خیرآبادی اور امام صاحب کی مخالفت میں لکھتے تھے ۔ مسترد کیا کر تے تھے ۔

"لا ارضیٰ منک ذٰلک ولیس هٰذا بعشک"[۱۷]

مجھے آپ کی یہ روش پسند نہیں اور نہ یہ آپ کے شایانِ شان ہے۔

اسی طرح مولانا تراب علی لکھنوی نے بھی حضرت امام صاحب کی تائید میں "فتاویٰ تراب" کے نام سے ایک رسالہ لکھا تھا جو کہ میرٹھ سے ۱۲۹۹ھ میں شائع ہو چکا ہے اس کے دیباچہ میں آپ فرماتے ہیں:۔

"بعد تصنیف رسالہ تقویۃ الایمان مولوی فضل حق خیرآبادی نے مسئلہ امتناع النظیر میں مخالفت کیا اور چونکہ منطقی تھے اور چند ورق بطور رسالہ کے لکھ کر باب جناب تحریر فاخر علوم عقلیہ و نقلیہ منبع صفات کاملہ نسبۃً حسنہ من حسنات سید المرسلین جناب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید کے بھیجے جناب مولوی صاحب نے ان کی تحریر کا جواب متین ایک روز میں بیٹھے بیٹھے لکھ کر بھیج دیا اور خوب ان کے شبہات کا استیصال کیا بعد ازاں مولوی فضل حق صاحب نے "تحقیق الفتویٰ" تصنیف کیا جناب افادت مآب مولانا حیدر علی ٹونکی (تلمیذ رشید شاہ عبدالعزیز صاحب) نے خوب معقول و منقول سے اس کا جواب لکھا اور دو رسالہ کبیرہ و صغیرہ اس مسئلہ اور مسائل پر ان کے رد میں تصنیف کیے بعد ازاں جیسے معقول و منقول عربیت و اصول مولوی سراج الدین صاحب سے کہ مولوی فضل امام والد مولوی فضل حق صاحب کے شاگرد تھے اور مولوی فضل حق سے اس مسئلہ امکان میں تحریر ہوئی۔ مولوی سراج الدین نے مولوی فضل حق صاحب کو ساکت کیا اور امکان کا اقرار کرا لیا اور ان کے رد میں ایک رسالہ تصنیف کیا جو کہ احقر العباد محمد تراب علی کے پاس موجود ہے"[۱۸]

حقیقت یہ ہے کہ ان علماء میں سے جس نے بھی بنظر انصاف کے ساتھ بغیر تعصب کے دلائل کا جائزہ لیا اس نے حضرت امام صاحب کے موقف کو ہی مبنی برحق و انصاف اور آپ کے دلائل کو ٹھوس۔ ناقابل تردید اور اقرب الی الکتاب والسنۃ قرار دیا۔ مولانا خیرآبادی کے متعلق تو نواب صدیق حسن خان نے یہاں تک فرما دیا ہے کہ:۔

فانه اول من قام بعده وتصدی للرد فی رسالته التی بیت علیها اشارة من علم الکتاب والسنة ۔

"مولانا خیرآبادی نے سب سے پہلے آپ (امام صاحبؒ) کی اپنے ان رسائل میں مخالفت و تردید کی جنہیں کتاب و سنت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔"

مولانا محمد عبدالشاہد خاں شیروانی نے مولانا فضل حق کی طرف سے مدافعت اور ان کے اور امام صاحبؒ کے درمیان تقابل کی جو کوشش کی ہے ہم اس کے سوا کیا عرض کر سکتے ہیں کہ یہ دلی شکست اور گروہی عصبیت کے مصداق ہے ورنہ مولانا خیرآبادیؒ کے سامنے جب حق واضح ہوا تو انہوں نے خود رجوع فرما لیا تھا۔

مولانا خیرآبادی کا رجوع

آہ! معاصرانہ چشمک کتنی بری عادت ہے کہ اچھے بھلے اہل علم بھی اس کا شکار ہو کر جادۂ مستقیم سے بھٹک جاتے ہیں یہ امکان و امتناع نظیر کا مسئلہ ایسا تو نہ تھا کہ مولانا خیرآبادیؒ ایسے ذہین انسان کی سمجھ میں نہ آ سکتا۔ یہاں بھی معاصرت ـــــ کہ اصل منافرت ہے ـــــ کارفرما تھی تاہم مقام مسرت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا مرحوم کو بھی آخر کار ہدایت نصیب فرمائی اور انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف فرما لیا چنانچہ مفتی عنایت احمد صاحبؒ فرماتے ہیں:

> "مولوی فضل حق صاحبؒ بہت نادم تھے اور روتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھ سے سخت غلطی ہوئی ہے کہ میں نے مولوی اسمٰعیل صاحبؒ کی مخالفت کی وہ بے شک حق پر تھے اور میں غلطی پر تھا۔ مجھ پر جو یہ مصیبت پڑی یہ میرے انہی اعمال کی سزا ہے میری مولوی اسمٰعیلؒ سے دوستی تھی اور میں بھی ان کے ساتھ شہید ہوتا مگر کیا کیا جائے میرا [illegible] نے ابھار کر ان سے بھڑا دیا اور علم کے غرور میں حق کو باطل کرنے پر تل گیا تم لوگ گواہ رہنا کہ میں اپنے خیالات باطلہ سے توبہ کرتا ہوں اور اگر میں رہا ہو گیا تو اپنی توبہ شائع کروں گا۔"[۲۲]

بلکہ مولانا مرحوم تو اس سے بھی پہلے رجوع فرما چکے تھے جیسا کہ امیر خاں صاحبؒ کی بیان کردہ یہ

ذیل حکایت سے ثابت ہے۔

مولوی عبدالرشید صاحبؒ رامپوری مولوی فضل حق صاحبؒ سے پڑھتے تھے ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے۔ اتفاق سے ان کے ایک دوست مل گئے۔ اس دوست نے کہا کہ چلو مولوی فضل حق صاحب نے بیان کیا ہے تم ان کے (مولانا اسمٰعیل صاحبؒ کے) معتقد ہو آج تمہیں تمہارے استاد سے ان پر تبرے سنوا دیں گے۔ انہوں نے کہا چلو۔ جب یہ دونوں وہاں جا کر بیٹھے تو مولوی عبدالرشید صاحب نے کہا حضرت یہ شخص یہ کہہ کر لائے ہیں کہ مولوی صاحبؒ سے تمہیں مولوی اسمٰعیل پر تبرے سنواؤں گا۔ مولوی فضل حق صاحبؒ نے کہا اچھا اس غرض سے لائے ہیں؟ اور یہ کہہ کر ان پر سخت ناخوش ہوئے اور فرمایا میں اور مولوی اسمٰعیلؒ پر تبرا کروں یہ نہیں ہو سکتا جو مجھ سے ہو چکا ہے وہ بہکانے سکھانے سے ہوا تھا اور اب تو وہ بھی نہیں ہو سکتا اور یہ کہہ کر ان کو اپنی مجلس سے اٹھوا دیا اور فرمایا کہ پھر یہاں کبھی نہ آنا۔[۲۸]

اچھا ہوا مولانا حکیم برکاتی نے ذکر کر دیا۔ تیجے علامہ کمال سے اس سبائی کو دھو ڈالا ورنہ مقابلہ کی بات۔ اگر صحیح ادب کا احتمال ہو تو عرض کروں کہ مولانا فضل حق مرحوم کیا ان کے والد حضرت مولانا فضل امام بھی امام صاحبؒ کے مقابلہ کی اس وقت تاب نہ لا سکتے تھے جبکہ آپ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ سے افق المبین کا سبق پڑھ رہے تھے حالانکہ وہ آپ کے طالب علمی کا دور تھا اور مولانا فضل امامؒ نجیب عالم تھے۔[۲۹]

مولوی جمال الدین کی مخالفت

مولوی جمال الدین محضرین شرقی (۱۲۶۹ھ) بھی آپ کے زبردست مخالفین میں سے تھے۔ یہ متعصب قسم کے انسان تھے۔ اپنے مخالفین پر تکفیر و تفسیق کا فتویٰ لگانے میں بڑے جری تھے اور مباحثہ میں شرکت کا جنون کی حد تک شوق رکھتے تھے۔ انہوں نے امام صاحب پر صحیح ادب نبوت کا بہتان باندھ کر آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ علامہ سید عبدالحیؒ نے ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

ثم افرط المساہل فی ذالک [illegible]

جمال الدین نے اس مسئلہ میں بڑی زیادتی کی
سے مصنف تقویۃ الایمان کو کافر

الایمان" فضلاً عن مصنفہ[27]	"تقویۃ الایمان" کو اچھا سمجھنے والے پر بھی کفر کا فتویٰ لگاتا ہے۔

مولانا نے یہ بالکل بجا فرمایا ہے اس کے تعصب اور عداوت کا اندازہ اس سے بھی لگایئے کہ حضرت سید صاحبؒ نے جب مولانا محمد علی محدث رامپوریؒ کو اپنا خلیفہ بنا کر مدراس کی طرف دعوت و ارشاد کے لیے روانہ فرمایا اور آپ کی مساعی جمیلہ سے اللہ تعالیٰ نے وہاں کے ہزاروں آدمیوں اور عورتوں کو ہدایت نصیب فرمائی تو یہ جمال الدین صاحب آتشِ حسد میں جل اٹھے۔ انہوں نے دیگر اہلِ بدعت کو ساتھ ملایا اور محدث رامپوریؒ کے خلاف ہنگامہ برپا کر دیا۔ ان پر کفر کا فتویٰ لگایا، "تقویۃ الایمان" کے نسخے نذرِ آتش کر دینے میں بھی ذرہ بھر خوفِ خدا محسوس نہ کیا اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک کہ آپ کے خلاف سازشیں کر کے حکام سے آپ کی مدراس سے جلاوطنی کے احکام نہ صادر کرا دیئے[28]۔ پھر اسی پر بس نہیں بلکہ انہوں نے "تقویۃ الایمان" کی تقبیح اور معتقدین کی تکفیر میں ایک فتویٰ شائع کر کے خوب مشہور کیا، جب یہ فتویٰ کلکتہ پہنچا تو عامۃ المسلمین جو "تقویۃ الایمان" سے کسبِ فیض کے سبب شرک و بدعت سے توبہ کر چکے تھے، اسے دیکھ کر تذبذب میں مبتلا ہو گئے۔ انہوں نے تحقیق کے لیے علماءِ کرام سے استفتاء کیا علماءِ کرام کی ایک بڑی جماعت نے جس میں مولانا غلام سبحان مولانا وارث علی، مولانا عبد الباری قاضی کلکتہ، مولانا سید محمد مراد، مولانا رمضان علی، مولانا سلیمان الہروی، مولانا اکبر شاہ کابلی، مولانا منصور احمد، مولانا خادم حسین، مولانا ریاض الدین اور مولانا صاحب علی خان رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین ایسے گرامی علماء شامل تھے، "تقویۃ الایمان کی موافقت و تائید میں مجمل و مفصل دو فتوے دیئے جن سے مذبذب عوام کے شکوک و شبہات رفع ہو گئے مولانا صاحب علی حسینی لکھنویؒ نے ان دونوں فتووں اور "تقویہ الایمان" کی تائید میں مزید دلائل تحریر فرما کر انہیں ایک رسالہ کی شکل میں شائع فرما دیا۔ یہ رسالہ جب مدراس پہنچا تو اہلِ بدعت بہت برافروختہ ہوئے اور ابو العلاء خیر الدین محمد گوپاموی نے اس کے جواب میں "خیر الزاد لیوم المعاد" کے نام سے ایک رسالہ لکھ دیا۔ اس کے جواب میں مدراس کے نامور عالمِ دین مولانا عبد الحق قریشیؒ نے ذی قعدہ ۱۲۵۲ھ میں "تنبیہ الضالین عن طریق سید المرسلین" کے نام سے ایک بلند

پایہ کتاب لکھی، جس میں آپ نے نہ صرف "خیر الزاد" پر تعاقب کیا بلکہ "تقویۃ الایمان" کے خلاف دوسرے رسالوں، فتووں اور اشتہارات کا بھی خوب پوسٹ مارٹم کیا، جس سے ایوانہائے شرک و بدعت پر اوس پڑ گئی[29]۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء

مولوی فضل رسول بدایونی

مولوی فضل رسول بدایونیؒ[30] بھی حضرت امام صاحبؒ کے شدید ترین مخالفین میں سے تھے۔ انہوں نے "تقویۃ الایمان" کی مخالفت میں "البوارق المحمدیہ لرجم الشیاطین النجدیہ ملقب بہ سوط الرحمٰن علی قرن الشیطان"، "سیف الجبار المسلول علی الاعداء الابرار"۔ "احقاق الحق و ابطال الباطل" اور "مقولات عشر" وغیرہ کئی کتابیں لکھیں اور ان میں نہ صرف امام صاحب اور "تقویۃ الایمان" کو ہدف بنایا بلکہ حضرت شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ رفیع الدین اور شاہ محمد اسحٰقؒ ایسے جلیل القدر بزرگوں کو بھی معاف نہیں کیا، مؤخر الذکر بزرگ کے دو رسالوں اربعین مسائل اور "مائۃ مسائل" کی تردید میں تو بدایونی صاحبؒ نے "تصحیح المسائل در تردید مسائل نجدیہ اراذل" کے نام سے مستقل کتاب بھی لکھی۔

بدایونی صاحب کی ان تمام کتابوں کے جواب میں علماء اہل حدیث نے نہایت قابل قدر کتب تصنیف فرمائیں مثلاً "بوارق" کے جواب میں مولانا قاضی بشیر الدین قنوجیؒ نے "الصواعق الالٰہیۃ لرد الشیاطین اللہابیہ" اور "تصحیح المسائل" کے جواب میں "تفہیم المسائل" جیسی معرکۃ الآرا کتابیں لکھیں۔ مولانا محمد تقی خاں صاحب دہلویؒ نے "مقولات عشر" کا جواب سنہ ۱۲۶۸ھ میں "النشر" کے نام سے لکھا۔ اسی طرح مولانا حیدر علی ٹونکیؒ نے بھی بدایونی صاحبؒ کی کتابوں کے جواب میں "صیانۃ الاناس عن وسوسۃ الخناس" وغیرہ کئی کتابیں تصنیف فرمائیں الغرض علماء اہل حدیث نے بدایونی صاحبؒ کی ایک ایک کتاب کا جواب لکھا اور خوب لکھا اور اس کے تمام مغالطوں کو طشت از بام کر دینے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا جزاھم اللہ احسن الجزاء

مولوی بدایونی کے بعد ان کے لڑکے مولوی عبدالقادر اور پوتے عبدالمقتدر صاحب نے "ایصالِ ثواب" کی نیت سے اس "کارِ خیر" کو جاری رکھا لیکن ان کے بعد یہ وراثت

بانس بریلی والوں کو منتقل ہو گئی ۔

مولوی احمد رضا خاں

مولوی فضل رسول کی وراثت جب بدایوں سے بانس بریلی منتقل ہو گئی تو مولوی احمد رضا خاں نے اپنے پیشرو کا سب سے زیادہ حق وراثت ادا کیا۔ "تقویۃ الایمان" اور اس کے مصنف کی مخالفت یعنی بدعات کی موافقت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا اور بدعات کی تبلیغ و اشاعت میں اس قدر سرگرمی دکھائی کہ بریلویت نے ایک مستقل فرقے کی صورت اختیار کر لی یاد رہے مولوی احمد رضا خاں نے "تقویۃ الایمان" اور اس کے حامیوں کی مخالفت میں صریح قسم کی گالیوں پر مشتمل دو درجن سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں۔

مولوی نعیم مراد آبادی

مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے بھی "تقویۃ الایمان" کی تردید میں "اطیب البیان" ــــ برعکس نہند نام زنگی کافور ــــ کے نام سے کتاب لکھی جس طرح سے کفار قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ مذمم کہہ کر اپنی شرافت کا ثبوت دیا کرتے تھے اسی طرح مراد آبادی صاحب بھی "تقویۃ الایمان" کو "تفویت الایمان" لکھتے ہیں ہمیں اس سے غرض نہیں وہ جو چاہیں لکھیں البتہ ان کے اس شاہکار کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ غالباً بد زبانی کے مریض تھے اس لیے انہوں نے اتنی خوش کلامی کے نمونے درج ذیل الفاظ میں یادگار چھوڑے ہیں ۔

ظالم، بے دین، مردود، گستاخ، معتزلی، متعصب، وہابی، بے حیا
بے ادب، دشمن دین، بدنصیب، بد باطن، جاہل، بد لگام، نابینا،
بدبخت، گمراہ، مجنون، دغا باز، نافرجام، قاتلھم اللہ تعالیٰ انّٰی تاج
نابکار، بے ایمان، مردود ۔

اور جنہیں حضرت شہید صاحب نور اللہ مرقدہ وبرد مضجعہ کے لیے استعمال کر کے اپنے لیے زادِ آخرت بنا لیا ہے ۔

مراد آبادی کی یہ کتاب جب چھپ کر بازار میں آئی تو شیخ الاسلام حضرت ابو الوفاء مولانا ثناء اللہ صاحب کے ایماء سے مراد آباد کے نامور فرزند توحید حضرت مولانا حافظ

عزیز الدین صاحبؒ نے اس کا جواب سپردِ قلم فرمانا شروع کیا جو کچھ عرصہ تک حضرت سردار اہلحدیث کے میگزین ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر میں قسط وار شائع ہوتا رہا، لیکن افسوس کہ یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا اور بعد میں بھی اس کی اشاعت کے سامان میسر نہ آسکے۔ تاہم بحمد اللہ یہ ۱۹۶۵ء میں حضرت مولانا ابوالخیر محمد اسمٰعیل صاحب سلفی مرحوم اور حضرت مولانا ابوالطیب محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی دامت برکاتہم کی مساعی جمیلہ سے "اکمل البیان فی تائید تقویۃ الایمان" کے نام سے بڑے سائز کے ۸۸۸ صفحات پر زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو چکا ہے۔ بحمد اللہ اس کی اشاعت کے بعد آج تک بریلوی حضرات میں سے کسی کو اس کے جواب کی جرأت نہیں ہوئی۔ امید ہے اس طویل داستان سرائی سے اس طوفانِ بدتمیزی کی ایک ادنیٰ سی جھلک قارئین کے سامنے آگئی ہوگی جو "تقویۃ الایمان" اور اس کے جلیل القدر مصنف کے خلاف اہلِ بدعت نے برپا کیا ورنہ اس سلسلہ کی تمام کتابوں کے نام شمار کرانے کے لیے کئی دفاتر درکار ہیں۔ چالیس کتابوں کے نام تو قاضی فضل احمد نے بھی ذکر کیے ہیں[۳۲] بلکہ مولوی احمد رضا کے بعض ہمنواؤں کے بقول انہوں نے "تقویۃ الایمان" کی تردید میں دو سو کتابیں لکھی ہیں[۳۳]

اس لیے اگر حضرت بھوجیانی دامت برکاتہم نے یہ فرمایا ہے تو بالکل بجا کہ :-

> "اس سارے قبیلے کے دماغوں پر مولانا شہیدؒ کا ہوّا سوار اور ان کو "تقویۃ الایمان خولیا" کا مرض لاحق رہا۔ شاید اس میں بالکل مبالغہ نہ ہو کہ ردّ و کدّ میں سینکڑوں کتابیں، رسالے اور اشتہار لکھے گئے ہوں گے مگر وہی گھسے پٹے اعتراض، رٹے رٹائے الزام اور وہی ٹکسالی گالیاں" مگر یہ حضرات تھے کہ شاید ان کو کوئی اور کام نہیں تھا کہ رہ رہ کر ان کو "تقویۃ الایمان" کا ہی ہول اٹھتا رہا[۳۴]۔"

اسی طرح حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی نے جو یہ درد بھرے دل کے ساتھ لکھا ہے، اس کی صداقت میں کیا شک ہے کہ :-

> "۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ سے لے کر اس دن تک جس کو سو برس سے زائد ہوئے شاید کوئی دن طلوع ہوا ہو جس کی صبح کو اس شہید اسلام

۱۔ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہید دہلوی کی ـــ تحسین کی اور تضلیل پر طرفہ اس کی شہادت مسلم اور شہداء کی مغفرت مسلم ـــ تکفیر و تضلیل میں کوئی فتویٰ نہ خلا ہو، لعنت و سب و شتم کا کوئی صیغہ نہ استعمال کیا گیا ہو نہ نفرت و عداوت کی کوئی دلیل ایسی نہیں جو اس کے کفر کے ثبوت میں نہ پیش کی گئی ہو، وہ ابوجہل و ابولہب سے زیادہ دشمن اسلام، یہود و مرتدین سے زیادہ مارق من الدین و خارج از اسلام ٹھہرائے گئے، وہ ان سے زیادہ مستحق نار لعنت و ضلالت کا باقی۔ سب اولیاء اور گستاخوں کا پیشوا، شیخ نجدی کا مقلد و شاگرد بتایا گیا اور یہ ان لوگوں نے کہا جن کے جسم نازک پر آج تک اللہ کے لیے ایک پھانس بھی نہیں چبھی۔ جن کے پیروؤں میں اللہ کے راستے میں کوئی کانٹا نہیں لگا۔ جنہیں خون چھوڑ کر دکھ کا ان کے ہاں کیا ذکر، اسلام کی صحیح خدمت میں پسینے کا ایک قطرہ بہانے کی سعادت بھی حاصل نہیں ہوئی اور یہ ان لوگوں نے کہا جن کی ماؤں بہنوں بیٹیوں کی عزت و عصمت بچانے کے لئے اس نے اپنا سر کٹا دیا۔ تو کیا اس کا یہی گناہ تھا؟ اور کیا دنیا میں احسان فراموشی کی اس سے بڑھ کر نظیر مل سکتی ہے؟ جس وقت پنجاب میں مسلمانوں کا دین و ایمان، جان و مال، عزت و آبرو محفوظ نہ تھی اس وقت یہ غیرت ایمانی و حمیت اسلامی والے جو ایک کلمہ کفر برداشت نہیں کر سکتے کہاں تھے؟ اور کیا آج بھی شاہ ولی اللہ کے پوتے کے علاوہ کوئی کافر نہیں؟

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

دوسرا رخ

"تقویۃ الایمان" کی توحیدی شعاعوں سے ایک طرف شرک و بدعت کے متوالوں کی آنکھیں چندھیا گئیں اور انہوں نے "تقویۃ الایمان" اور اس کے قابل صد احترام مصنف کے خلاف سب و شتم بلکہ تکفیر و تضلیل کی اندھا دھند گولہ

باری شروع کر دی جیسا کہ سابقہ صفحات میں ذکر کیا گیا تو دوسری طرف توحید کے فرزندوں اور سنت کے شیدائیوں کو اس سے بے پناہ مسرت اور ان کے ایمان کو اس سے جلا بھی نصیب ہوئی اس لیے وہ بڑی عقیدت سے "تقویۃ الایمان" کی مدح و ستائش اور اس کے مصنف کے حضور تحسین و آفرین کے پھول پیش کرتے آئے ہیں ذیل میں ہم چند مشاہیر اہل علم کے اس سلسلہ میں ارشادات نقل کرتے ہیں تاکہ تصویر کا یہ رخ بھی واضح طور پر سامنے آجائے۔

مفتی صدر الدین

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے شاگرد رشید اور حضرت نواب والاجاہ سید صدیق حسن خانؒ و مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے استاد محترم جناب مفتی صدر الدین صاحبؒ سے استفتاء کیا گیا کہ "تقویۃ الایمان" اور "نصیحۃ المسلین" مصنفہ مولانا خرم علیؒ کے مطابق عمل کرنا کیسا ہے؟ اور جو ان کے مصنفوں کو کافر اور گمراہ کہے وہ کیسا ہے؟ مفتی صاحبؒ نے اس کے جواب میں فرمایا:۔

> ۔ نصیحۃ المسلین اس فقیر کی نظر سے نہیں گزری اور نہ اس کے مولف کا حال تفصیلی معلوم ہوا ہے[۳۶]۔ لیکن اگر اس کتاب میں شرک کی برائی کا بیان ہے تو اس کے اچھے ہونے میں کس کو کلام ہے؟ اور "تقویۃ الایمان" کو نظر اجمالی سے دیکھا ہے باعتبار اصول اور اصل مقصود کے بہت خوب ہے اور مولوی اسمٰعیل صاحبؒ کو ایسا دیکھا کہ پھر کسی کو ایسا نہ دیکھا یہ لوگ ان میں سے ہیں جن کے حق میں حق سبحانہٗ تعالیٰ نے فرمایا ہے ــ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ[۳۷] ۝
>
> اور یہ فرمایا ــ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ ھَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ[۳۸] ۝ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ[۳۹] ۝ پس جو ان کو کافر اور گمراہ کہے

وہ آپ ہی گمراہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہٗ محمد صدر الدین

محمد صدر الدین

مفتی سعد اللہ صاحبؒ

مفتی سعد اللہ بن نظام الدین مراد آبادی رامپوری متوفی ۱۲۹۴ھ جو کہ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کے شاگرد ہیں[۳۱]، اپنے فتویٰ میں فرماتے ہیں۔

۔ہو الموفق بندہ سراپا گناہ محمد سعد اللہ عفا اللہ عنہ را جناب
میگوید کہ مولانا محمد اسمٰعیل منتہی عالم ربانی و مصدر فیض یزدانی
بودند و حریت نظریہ از علوم عقلیہ و نقلیہ بآں مرتبہ داشتند کہ
زبان ناطقہ شان حیرت علماء معصر بود و عجب تقریر شان لآلی بود و در
حاسدین اہل علم را روبروے ایشاں بجز سپر خموشی دیگر حرفے نبود
کمالے نمود در بیان مسائل شرعیہ و ہدایت امور دینیہ حضرت
ایشاں را مصداق لا یخافون لومۃ لائم یافتہ ام و بجلوس
دینی و حق گوئی و صدق نیت و حسن طویت حقیقت ایشاں بمثالے
آثار کالشمس علی رابعۃ النہار ثابت و مدلل است۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

[۳۲]

العبد المذنب الاواہ مفتی محمد سعد اللہ

محمد سعید اللہ

حضرت میاں صاحبؒ

حضرت شاہ عبد العزیزؒ و شاہ محمد اسحٰقؒ کی بابرکت مجلسوں سے فیض یافتہ حدیث و فقہ کے لاثانی عالم دین شیخ الکل حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ متوفی ۱۳ اکتوبر سنہ ۱۳۲۰ھ جو کہ ساٹھ برس تک مسند تدریس پر جلوہ افروز رہے فرماتے ہیں:-

تحریر اور تقریر مولانا صاحبؒ کی "تقویۃ الایمان" میں مثل تحریر و تقریر

امام رازی مفسر "تفسیر کبیر" کے ہیں اور مسائل اور اذکار مندرجہ "تقویۃ الایمان" موافق کتاب اہل سنت کے ہیں اور جبکہ یہ مضمون عالی مقصود اعظم بعثت جمیع جماعت انبیاء اور اولیاء اور کتب آسمانی و قرآنی کا یہی مضمون دفع شرک و بدعت اور اثبات توحید الٰہی اور صفاتی اور اعلائے کلمۃ اللہ اور احیائے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشرف مقاصد دینی قرار پایا پھر غور کیا چاہیئے کہ جو کتاب متضمن اور حامل اس مضمون شریف کی ہے وہ کس مرتبہ کی اشرف اور لائق تعظیم و تکریم ہوگی اور تقویۃ الایمان میں اول سے آخر تک یہی مضمون مندرج ہے

مولانا گنگوہیؒ

مشہور حنفی عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں :—

"کتاب تقویۃ الایمان" نہایت عمدہ اور سچی کتاب اور موجب قوت و اصلاح ایمان کی ہے اور قرآن و حدیث کا مطلب پورا اس میں ہے اس کا مؤلف ایک مقبول بندہ تھا"

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :—

"کتاب تقویۃ الایمان" نہایت عمدہ کتاب ہے اور رد شرک و کفر میں لاجواب ہے استدلال اس کے بالکل کتاب اللہ اور احادیث سے ہیں اس کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہے اور موجب اجر کا ہے اس کے رکھنے کو جو برا کہتا ہے وہ فاسق و فاجر اور بدعتی ہے اگر اپنے جہل سے کوئی اس کتاب کی خوبی کو نہ سمجھے تو اس کا قصور فہم ہے کتاب اور مؤلف کتاب کی کیا تقصیر بڑے بڑے عالم اہل حق اس کو پسند کرتے رہے اور سمجھتے ہیں اگر کسی گمراہ نے اس کو برا کہا تو وہ خود ضال و مضل ہے"

مولانا امیر شاہ خاں صاحبؒ نے آپ کا درج ذیل قول بھی نقل کیا ہے، جو کہ "تقویۃ الایمان" کی مخالفت کرنے والوں کو خصوصی غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔

"مولانا گنگوہیؒ "تقویۃ الایمان" کی نسبت فرماتے تھے کہ اس سے بہت ہی نفع ہوا چنانچہ مولانا اسمٰعیل صاحبؒ کی حیات ہی میں دو ڈھائی لاکھ آدمی درست ہو گئے تھے اور ان کے بعد جو کچھ نفع ہوا اس کا تو اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔" سے

کعبہ را ہر دم تجلی مے فزود
ایں از اخلاصات ابراہیمؑ بود

مولانا محمود الحسن

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ فرماتے ہیں:-

"عالم جلیل فاضل جلیل نمونہ علماء اُمّتی کانبیاء بنی اسرائیل مولانا الحافظ الحاج مولوی اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ وعلیٰ آبائہ الکرام نے جب اپنے زمانہ میں امور شرک و بدعت کا رواج زیادہ دیکھا تو مولانا ممدوح نے بمقتضائے تائید دین جہاں تک ہو سکا زبان سے نصیحت فرمائی، تحریروں کی بھی نوبت آئی چنانچہ رسالہ تقویۃ الایمان بھی جب ہی لکھا جس میں نصوص صریحہ سے نہایت سلاست کے ساتھ مضامین توحید کو اچھی طرح بیان فرمایا اور قدرت حق تعالیٰ جلّ شانہ کو جملہ بنی آدم و مخلوقات پر ثابت کر کے اہل شرک و بدعت کو ان کے خیالات باطلہ کی خرابی پر مطلع فرمایا۔ اس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ہدایت و صحت عقائد نصیب ہوئی۔"

علامہ سید سلیمان ندوی

برصغیر پاک و ہند کے نامور محقق عالم دین حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں:-

"قرآن پاک کے بعد مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی "تقویۃ الایمان" میرے ذوق

میں دین کی پہلی کتاب دی گئی۔ میں ان چھپروں کے نیچے میں بیٹھ کر "تقویۃ الایمان" کی ایک ایک بات پڑھتا تھا اور بھائی صاحبؒ مرحوم پردے کے پیچھے سے ایک ایک مسئلہ کی تشریح و تفسیر فرماتے اور جو وہ فرماتے میرے دل میں بیٹھ جاتا۔

یہ پہلی کتاب تھی جس نے مجھے دین حق کی باتیں سکھائیں اور ایسی سکھائیں کہ اثنائے تعلیم و مطالعہ میں بیسیوں آندھیاں آئیں کتنی دفعہ خیالات کے طوفان اٹھے مگر اس وقت جو باتیں جڑ پکڑ چکی تھیں، ان میں سے ایک بھی اپنی جگہ سے ہل نہ سکی۔ علم کلام کے مسائل، اشاعرہ و معتزلہ کے ترہات، غزالی، رازی، ابن رشد کے دلائل یکے بعد دیگرے نگاہ سے گزرے مگر اسمٰعیل شہیدؒ کی تلقین بہر حال اپنی جگہ پر قائم رہی۔

مولانا سندھیؒ

مشہور سیاسی لیڈر اور قائد عالم دین حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں :۔

۔ حجتہ البالغہ کے بعد جو دوسری کتاب ہمارے ہاتھ میں آئی وہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی "تقویۃ الایمان" تھی، جو ہر سوال کا جواب شافی تھی اور جس سے ہم کو معلوم ہوگیا کہ اسلام کی توحید بالکل خالص ہے

ایک اور جگہ فرماتے ہیں :۔

یہ کتاب اگر پانچ سو برس پہلے لکھی جاتی تو ہندوستانی مسلمان دنیا کے مسلمانوں سے بہت آگے بڑھ جاتا۔

مزید فرمایا :۔

"اسلام کے اظہار سے پہلے میں نے شاہ صاحبؒ کی "تقویۃ الایمان" پڑھی تھی چنانچہ توحید و شرک کے متعلق مجھے اس سے بڑا فائدہ پہنچا بلکہ ایک لحاظ سے یہ کتاب مجھے اسلام میں لانے کا ذریعہ بنی۔ مقرر کلام

محمد اسمٰعیلؒ میرے استاد اور امام ہیں اور مجھے ان سے محبت ہے، ایسی محبت جس طرح لوگ اپنے مذاہب کے ائمہ سے کرتے ہیں[52]۔

ناظرینِ کرام! غور فرمائیں کہ حالات کی یہ کس قدر ستم ظریفی ہے کہ یہ کتاب اگر کافر پڑھیں تو حلقہ بگوشِ اسلام ہونے پر مجبور ہو جائیں اور مسلمان کہلائیں اور اگر مسلمان اسے پڑھیں تو وہ وہابی و بدمذہب کہلائیں۔ الغرض بے شمار اربابِ علم و فضل نے حضرت امام صاحبؒ کی اس مقدس تصنیف پر تحسین و آفرین کے پھول نچھاور کیے ہیں جن میں سے اختصار کے پیشِ نظر چند ایک کو جمع کر کے آپکی خدمت میں گلدستہ پیش کر دیا گیا ہے اب ہم اس سلسلہ کو مولانا فتح اللہ صاحب مرحوم کے درجِ ذیل اشعار پر ختم کرتے ہیں۔

تھے جو اسمٰعیل غازی مولوی   علم کے دریا مراتب میں ولی
اک کتابِ حق انہوں نے جب لکھی   اس میں تفریقِ حق و باطل کی ہوئی
پھر گیا جو مردِ ناہنجار ہے

جس پہ ہوجاوے ذرا الطافِ حق   تقویتِ ایمان کا لیوے سبق
طبعِ اسمٰعیلؒ کا روشن طبق   ہر جز اس کا ہے ہدایت کا ورق
شرک کے حق میں عجب تلوار ہے

مومنوں کے حق میں تقویت ہے وہ   فاسقوں کو باعثِ لعنت ہے وہ
فاقبلوا من ربکم نعمت ہے وہ   قد خلت من قبلکم سنت ہے وہ
آسمانی علم کا اظہار ہے[53]

تقویۃ الایمان اور اسکی شرح

جو کام اخلاصِ نیت کے ساتھ کیا جائے اللہ تعالیٰ اس میں برکت فرما دیتے ہیں معلوم نہیں امام صاحبؒ نے کس قدر جذبۂ صادقہ، پاکیزہ عزم اور خلوصِ نیت کے ساتھ اس صحیفۂ توحید کو تصنیف فرمایا کہ اسے بے پناہ قبول فی الارض کا شرف نصیب ہوا اس کی افادیت اور علمائے کرام کے اس کے متعلق ارشادات ذکر کیے جا چکے ہیں، اب ہم اختصار کے ساتھ اس کی چند شروح کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ توقیۃ الایقان شرح تقویۃ الایمان

تقویۃ الایمان کی یہ شرح
مولانا عبد الحق ربانی نے لکھا

ساکن گوالیار نے لکھی ہے اس کے ورق پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے :-

" وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهُ وَلَّوْا عَلٰى اَدْبَارِهِمْ
نُفُوْرًا ۔ الحمد للہ والمنۃ

کتاب تقویۃ الایمان جو جامع رد شرک و مؤید مذہب توحید و تفریق درمیان معتقدات حقیقت و قرآن خالق و مخلوق کے درمیان فرق بتاتی ہے بے نظیر اور دل پذیر ہے سو اس کی شرح مسمی " توقیۃ الایقان شرح تقویۃ الایمان " کہ جس کا شارح خود ہے مؤلف شرک پسندوں کے شبہات و دیگر اعتراضات کو خوب دفع کیا اور اصل کتاب کے مطلب کو اہل سنت کے تعمیم عبارت کے ساتھ مطابقت تمام تر دیا ہے ۔ بغرض نفع عام بحسب شوق تازہ بار دوم مطبع سرکاری مطبعۃ المحمدیۃ الواقعۃ فی عسکر بنگلور ۱۲۹۳ھ رمضان ۔ یہ شرح تو کتابی سائز کے ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اس میں شارح نے تقویۃ الایمان کے ہر اس مقام کی تفصیل و شرح کی کوشش کی ہے جس میں اغلاق کا کچھ بھی شائبہ تھا ۔ نیز نہایت شرح و بسط کے ساتھ معترضین کے تمام اعتراضات کے جواب دیئے گئے ہیں ۔ بنگلور کے مولانا عبد الباری اور دہلی کے مولانا محمد داؤد راز کے کتب خانوں میں اس کا ایک ایک نسخہ موجود ہے ۔

۲۔ اکمل البیان فی تائید تقویۃ الایمان :

قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے کہ
مراد آباد کے مولوی محمد حسن نے تقویۃ

الایمان کی تردید میں " اطیب البیان " کے نام سے کتاب لکھی اور حافظ عزیز الدین صاحبؒ نے اس کا " اکمل البیان فی تائید تقویۃ الایمان " کے نام سے جواب لکھا ۔ اس میں آپ نے اطیب البیان اور مولوی صاحب نے تقویۃ الایمان پر جو اعتراضات کئے بڑی عمدگی سے جائزہ لیا ہے اور نہایت عمدہ اور مسکت جواب دیئے ہیں جن کی وجہ سے یہ کتاب صرف " اطیب البیان " کا رد ہی نہیں بلکہ " تقویۃ الایمان " کی ایک مفصل و مستند و جامع شرح کی بھی حیثیت رکھتی ہے یہ شرح متوسط سائز کے ۵۰۰ صفحات پر المکتبۃ السلفیہ لاہور کے زیر اہتمام ۱۹۶۵ء

میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکی ہے۔

۳۔ المنہج السدید فی ردّ التقلید

یہ امام صاحبؒ کے تلمیذ مولانا عبداللہ خاں علویؒ کی "تقویۃ الایمان" کے متن کی شرح ہے، جیساکہ اس کے متن میں مذکور ہے اس کا ایک مخطوطہ امیر الملک حضرت نواب صدیق خاں صاحبؒ کے خزانۃ الکتب میں تھا[۵۴]۔

۴۔ فیض الرحمٰن لتائید تقویۃ الایمان

"تقویۃ الایمان" کے سلسلہ کی بعض مفید معلومات پر مشتمل یہ مولانا محمد داؤد راز سلفی ساکن موضع راہیواہ ضلع گوڑگاؤں کا مقالہ ہے جو کہ قریباً پچاس صفحات پر مشتمل ہے اور "تقویۃ الایمان" کے اس ایڈیشن کے ساتھ ملحق ہے جو مولانا موصوف ہی کے زیرِ اہتمام نہایت صحت کے ساتھ ۱۳۸۳ھ میں ادارہ اشاعتِ دین ۱۲۱۴ - اجمیری گیٹ دہلی سے شائع ہوا۔

علاوہ ازیں میر شہامت علی نے "تقویۃ الایمان" کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا تھا اس کا ایک جدید ایڈیشن حال ہی میں شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار لاہور کے زیرِ اہتمام طبع ہوا ہے۔

تقویۃ الایمان اور اس کا ادبی پہلو

"تقویۃ الایمان" اگرچہ اس دور کی تصنیف ہے جو کہ اردو زبان میں نثر نگاری و انشاء پردازی کا بالکل ابتدائی زمانہ تھا لیکن حضرت امام صاحبؒ نے اس کتاب کو اس قدر عام فہم، سلیس، سادہ، دلکش اور شگفتہ عبارت میں لکھا ہے کہ ان چند الفاظ و محاورات کو چھوڑ کر جو آج متروک ہو چکے ہیں آج بھی ایسے دل نشین انداز میں لکھنا آسان نہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ اس دور میں جب کہ اردو زبان میں گنتی کی چند کتابیں تھیں اور اردو کو ابھی گھٹنوں چلنا نہ آیا تھا، امام صاحبؒ نے اس میں کیا سحر کر دکھایا ہے اور اپنے خیالات کا کس قدر خوش اسلوبی سے اظہار کیا ہے غرضیکہ ادبی نقطۂ نظر سے بھی یہ کتاب نہایت اہمیت کی حامل ہے اور اس کا طرزِ تحریر ایسا مؤثر اور پُر زور ہے کہ بقول صاحب "سیر المصنفین"

ایک دریائے ذخار امڈا چلا آتا ہے۔

چنانچہ سلاست تحریر، روانی بیان اور زور قلم کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمایئے :-

"سننا چاہیئے کہ اکثر لوگ پیروں کو پیغمبروں کو اور اماموں کو اور شہیدوں کو اور فرشتوں کو اور پریوں کو مشکل کے وقت پکارتے ہیں اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں اور ان کی منتیں مانتے ہیں اور حاجت بر آنے کے لیے ان کی نذر و نیاز کرتے ہیں اور بلا کے ٹلنے کے لیے اپنے بیٹوں کو ان کی طرف نسبت کرتے ہیں کوئی اپنے بیٹے کا نام عبد النبی رکھتا ہے، کوئی علی بخش، کوئی حسین بخش کوئی پیر بخش کوئی مدار بخش کوئی سالار بخش، کوئی غلام محی الدین، کوئی غلام معین الدین اور ان کے جینے کے لیے کوئی کسی کے نام کی چوٹی رکھتا ہے، کوئی کسی کے نام کی بدھی پہناتا ہے، کوئی کسی کے نام کے کپڑے پہناتا ہے، کوئی کسی کے نام کی بیڑی ڈالتا ہے، کوئی کسی کے نام کے جانور ذبح کرتا ہے، کوئی مشکل کے وقت کسی کی دہائی دیتا ہے، کوئی اپنی باتوں میں کسی کے نام کی قسم کھاتا ہے غرضیکہ جو کچھ ہندو اپنے بتوں سے کرتے ہیں سو وہ سب کچھ یہ جھوٹے مسلمان اولیاء اور انبیاء سے اور اماموں اور شہیدوں سے اور فرشتوں اور پریوں سے کر گزرتے ہیں اور دعویٰ مسلمانی کا کئے جاتے ہیں، سبحان اللہ! یہ منہ اور یہ دعویٰ!"

تمام کتاب پڑھ جایئے جس طرح قاری آپ کی علمی قابلیت اور قوت استدلال پر عش عش کر اٹھتا ہے اسی طرح جب وہ ادبی نقطۂ نظر سے کتاب کے محاسن پر نگاہ ڈالتا ہے تو ایک ایک جملے پر بے ساختہ پکار اٹھتا ہے سبحان اللہ! اور ایسے ہی محسوس ہونے لگتا ہے گویا گنگا اور جمنا نے اپنی تمام تر روانیاں حضرت امام صاحب کے قلم فیض رقم پر نثار کر دی ہیں الغرض تقویۃ الایمان ۔ اردو نثر کا شاہکار ہے یقین ہے کہ امتداد زمانہ کے ساتھ اس کی اہمیت میں کوئی کمی نہ ہوگی اور اردو زبان اپنی ارتقائی منزلیں طے کرنے کے بعد بھی اسے اپنا

ایک گراں قدر سرمایہ تصور کیے گئے۔ اردو زبان کی تاریخ پہ بحث کرتے ہوئے مولانا محمد حسین آزاد نے لکھا ہے۔

"عجیب لطف یہ ہے کہ زبان کی عام فہمی دیکھ کر مذہب نے بھی اپنی برکت کا ہاتھ اس کے سر پہ رکھا یعنی سنہ ۱۲۰۵ھ میں مولوی شاہ عبد القادر صاحب نے قرآن شریف کا ترجمہ اردو میں کیا۔ بعد اس کے مولوی اسمٰعیل صاحب نے بعض رسالے عام اہل اسلام کی فہمائش کے لیے اردو میں لکھے۔"

ڈاکٹر قیام الدین نے وہابی تحریک کی علمی حیثیت سے اردو کی خدمت پہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:-

"وہابی تحریک کا ایک اہم اور نظروں سے پوشیدہ علمی فیضان وہ زور دار حصہ ہے جو اس نے اردو زبان خصوصاً نثر نگاری کی رفتار کو ترقی دی۔ اپنے پیغاموں کو عوام تک پہنچانے کی کوشش میں اور تبلیغی تحریکوں کی طرح اس نے مقامی زبانوں کے استعمال پہ بہت زور لگایا۔ اگرچہ اعلیٰ طبقوں کی عام زبان فارسی تھی، وہابی قائدین نے اردو کا زیادہ استعمال کیا اور اسی زبان میں بہت زیادہ رسالے لکھے۔"

ڈاکٹر [illegible] نے بھی لکھا ہے کہ:-

"مولوی اسمٰعیل صاحب کا مشہور رسالہ "تقویۃ الایمان" اور نیز دیگر مریدان مولوی سید احمد کی تصانیف مثلاً ترغیب الجہاد، ہدایت المسلمین، نصیحت المومنین (المسلمین)، مرغوب الکبائر والبدعات، مائۃ مسائل وغیرہ ان سب سے زیادہ زبان اردو کو تقویت پہنچی ہے۔"[۵۹]

حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب اور آپ کے رفقاء کی اردو تصنیفات سے اردو نثر کو بڑی تقویت نصیب ہوئی بلکہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو جسے علمی حلقوں میں کوئی پوچھتا نہ تھا۔ اب ایک

ایسی ادبی زبان ہوگئی جو فارسی کی نیابت کرسکتی تھی ۔

"تقویۃ الایمان" اور اس کے نسخے

(١) "تقویۃ الایمان" ١٨٢٢ء کو تصنیف کی گئی اور ١٨٢٦ء میں غالباً سید عبداللہ بن سید بہادر علی کے اہتمام سے پہلی مرتبہ زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئی جب کہ امام صاحبؒ اپنے رفقاء سمیت وطنِ مالوف سے ہجرت کرکے پنجتار تشریف لے جاچکے تھے اور سکھوں کے خلاف باقاعدہ محاذِ جنگ قائم کرچکے تھے تب سے لے کر اب تک اہلِ بدعت کے اس کے خلاف برپا کئے گئے طوفانِ بدتمیزی کے علی الرغم سینکڑوں ایڈیشن پچاس، ساٹھ لاکھ کی تعداد میں شائع ہوچکے ہیں اور دعویٰ کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ شرفِ قبولیت اُردو زبان کی کسی دوسری کتاب کو نصیب نہیں ہوا ۔ اس کے تمام نسخوں کا ذکر تو ایک مستقل کتاب کا موضوع ہے لہذا ذیل میں اس کے مطبوعہ و مخطوطہ چند نسخوں کی طرف اشارہ پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔

(٢) "تقویۃ الایمان" کا ایک قلمی نسخہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی لائبریری کے شعبۂ مخطوطات میں ہے اس پر سنِ کتابت ١٢٤٦ھ مرقوم ہے ۔ گویا یہ نسخہ اس سال کا لکھا ہوا ہے جس میں آپ نے جامِ شہادت نوش فرمایا :۔

(٣) ایک قلمی نسخہ مولانا محمد صابر عثمانی مرحوم کے کتب خانہ میں بھی موجود تھا ۔ اس پر سنِ کتابت ١٢٤٣ھ مرقوم ہے ۔

(٤) ١٢٦٥ھ کا مکتوبہ نسخہ مولانا نسیم احمد صاحبؒ فریدی امروہی کے کتب خانہ میں ہے جس کے آخر میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے ۔

"قد تمت ھذہ الرسالۃ المسمی بتقویۃ الایمان من تصنیف مولانا اسمعیل صاحب دھلویؒ"

(٥) ١٢ محرم ١٢٦٧ھ کو مطبع محمدی دہلی میں حافظ محمد بیر خاں کے اہتمام سے "تقویۃ الایمان" کا ایڈیشن شائع ہوا ۔ اس پر مولانا محبوب علی دہلویؒ کا حاشیہ بھی تھا ۔ محشیؒ نے کتاب کے آخر کی ایک عبارت پر حاشیہ لکھتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔

.. افسوس ایسے موحد، محب رسول کی کہ آخر اس راہ میں شہید ہوئے
گور پرست لامذہبوں نے کچھ قدر نہ سمجھی، وہابی کہا بلکہ بزرگوں کا منکر
ٹھہرایا۔ الخ

اس ایڈیشن کی ایک قلمی نقل بھی مولانا نسیم امروہی کے کتب خانہ میں ہے۔

(۶) "تقویۃ الایمان" کی شرح توقیۃ الایقان (جس کا ذکر کیا جا چکا ہے) جو کہ بڑے سائز کے ۲۶۸ صفحات پر ۱۲۹۲ھ کو بنگلور سے شائع ہوئی اس کے ساتھ "تقویۃ الایمان" کا متن بھی شائع ہوا تھا۔

(۷) ایک بہترین مستند و صحیح نسخہ وہ ہے جسے مولانا محی الدین نو مسلم لاہوری نے ۱۳۰۵ھ میں طبع کرایا۔ اس کے ساتھ تذکیر الاخوان اور حاشیہ پر اغاثۃ اللہفان مترجم اردو بھی طبع ہوئی ہے۔

(۸) ۱۳۴۱ھ میں مولانا محی الدین قصوریؒ ۶۰ بی، اے نے بڑی عقیدت سے بہتر سے بہتر انداز میں شائع کرنے کی کوشش کی۔ جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب رہے۔

(۹) ۱۳۸۳ھ میں مولانا محمد داؤد راز صاحبؒ نے ایک بہترین مستند اور شاندار نسخہ ادارہ اشاعت دین اجمیری گیٹ دہلی سے شائع کیا۔ اس کے ابتداء میں ۳۲ صفحات کا پیش لفظ اور آخر میں تقریباً پچاس صفحات پر مشتمل "فیض الرحمٰن لتائید تقویۃ الایمان" کے نام سے ایک مقالہ بھی ہے۔

(۱۰) "تقویۃ الایمان" کا ایک ایڈیشن فاروقی کتب خانہ ملتان کے زیر اہتمام بھی طبع ہوا ہے جس پر سال طباعت درج نہیں اس نسخہ کے ابتداء میں مولانا غلام رسول مہرؒ کے قلم سے حضرت امام صاحبؒ و سید صاحبؒ کے مختصر سوانح حیات اور آخر میں شیخ فتح اللہ صاحبؒ کا رسالہ "حارق الاشرار" طبع ہوا ہے۔

(۱۱) "تقویۃ الایمان" کا سب سے جدید ایڈیشن وہ ہے جسے اہلحدیث اکادمی۔ لاہور نے نہایت احسن انداز میں خوبصورت سرورق کے ساتھ ۱۹۶۸ء میں زیور طباعت سے آراستہ کیا اس کے آغاز میں بھی حضرت مہر مرحوم کے قلم سے امام صاحبؒ کے مختصر سوانح حیات ہیں اہلحدیث

اکادمی کے زیر اہتمام فروری ۱۹۷۳ء تک اس کے چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں

۳۔ تذکیر الاخوان

جیسا کہ ذکر کیا گیا امام صاحبؒ نے اپنی عربی تصنیف، "رد الاشراک" کے باب اوّل کا "تقویۃ الایمان" کے نام سے اردو میں ترجمہ کیا۔ لیکن جہاد میں مصروف ہو جانے کے باعث اس کے دوسرے باب "الاعتصام بالسنۃ والاجتناب عن البدعۃ" کا ترجمہ نہ کر سکے۔ اس کا ترجمہ آپ کے تلمیذ محمد سلطان نے کیا ہے اور اسے "تذکیر الاخوان لبقیہ تقویۃ الایمان" کے نام سے موسوم کیا ہے چنانچہ انہوں نے "تذکیر الاخوان" کے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے :۔

> "ایک فاضل جلیل متشرع دیندار (امام صاحبؒ) نے شرک اور بدعت کی برائی کے بیان میں ایک رسالہ "تقویۃ الایمان" لکھا اور اس میں صرف آیتیں اور حدیثیں جمع کیں اور اس کے دو باب ٹھہرائے ایک باب میں توحید کی خوبیاں اور شرک کی برائیاں ہندی (اردو) زبان میں بیان کیں اور دوسرے باب میں اتباعِ سنت کی خوبیاں اور بدعت کی برائیاں اور تفصیل بعض بدعات کی آیت اور حدیث سے ذکر کی اور ارادہ ہندی (اردو) ترجمے کا کیا مگر فرصت نہ پائی اور راہِ خدا میں جان دی۔
>
> اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔
>
> اب سن بارہ سو پچاس (۱۲۵۰ھ) میں اللہ تعالیٰ نے اس خاکسار گناہ گار ہیچمدان محمد سلطان کے دل میں ارادہ، اس کے ترجمہ کا ڈالا سو اس دوسرے باب کا ترجمہ ہندی (اردو) بولی میں شروع کیا اور "تذکیر الاخوان بقیہ تقویۃ الایمان" اس کا نام رکھا[۹۱]

"تذکیر الاخوان" میں اعتصام بالسنۃ، اجتناب عن البدعۃ، ذکر صحابہ و اہلِ بیت، ردِ بدعاتِ قبور، بدعاتِ تقلید اور دیگر معاشی و معاشرتی اور اخلاقی برائیوں وغیرہ عنوانات پر کتاب و سنّت کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ کسی نے ان دونوں کتابوں پر تبصرہ کرتے ہوئے کیا خوب کہا کہ "تقویۃ الایمان" لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی تشریح اور تذکیر الاخوان مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ

کی توضیح ہے۔

"تذکیر الاخوان" کے بھی کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ علامہ سید اولاد حسن قنوجیؒ والد محترم حضرت نواب صاحبؒ نے اسے "راہِ سنت" کے نام سے نہایت مفید حواشی بھی تحریر فرمائے ہیں۔ "تذکیر الاخوان" کا ایک ایڈیشن سید عنایت اللہ کے زیر اہتمام ۱۲۹۲ھ میں ۲۹ × ۲۰ سائز کے ۲۶۰ صفحات پر مطبع فاروقی دہلی سے شائع ہوا۔ منشی محمد ابراہیم کے اہتمام سے رجب سن ۱۳۱۱ھ میں مطبع افتخار دہلی سے بھی ۲۰۲ صفحات پر اس کا ایک ایڈیشن شائع ہوا۔ اسی طرح رشیدیہ کمپنی دیوبند نے بھی ایک مرتبہ اسے شائع کیا تھا۔ اور حال ہی میں اس کا ایک نیا ایڈیشن بھی شائع ہوا ہے۔

۴۔ صراط المستقیم

آپ کی یہ کتاب بزبان فارسی ہے جس میں آپ نے حضرت سید احمد صاحبؒ کے ملفوظات کو ترتیب دیا ہے چنانچہ مقصد تالیف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

> "بس کمترین پر خدا تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں اور سب سے بڑی نعمت ہادی زمانہ مرشد یگانہ حضرت سید احمد صاحبؒ کی مجلس ہدایت منزل میں حاضر ہونا ہے اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو آپ کے دیر تک زندہ رہنے سے فائدہ دے اور آپ کے اقوال اور افعال اور احوال کے ساتھ سب طالبان قرب الٰہی کو نفع پہنچائے اور چونکہ یہ عاجز اس مجلس عالی میں حاضر ہونے کے وقت کلمات ہدایت آیات کے سننے میں کامیاب ہوا تو عام مسلمانوں کی نصیحت اور طالبان قرب الٰہی کی خیر خواہی کا یہ تقاضا ہوا کہ غائبین بھی ان فیوض الٰہیہ میں حاضرین کے ساتھ شریک ہوں اور اس کا طریق اس کے بغیر اور کوئی نہیں کہ ان بلند پایہ مضامین کو احاطہ تحریر میں لایا جائے"[1]

یہ کتاب مقدمہ، چار ابواب اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔ اس کی ترتیب میں آپ کے رفیق خاص حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ بھی شریک رہے جیسا کہ آپ نے مقدمہ میں صراحت فرمائی ہے

چنانچہ دوسرا اور تیسرا باب مولانا عبدالحی کے قلم کا رہین منت ہے۔ مقدمہ تین افادوں پر مشتمل ہے افادہ اوّل میں حب عشقی و عقلی، افادہ دوم میں راہ نبوت و راہ ولایت اور افادہ سوم میں مضامین کتاب کی تقدیم و تاخیر کے سبب کو بیان کیا گیا ہے۔ باب اوّل میں طریق نبوت و ولایت میں جس وجہ سے امتیاز ہوتا ہے اس کی دلنشین انداز میں تشریح کی گئی ہے۔ باب دوم میں عبادات کے ادا کرنے، عمدہ صفات کے اپنانے اور رذیل صفات کے ترک کرنے کے طریقے بتائے گئے ہیں یہ باب مقدمہ، چار فصلوں اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔ باب سوم راہ ولایت کے سلوک کے بیان میں ہے اس میں چار فصل اور تکملہ ہے اور باب چہارم سلوک راہ نبوت کے بیان میں ہے۔

اس کتاب میں اگرچہ سید صاحبؒ کے ملفوظات کو ترتیب دیا گیا ہے جو تصوف و اخلاق اور نصائح وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ مگر یہ کتاب بھی الفاظ کی بندش، عبارت کی عمدگی اور دلنشین طرز نگارش کے اعتبار سے مصنفین کا شاہکار ہے۔ امام صاحبؒ، سید صاحبؒ اور دیگر رفقا معیت جب فریضہ حج کی ادائی کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو آپ نے اور مولانا عبدالحی نے شیخ حسین آفندی کی خاطر "صراط مستقیم" کا عربی میں ترجمہ کر دیا تھا جس کی نقلیں ان علماء نے حاصل کیں جو داخل بیعت ہو چکے تھے۔ اس ترجمہ کا ایک قلمی نسخہ صاحبزادہ عبدالرحیم ضیا مرحوم کے کتب خانہ ٹونک میں بھی موجود تھا۔

مخالفین نے صراط مستقیم پر کچھ اعتراضات بھی کیے ہیں جن کا تجزیہ آئندہ صفحات میں "اعتراضات اور ان کی حقیقت" باب کے ضمن میں کیا جائے گا۔ کچھ لوگوں نے تو اس کی تردید میں مستقل رسالے بھی لکھے مثلاً مشہور شیعہ عالم مولوی دلدار علی کے شاگرد مولوی علی بخش المعروف بہ شرف علی خان نے "ازمۃ الغوی فی الرد علی عبدالحی" کے نام سے صراط مستقیم کی تردید میں رسالہ لکھا۔ اسی طرح مولوی دلدار علی کے ایک دوسرے شاگرد مولوی محمد قلی کنتوری نے بھی "تقریعات الحیدریہ" کے نام سے اس کی تردید میں رسالہ لکھا۔ دوسرے شیعہ حضرات نے یہ زحمت شاید اس لیے اٹھائی کہ کتاب کے دوسرے باب کے دوسرے حصے میں ان بدعات کی تردید ہے جو اہل سنت نے شیعوں سے اخذ کی ہیں مثلاً عزاداری، تعزیہ سازی اور عقیدہ تفضیل حضرت علی وغیرہ۔

صراطِ مستقیم میں تصوف و اخلاق کے علاوہ ان مختلف اقسام کی بدعات کی تردید بھی ہے جو اس وقت معاشرہ میں رواج پذیر تھیں۔ شیخ محمد اکرام مرحوم نے بہت خوب لکھا ہے

"صراطِ مستقیم میں ہندوستانی مسلمانوں کی مذہبی و معاشرتی خرابیوں کا بالتفصیل بیان ہے اور نہ صرف مرض کی تشخیص بلکہ علاج بھی صحیح تجویز کر دیا گیا ہے اور جس طرح ایک طبیب کامل مرض کے مختلف آثار دیکھ کر ہر عوارض کے لیے مختلف نسخے نہیں تجویز کرتا بلکہ ایک ایسی دوا تجویز کرتا ہے جو تمام امراض کی جڑ کو قطع کرے اسی طرح مولانا نے بھی قوم کی خرابیوں کے لیے اصولی نسخہ تجویز کیا چونکہ یہ تمام خرابیاں جو مختلف قسموں کی تھیں ان مختلف رستوں سے داخل ہوئی تھیں۔ حقیقتاً اسی وجہ سے پیدا ہوئی تھیں کہ مسلمانوں نے پیغمبر اکرم کی سنت کو ہاتھ سے چھوڑ دیا تھا۔ اس لیے ان کی نجات اسی میں تھی کہ ہر وہ عمل جو سنت نبوی اور طریق صحابہ کے خلاف ہو یا بعد میں جاری کیا گیا ہو ترک کیا جائے۔ سید صاحب کا ارشاد ہے۔

"تمام امور مبتدعہ مستحدثہ را کہ بوجہ مخالفت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم باشد یا زیادتی از طریقہ صحابہ، ترک نماید و انکار و کراہت بر آن اظہار کردہ شد۔"

صراطِ مستقیم کے اردو میں کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ مولانا عبدالجبار کا غزنوی نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا تھا جو چھپ چکا ہے۔ تاہم اس ترجمہ کی ترمیم و ترتیب مولانا محمد حنیف گنگوہی ندوی نے کی اور فارسی عربی اشعار کا ترجمہ کر دیا جسے حال ہی میں اسلامی اکادمی لاہور نے شائع کیا ہے۔

۵۔ عبقات

: یہ مولانا کی تصوف کے موضوع پر نہایت بلند پایہ اور گرانقدر تصنیف ہے جو مقدمہ، چار اشارات اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں آپ نے حضرت شاہ ولی اللہ کی کتب تصوف مثلاً لمعات، سطعات، ہمعات اور الطاف القدس وغیرہ و حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات۔ شیخ اکبر محی الدین ابن

عربیؒ کی فتوحات، اور بہت سے امام کرام رحمہم کی کتب کے حاصل مطالعہ کو نہایت سلیقہ اور دلکش طریقے سے حک و اضافہ کے ساتھ مرتب فرمایا ہے ان مذکورہ ائمہ کرام کے تذکرے کے بعد جن کی کتب سے آپ نے استفادہ کیا، فرماتے ہیں :-

"أردت أن أسرج في سبيل الهدى سراجاً يهتدي
به السالكون وأفتح في مدارج المقدمات معراجاً
يرتقي عليه الطالبون فألفت رسالة تكون كالبرزخ
بين ما ظهر بالعيان وما ثبت بالبيان وكالوصلة
بين ما فاز به أرباب الكشف وبين ما وصل
إليه آل البرهان ثم إن ما أودعته رسالتي وإن
لم يكن عين ما تلقيته من أئمتي إلا أنه كالأصل
لهذا الشجر والبذر لهذا الثمر شعر

كذالك تنشأ لينة هو عرقها
وحسن نبات الأرض من كرم البذر"

مقدمہ چار مقامات پر مشتمل ہے پہلے مقدمہ میں علم کے اسباب و ذرائع پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ تین چیزیں (۱) محسوس سے اخذ کرنا (۲) معلوم سے مجہول کی طرف انتقال (۳) تلقی من الغیب دوسرے مقدمہ میں فرمایا ہے کہ علم نقلی نظریات سے تعلق رکھتا ہے اور علم مقدمہ کے تین اسباب ہیں ۱۔ عقل ۲۔ نقل ۳۔ کشف اور ان میں سے ہر ایک میں خلل واقع ہو سکتا ہے لیکن جب خلل نہ ہو تو ان میں تناقض نہیں ہوتا۔ تیسرے مقدمہ میں اس بات کی تردید کرتے ہوئے کہ نقل مفید یقین نہیں فرماتے ہیں :-

"قد قصروا بعض من لم يرزق الفهم بأسره قطع أن
النقل لا يفيد العلم القطعي زاعماً أنه إنما يفيد العلم لو سلامة
اللفظ وإفادته المعنى موقوفة على العلم بوضعه
له ...... الخ

چوتھے مقدمہ میں الہام کے مفید علم نہ سمجھنے والوں کی تردید کی ہے اور اپنے موقف کو کتاب وسنت کے دلائل کے ساتھ مدلل طور پر بیان فرمایا ہے ۔

مقدمہ کے بعد کتاب کے عنوانات ۔ خزانہ سے شروع ہوتے ہیں ۔ پہلے خزانہ میں ۴۳ حقائق اور خاتمہ ہے خاتمہ میں صفات باری تعالیٰ سے متعلق نہایت عمدہ بحث ہے دوسرے خزانہ میں ۲۵ حقائق اور خاتمہ ہے اس میں تجلیات کی بحث نہایت اچھے پیرایہ میں کی گئی ہے تیسرے خزانہ میں ۱۲ حقائق ہیں اور ان میں ایجاب واختیار کی بحث ہے چوتھے خزانہ میں ۱۴ حقائق ہیں ان میں کمال نفس کے مراتب پر بحث ہے خاتمہ پانچ حقائق پر مشتمل ہے عالم مثال پر بحث کے ضمن میں تیسرے حقیقہ میں فرماتے ہیں ۔

القول بوجود المثال ليس
من زعم المتصوفة مقابل غير مشوب
من الاعتزال فما انه يفتقر الى
تأويل الف الف من الكثرة وبلا
بعيدا ۔

وجود مثال کا منکر قطعی طور پر اہل سنت
سے خارج ہے کیونکہ اس میں اعتزال کا
شائبہ پایا جاتا ہے کیونکہ وہ ہزاروں قسم
کی بعید از قیاس تاویلیں کرتا
ہے ۔

مختصر یہ کہ آپ کی یہ عظیم الشان کتاب آپ کی وسعت نظر اور علوم عقلیہ ونقلیہ میں مہارت تامہ کا ایک بین ثبوت ہے ذات وصفات ، تجلیات الہیہ حق ، تجدد امثال ، تنزلات ستہ ، خیر وشر ، حق وباطل ، ماہیت معاد ، منازل قرب ، طریق صوفیہ ، عبد ورب کا تعلق ، وحدت الوجود اور اس نوع کے دیگر عنوانات پر آپ نے جس خوبی سے کتاب وسنت اور علماء امت کے ارشادات کی روشنی میں بحث فرمائی ہے اس کا اندازہ اصحاب ذوق ہی کر سکتے ہیں ۔ آپ کا اس کتاب کی شرح لکھنے کا بھی ارادہ تھا لیکن دیگر مصروفیت کے باعث پورا نہ ہو سکا ۔

یہ کتاب سب سے پہلے مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی فرمائش پر بجنور سے شائع ہوئی تھی دوسری مرتبہ ۱۳۸۰ھ میں مجلس علمی کراچی نے ۲۰ × ۲۶ سائز کے ۲۲۰ صفحات پر نہایت خوبصورت انداز میں ٹائپ پر زیور طباعت سے آراستہ کرایا ہے اس وقت یہی نسخہ ہمارے پیش نظر ہے مولانا مناظر احسن گیلانی نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا تھا جو کہ مکتبہ ثقافتیہ حیدرآباد سے شائع

ہو چکا ہے ۔

۶ - اصول فقہ امام صاحب کا یہ مختصر سا رسالہ اصول فقہ کا ایک بہترین متن ہے جو اختصار و جامعیت کے باوصف تمام نقائص و عیوب سے پاک ہے اس موضوع پر اگرچہ امام شافعی، امام الحرمین، امام غزالی، امام رازی، امام آمدی، قاضی بیضاوی، امام ابن حاجب، امام ابوبکر جصاص، قاضی دبوسی، امام سرخسی، امام بزدوی، امام تفتازانی، امام ابن الہمام، امام سبکی، امام شاطبی، امام ابن حزم اور دیگر بیشمار جہابذہ اس فن سے متعلق خوب خوب جولانیاں دکھا چکے ہیں۔ لیکن امام محمد اسمٰعیل شہید کا انداز سب سے نرالا اور البیلا ہے۔ متاخرین میں سے عہد عالمگیری کے قاضی محب اللہ بہاری (م ۱۱۱۹ھ) کے متن اصول فقہ "مسلم الثبوت" کا اگرچہ بہت چرچا ہے۔ لیکن اس کا اختصار مخل ہے اور اصول فقہ کے مسائل کے ساتھ علم کلام اور فلسفہ کے چند غیر ضروری مسائل کے ذکر سے کتاب میں تعقید پیدا ہو گیا ہے اس کے برعکس حضرت امام صاحب کا یہ متن نقائص سے پاک نہایت مختصر، جامع اور کوزہ میں دریا بند کرنے کے مصداق ہے۔ مسلم الثبوت وغیرہ کے بجائے اگر اسے داخل نصاب کیا جائے، تو یہ کتاب مفید ثابت ہو سکتی ہے ۔

اصول فقہ کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ پہلی مرتبہ ۱۸۹۵ء میں ۲۴ صفحات پر مطبع مجتبائی سے یہ کتاب شائع ہوئی تھی۔ دائرۃ المعارف لاہور نے ۲۰×۳۰/۱۶ سائز پر اس کا ایک ایڈیشن شائع کیا۔ مولوی مشتاق احمد انبہٹوی نے اس کے حواشی لکھے ہیں جو سب سے پہلے مطبع مجتبائی لاہور سے شائع ہونے والے نسخہ پر مطبوع ہوئے۔ محشی چونکہ حنفی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے اس لیے انہوں نے حواشی میں جا بجا حضرت امام صاحب سے اختلاف کیا ہے اس کی ایک بے نظیر شرح حضرت العلامۃ المحقق الاستاذ الامام الحافظ محمد المحدث گوندلوی دام برکاتہم کے قلم فیض رقم سے بھی ہے جو کہ "بغیۃ الفحول فی شرح مختصر الاصول" کے نام سے ادارہ اشاعت السنۃ لاہور سے دسمبر [illegible] میں بطور پہلی قسط طبع ہو چکی ہے۔ اے کاش! اس شرح حافظ کو اس کے [illegible] زیور طباعت سے آراستہ کیا جائے۔

۷ - یک روزہ یہ فارسی زبان میں امام صاحب کا امکان و امتناع نظیر کے موضوع پر ہے

وہی رسالہ ہے جس کا ذکر آپ "تقویۃ الایمان" کے تعارف کے ضمن میں پڑھ چکے ہیں۔ ایک دن آپ نماز کے لیے مسجد تشریف لے جا رہے تھے کہ راستہ میں کسی نے مولانا خیرآبادیؒ کا رسالہ دیا جو انہوں نے آپ کی تردید میں لکھا تھا۔ نماز سے فراغت کے بعد، ایک ہی نشست میں مسجد میں جلوہ افروزی کے عالم میں اس کا جواب تحریر فرما دیا، اس لیے یہ یک روزہ کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ رسالہ اگرچہ مختصر ہے لیکن اس کے دلائل اس قدر ناقابل تردید ہیں کہ آج تک مخالفین اس کا جواب نہیں دے سکے۔ ۱۰ ارذوالحجہ ۱۲۴۰ھ کو اس رسالہ کی تبییض ہوئی جب کہ امام صاحبؒ ہجرت بغرضِ جہاد کے سلسلے میں شکارپور تشریف فرما تھے۔ اور سب سے پہلے ۱۲۹۵ھ میں مطبع فاروقی دہلی سے "ایضاح الحق" کے ساتھ شائع ہوا۔ کچھ عرصہ ہوا مکتبہ صدیقیہ ملتان نے اسے الگ زیورِ طباعت سے آراستہ کر دیا ہے۔

۸۔ رسالہ در علمِ منطق

اس رسالہ کا ذکر کرتے ہوئے سرسید احمد خاں نے لکھا ہے کہ آپ نے اس میں :۔

> شکلِ اول کے ابعد النتائج اور شکلِ رابع کے اقرب الی البدیہات ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور اس کے دلائل اس قوت و استحکام کے ساتھ مذکور فرمائے کہ اگر معلمِ اول موجود ہوتا تو اپنی بداہت کو تابِ حیرت سے شکست تسلیم کر جاتا

یہ رسالہ غالباً طبع نہیں ہو سکا اور نہ ہی اس کے کسی قلمی نسخہ کا سراغ مل سکا ہے

۹۔ منصبِ امامت

حضرت امام صاحبؒ کی یہ نہایت بلند پایہ تصنیف ہے۔ مولانا حکیم سید عبدالحیؒ نے بالکل بجا فرمایا ہے :۔

وھو مما لم یسبق الیہ۔ — تمام لٹریچر زمانہ میں اس موضوع پر ایسی کوئی کتاب نہیں۔

یہ سب سے پہلے ۲۰×۳۰/۱۶ سائز کے ۱۴۰ صفحات پر ریاست بھوپال کے وزیر مولانا محمد

جمال الدین خاں کی فرمائش پر مطبع فاروقی دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد مولانا عبداللطیف قریشی کے ترجمے کے ساتھ سنہ ۱۳۲۲ھ میں $\frac{22 \times 29}{8}$ کے ۴۴ صفحات پر مطبع مذکور سے ہی "درجات امامت" کے نام سے شائع ہوئی۔ علاوہ ازیں اس کا صرف اُردو ترجمہ بھی از حکیم محمد حسین علوی۔ لاہور سے ۱۹۲۹ء میں $\frac{22 \times 18}{8}$ سائز کے ۲۰۰ صفحات پر "منصب امامت، اسلامی سلطنت کا دستورالعمل" کے نام سے مومن لیپہ، راوی روڈ لاہور سے شائع ہو چکا ہے

اس کتاب کے دو باب ہیں، باب اوّل میں حقیقتِ امامت کا ذکر ہے اور اس باب کو دو فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے فصل اوّل میں کمالاتِ انبیاء کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ کمالات جو حقیقتِ امامت سے تعلق رکھتے ہیں ان کا مرجع پانچ اصول ہیں اوّل وجاہت، دوم ولایت، سوم بعثت، چہارم ہدایت اور پنجم سیاست پھر ان اصولِ خمسہ کی نہایت دلنشین انداز میں تشریح کی گئی ہے۔ فصل دوم میں انبیاء کے کمالات سے اولیاء اللہ کی مشابہت کو دو مختلف اعتبار سے بیان کیا گیا ہے۔

باب دوم میں ایک مقدمہ، دو فصلیں اور ایک خاتمہ ہے مقدمہ میں امامت کی حقیقی و حکمی دو اعتبار سے تشریح کی گئی ہے۔ فصل اوّل میں امامت حقیقی کی اقسام اور فصل دوم میں امامت حکمی کی اقسام بیان کی گئی ہیں خاتمہ میں اس امر کی وضاحت ہے کہ لفظ امام سے کیا مراد ہے جو اس ضمن میں دو تنبیہیں ہیں پہلی میں صاحب دعوت اور دوسری میں اصحابِ دعوت کے حکم کی وضاحت کی گئی ہے الغرض اس کتاب میں آپ نے حقیقت نبوت کی وضاحت کے بعد حقیقت امامت یعنی سیاسی قیادت (POLITICAL LEADER SHIP) وغیرہ کی اقسام اور اسلامی اصولوں کے مطابق ان کے احکام کو بیان فرمایا ہے اور اس امر کی توضیح کی ہے کہ کس قسم کی قیادت کے ساتھ مسلمانوں کا کیا سلوک ہونا چاہیے گویا جو لوگ نبوت و امامت اور ولایت کو باہم مخلوط کر دیتے ہیں ان کے لیے اس کتاب میں حقیقت کو سمجھنے کے لیے پورا پورا سامان موجود ہے اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب اسلامی سیاسیات (ISLAMIC POLITICS) پر بڑی گہری نگاہ رکھتے تھے۔

شاہ پرستی کے آپ مخالف تھے اس لیے آپ نے اپنی اس مایۂ ناز تصنیف میں اس کا

برملا اظہار فرمایا ہے مسلمان بادشاہوں کو اس دور کی بادشاہت جس کو رنگ ظل الٰہی سے تعبیر کرتے تھے آپ اس کو ناپاک نظریہ اور جبر و قہر کی حکومت سمجھتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"استیصال او عین انتظام است و اہلاک او عین اسلام و اطاعت پرستند از احکام شرعیہ نیست و انقیاد بہ تجبرات او رضیہ نہ ہے ۳۴	ان کا استیصال عین انتظام ہے اور ان کو ہلاک کرنا عین اسلام، ہر صاحب اقتدار اور ہر جابر کی اطاعت کرنا حکم شریعت نہیں۔

آپ جبرانی قباحت کی وضاحتیں بیان کرنے کے بعد جو کہ اس دور کے حکمرانوں میں پائی جاتی تھیں، فرماتے ہیں :-

"پس دریں صورت بر افروختن اعلام قتل و قتال و بر افراختن آں بجہت قتال در حق ملت و اہل ملت منفعت خواہد بخشید والا عوام و خواص بے شک مضرت خواہد رسید"	پس ایسی صورت میں علم بغاوت بلند کرنا اور اس گروہ کو جو مذہب کے نام پر من مانی کرتا ہے معزول اور برخاست کر دینا قوم کے لیے بھی مفید ہوگا۔ اور اہل قوم کے لیے بھی ورنہ ملک کے عوام و خواص کو بہت نقصان اٹھانا پڑے گا۔

اس کے بعد مزید فرماتے ہیں :-

"جہاد با ایشان از ارکان اسلام است و اہانت ایشان اطاعت سید الانام است ۳۵	"ان کے خلاف جہاد کرنا ارکان اسلام سے ہے اور ان کو ذلیل کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے"

آپ کا یہ فیصلہ ان مسلمان بادشاہوں کے متعلق ہے جو راہ راست سے بھٹک چکے تھے ان حضرات کو غور فرمانا چاہیے جو یہ کہتے ہیں کہ آپ انگریزوں کے خلاف نہیں بلکہ صرف سکھوں کے خلاف جہاد کرنا چاہتے تھے کہ جن کا نظریہ غلط کار مسلمان حکمرانوں کے متعلق یہ ہو تو فرنگی کافروں کے متعلق ان کا موقف کیا ہوگا؟ غرضیکہ "منصب امامت" اپنے موضوع پر ایک جامع کتاب ہے جسے اسلامی حکومت کے ایک دستور کی حیثیت سے بھی پیش کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ اسی

دراصل یہ کتاب احکام کی وضاحت کے لیے اس دور میں تصنیف کی گئی تھی جب کہ سید احمد شہید ایک خلافت کو ہند کو اسلامی ریاست کی حیثیت سے اسلامی آئین کے نفاذ کے ذریعہ منور دیکھنا چاہتے تھے اور عملاً اس کے لیے مصروف جہاد تھے۔ کتاب کے آخر میں آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ:۔

عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ احکام امامت	ان شاء اللہ عنقریب احکام امامت آئندہ
در ابواب آئندہ با استیعاب مذکور خواہد گردید	ابواب میں بالاستیعاب مذکور ہوں گے۔

واللہ یہدی من یشاء الیٰ سواء
السبیل وھو حسبی ونعم الوکیل

شہید آپ جام شہادت نوش فرما جانے کے باعث اپنے اس عزم کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ اے کاش اللہ تعالیٰ کسی صاحب ذوق کو توفیق بخشے کہ وہ امام صاحبؒ کے اسلوب کو مدنظر رکھتے ہوئے کتاب کی تکمیل کر دے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز

آخر میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا اس کتاب کے متعلق درج ذیل قول بھی ملاحظہ فرما لیجئے:۔

> شاہ اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کی عقیدت خاندانی ورثہ ہے لیکن ان کی شہرۂ آفاق اور مسلّم ذکاوت اور وفور علم کا اندازہ صرف منصب امامت سے ہوا جو اس موضوع پر میرے محدود علم میں اپنے طرز کی منفرد تصنیف ہے۔

۱۰۔ ایضاح الحق

آپ کی اس تصنیف لطیف کا پورا نام ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح ہے کتاب کے نام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا موضوع صرف احکام میت ہے لیکن درحقیقت یہ حقیقت سنت و بدعت کی کتاب ہے اور بعض علماء کرام کی رائے ہے کہ اس موضوع میں اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ آپ نے کتاب کے آغاز میں سبب تالیف ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔

مشفقی کرمی مولوی افضل علی صاحب
جواب چیزی تمیز فیما بین السنة و البدعة
در صور مذکوره پرسیده بودند بنابرآن بنده
ضعیف الراجی رحمة ربه الجلیل احقر العباد
محمد اسمٰعیل عفی عنه استفسار ایشان فرموده
نیز بنده ضعیف اجوبه مسائل مستفسره
در ضمن چند اوراق مفصل و مدلل نموده
آنرا بایضاح الحق الصریح فی احکام المیت
والضریح مسمی نموده شد۔

میرے مشفق و مکرم مولوی افضل علی صاحب
امور مذکورہ میں سنت و بدعت کے
درمیان فرق و امتیاز کی خواہش ظاہر کی تو بندۂ
ضعیف امیدوار رحمت اللہ الجلیل احقر
العباد محمد اسمٰعیل عفی عنہ سے ان کو دریافت
و استفسار فرمایا تو بندۂ ضعیف نے ان
مسائل مستفسرہ کے جوابات کو چند اوراق میں
مفصل و مدلل بیان کر کے اسے ایضاح الحق
الصریح فی احکام المیت والضریح کے نام
سے موسوم کر دیا۔

یہ کتاب ایک مقدمہ اور خاتمہ پر مشتمل ہے جو بدعت کی لغوی تشریح اور بدعت اصلیہ و وصفیہ نیز اعتبار سے بدعت کی تقسیم اور پھر اس کی تشریح، امور سنت و امور غیر سنت، تقلید و اجتہاد اور علوم معرفت پر مشتمل مباحث نہایت مدلل اور دل نشین ہیں۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۲۲۳ھ میں مطبع فاروقی دہلی سے طبع ہوئی پھر ۱۲۵۹ھ میں کتب خانہ نذیریہ سے اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہوئی۔ یہ ترجمہ مولانا عبد اللطیف کرفنی کا ہے اور "اسرار الفتاح" کے نام سے مشہور ہے۔ اسرار الفتاح فی ترجمہ ایضاح، مکتبہ رحیمیہ دیوبند سے بھی شائع ہو چکا ہے۔

۱۱ تنقید الجواب

برادر عزیز [illegible] حنفی نے عدم جواز رفع الیدین میں ایک رسالہ لکھا تھا۔ امام ربانی نے تنقید الجواب کے نام سے اس پر تنقید لکھی حضرت امام قنوجی فرماتے ہیں:

تنقید الجواب فتوی فارسی عبارت ست در جواب عدم رفع الیدین فی الصلوٰۃ للشیخ مولوی عبد الہادی البدوی المہاجر الحنفی از شیخ محمد اسمٰعیل بن عبد الغنی الشہید الدہلوی منسوب، جمع کرده و تبیین و تحقیق در الفت دلہ نموده بر آنکه الذی لا اشتراک ایں با الخالق و لا الامر و

آخرہ املاہ محمد اسمٰعیل عفا اللہ عنہ و عن والدیہ دستخط مولوی عبدالحی مرحوم صحت بالجواب هذا الاملاء کلمۃ صریح الحق والحق احق بالاتباع حررہ عبدالحی عفی عنہ شانزدہم ذی الحجہ ۱۲۳۳ھ ہجری[۴۰]۔

۱۲۔ تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین

اثبات رفع الیدین کے عنوان پر ہے جیسا کہ نام سے ظاہر ہے — یہ آپ کی وہ بے نظیر تصنیف ہے جس پر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ عبدالقادرؒ نے بھی اظہار پسندیدگی فرمایا تھا بلکہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے تو یہ بھی فرمایا تھا:—

”— خدا کا شکر ہے کہ یہ گھر محققین علم حدیث سے خالی نہیں ہے[۴۱]۔“

رفع الیدین کی سنیت پر بحث کرتے ہوئے دیباچہ میں فرماتے ہیں:۔

”ان رفع الیدین عند الافتتاح والرکوع والقیام
منہ الی الثالثۃ سنۃ غیر مؤکدۃ من سنن
الہدی فیثاب فاعلہ بقدر ما فعل ان دائما
فدائما وان مرۃ فمرۃ ولا یلام تارکہ
وان ترکہ مدۃ عمرہ[۴۲]“

چنانچہ امام صاحب نے خود بھی رفع الیدین پر عمل شروع فرما دیا تھا۔ یاد رہے اس وقت شاہ عبدالعزیزؒ اور حضرت شاہ عبدالقادرؒ بھی بقید حیات تھے۔ اسی طرح شاہ ولی اللہؒ کے ایک دوسرے پوتے شاہ مخصوص اللہ[۴۳] بن شاہ رفیع۔ رفع یدین کے متعلق بھی کتابوں میں صراحت موجود ہے کہ وہ بھی آمین بالجہر اور رفع الیدین پر عمل پیرا تھے اس کتاب میں اثبات رفع الیدین کے علاوہ آپ نے جو ذکر آمین بالجہر، فاتحہ خلف الامام اور رد تقلید وغیرہ کی طرف بھی اشارات فرمائے ہیں اس لیے مقلدین حضرات کو یہ کتاب انتہائی ناگوار گزری چنانچہ اس کی تردید میں مولوی محمد شاہ پاک پٹنی نے ”تنویر الحق“ کے نام سے کتاب لکھی۔ اس کے جواب میں علماء حدیث کی طرف سے شیخ

اکمل حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ نے نہایت مدلل و مفصل کتاب "معیار الحق" کے نام سے تصنیف فرمائی۔ اس کا اثر علمی حلقوں پر بڑا شدید ہوا۔ مخالفین تو اس سے تلملا اٹھے۔ سچ پوچھیے تو اس عنوان پر شاید ہی اس سے زیادہ کوئی مستند، مدلل اور معیاری کتاب ہو۔ امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کے متعلق فرمایا ہے۔

"معیار الحق کی سنجیدہ اور وزنی بحث کا بہت اثر پڑا اور صاحب ارشاد الحق (و انتصار الحق) کا علمی ضعف صاف صاف نظر آ گیا۔"
تذکرہ

"معیار الحق" کی تردید میں مولوی ارشاد حسین صاحب رامپوری نے "انتصار الحق" لکھی جس کی طرف حضرت امام الہندؒ کے اس مذکورہ ارشاد میں اشارہ ہے۔ رامپوری صاحب کو اپنی کتاب پر بڑا ناز اور غرور تھا اور ان کے زعم میں اس کا جواب بہت محال تھا لیکن خدا رحمت کرے مولانا سید امیر حسین سہسوانی پر کہ انہوں نے "انتصار" کی اشاعت کے ایک ہی دن بعد "براہین اثنا عشریہ" کے نام سے اس کا جواب شائع فرما دیا۔ انہوں نے اس کی ایک کاپی مولانا عبدالحی لکھنویؒ کو بھیجی، جسے ملاحظہ فرمانے کے بعد انہوں نے مولانا امیر حسین مرحوم کو اپنے مکتوب میں لکھا۔

"براہین اثنا عشریہ رسیدہ اغلاط اساس کتب و مولفین در انتصار لا تعد و تحصیٰ است بہ تنظیر انتصار بر حجیت کفایت شدہ۔"

"انتصار" کا دوسرا جواب مولانا محمد حسنؒ نے "تلخیص الانظار فی الرد علی الانتصار" تیسرا جواب مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ نے "الحجر الدفار لاذعاق صاحب الانتصار" اور چوتھا جواب مولانا احتشام الدین مراد آبادیؒ نے "اختیار الحق" کے نام سے لکھا۔

اس کتاب کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ نواب صدیق حسن خانؒ نے لکھا ہے کہ "در قدیم زمان در کلکتہ با ترجمہ اردو طبع شدہ" آپ کا اشارہ غالباً اس ایڈیشن کی طرف ہے جو [illegible]ھ میں مطبع رحمانی کلکتہ سے شائع ہوا تھا۔ اس طرح ۲۲ ربیع الثانی [illegible]ھ میں مطبع مجتبائی میرٹھ سے بھی اس کا ایک ایڈیشن شائع ہوا ہے۔ حال ہی میں "مکتبۃ السلفیہ" لاہور سے یہ کتاب اردو ترجمہ کے ساتھ زیور طباعت سے آراستہ ہوئی ہے۔

۱۳۔ حقیقت تصوّف

اس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا فضل حسین صاحب بہاری لکھتے ہیں :۔

"۔ ایک کتاب آپ نے لکھی جس کا نام "حقیقتِ تصوّف" تھا۔ اب یہ نایاب ہوگئی ہے اس میں آپ نے سچے صُوفیوں کی تعریف لکھی ہے اور اب جو من گھڑت باتیں داخلِ تصوّف ہوگئی ہیں، ان کی بُرائی بیان کی ہے ۔ اس کتاب سے اس طبقہ والوں کی بھی بہت کچھ اصلاح ہوئی ہے[۸۷]"

مولانا بہاریؒ کے علاوہ اور کسی نے اس کتاب کا تذکرہ نہیں کیا اور نہ اس کے کوائف ہی میسّر آسکے ہیں ۔

۱۴۔ مثنوی سلک نُور (اُردو)

یہ شاید کم لوگوں کو معلوم ہے کہ حضرت امام صاحبؒ جیسے اُردو، عربی اور فارسی کے صاحبِ طرز انشاء پرداز تھے ایسے ہی آپ ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ گو اس طرف آپ نے خاص توجّہ فرمائی اور نہ دیگر مصروفیات کے باعث اس کے لیے وقت میسّر آسکا تاہم آپ کے منظومات میں سے جو کچھ موجُود ہے وہ آپ کی بہترین شاعرانہ صلاحیتوں کی عکاسی کے لیے کافی ہے ۔ اس سلسلہ میں مثنوی سلک نور خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، اس میں رّدِ شرک، توحیدِ الٰہی نعت آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اور مدحِ حضرت سیّد احمد شہیدؒ ایسے پاکیزہ عنوانات کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے" مثنوی سلکِ نورؒ" مولوی ابو محمد جمیل کے حسبِ فرمائش پرکاش سٹیم پریس لاہور سے سنہ ۱۳۴۰ھ میں طبع ہوئی اس کے آغاز میں ناشر یا مرتب نے رسالہ" حقیقت الصلٰوۃ " کو بھی لگا دیا ہے یاد رہے یہ امام صاحبؒ کا رسالہ نہیں بلکہ حضرت سیّد احمد صاحبؒ کی ایک تقریر ہے مثنوی کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

الٰہی تیرا نام کیا خوب ہے   کہ ہر جان کو وہی مطلوب ہے
اسی سے ہے ہر دل کو آرام چین   وہی سب زبانوں کا ہے زیبِ زین

اس میں کل دو صد اکاون اشعار ہیں۔ آخر میں اکتیس اشعار پر مشتمل "نسخہ قوّتِ ایمان" کے نام سے ایک بڑی دلچسپ نظم ہے ۔

۱۵۔ مثنوی سلک گوہر فارسی

آپ کی یہ فارسی مثنوی [illegible] اشعار پر مشتمل ہے۔ [illegible] توحید و منقبت، اجتناب [illegible] و بدعت اور [illegible] تصوف [illegible] مثنوی کے مضامین ہیں۔ مثنوی کا آغاز اس طرح سے ہے:

[illegible] کار ساز [illegible]
[illegible] توحید و منقبت [illegible] توحید و تمجید [illegible]

[illegible] مولانا عبدالرب [illegible] صاحب [illegible] توفیق [illegible]

۱۶۔ قصیدہ در مدح حضرت سید احمد شہید

[illegible] قصیدہ [illegible] اشعار [illegible]

[illegible]
[illegible]

۱۷۔ قصیدہ در مدح حضرت مصطفیٰ [illegible]

فارسی قصیدہ [illegible] ہے۔

[illegible]
[illegible]

حضرت [illegible] صاحب [illegible] قصیدہ [illegible] اور [illegible]

تمام ایں قصیدہ مختوی [illegible] بامجد مفاخر مسعود و در بیان جزء شان مرقوم است۔

آج اس قصیدے کے صرف یہی اشعار موجود ہیں جو حضرت نواب صاحبؒ درج فرما گئے۔ افسوس کہ قصیدہ کا باقی حصہ دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہا۔

۱۸۔ رسالہ بے نمازاں

بے نمازوں کو ترغیب اور دلنشین انداز میں لکھا کی غرض سے فرضیت نماز کی اہمیت اور تارک صلوٰۃ کے لیے وعید وغیرہ کو آپ نے نہایت مؤثر پیرایۂ بیان میں نظم فرمایا اور جا بجا آیات و احادیث کو بھی اپنے موقف کی تائید میں پیش کیا۔ آیات و احادیث کا ماخذ بھی اشارتاً ترجمہ میں درج فرما دیا۔ یہی رسالہ بے نمازاں ہے۔ حمد و نعت، تمہید اور آیات [illegible] بہرکیف حسب سابق [illegible] کے بعد رسالہ کا آغاز اس طرح ہے؎

بعد حمد پاک ربّ العالمین اور درود رحمۃ للعالمین
حال اپنا سب سے کہے بے نماز [illegible]

رسالہ بے نمازاں ۱۳۲۰ھ میں [illegible] صفحات پر [illegible] کتب خانہ ملتان سے شائع ہو چکا ہے جس کے ساتھ ۱۱ سے [illegible] صفحات [illegible] مولانا محمد مشتاق علی کی تمہید شامل ہے اور ایک تقریظ بھی ملحق ہے۔

نواب صاحبؒ کا کلام اگرچہ علیحدہ علیحدہ کتب میں چھپا لیکن افسوس کہ آپ کے کلام کو مرتب کر کے شائع کرنے کی کسی نے زحمت گوارا نہیں فرمائی۔ بحمد اللہ یہ سعادت بھی راقم کے حصہ میں آئی۔ راقم نے آپ کے کلام کو ”کلام شاہ اسمٰعیل شہیدؒ“ کے نام سے مرتب کیا اور طارق اکیڈمی فیصل آباد نے اسے نہایت سلیقے سے زیور طبع سے آراستہ کیا ہے۔

ان سطور سے صفحات کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت امام مرتبؒ میدان تصنیف کے بھی کامیاب شہسوار تھے۔ رشد و ہدایت، دعوت و تبلیغ اور جہاد میں مصروفیت کے باعث آپ کو اگرچہ خوب خوب جولانیاں دکھانے کے مواقع تو میسر نہ آسکے مگر جو قلمی یادگاریں آپ کی چھوڑی ہوئی ہیں وہ اپنی جامعیت، جامعیت اور تاثیر کے اعتبار سے فن کی [illegible]

پڑھا رہی ہیں۔ مذکورہ کتب کے علاوہ امام صاحبؒ پر سید صاحبؒ کے مقالات ترتیب۔ دیکھیے مولوی عبدالرحمٰن لکھنوی کے رسالہ "نصرۃ الحق" پر نہایت اچھا محاکمہ لکھا اور بہت سی کتابوں پر نہایت تحقیقی حواشی سپرد قلم فرمائے ہیں۔ افسوس کہ مولانا رشید الدین خاں کا اردو ترجمہ جب پھلت کا کتب خانہ جب ایام غدر ۱۸۵۷ء میں لٹ گیا تو یہ تمام تحقیقی حواشی بھی ضائع ہو گئے۔ مولانا رشید الدین کے صاحبزادے مولانا مسعود الدین نے بھی خط بنام [illegible] خصوصیت سے قلق ظاہر کیا ہے۔ اچھے کتب خانے کے لٹ جانے کا اس قدر افسوس نہیں جس قدر ان حواشی کے ضائع ہو جانے کا ہے کیونکہ کتابیں تو پھر بھی دستیاب ہو سکتی ہیں مگر ان حواشی کا ملنا محال ہے۔

پیام شاہجہانپوری نے اپنی کتاب "حیات شاہ اسمٰعیل شہیدؒ" میں بھی آپ کی طرف "الاربعین فی احوال المہدیین" کا انتساب کیا ہے اور اس کا عکس بھی دیا ہے۔ یہ مخطوطہ جہاں تک معلوم ہوتا ہے جو تا حال کسی محقق کی تحقیق کے لیے نہیں پایا گیا ہے۔ امام صاحبؒ کے سوانح نگاروں میں سے کسی نے اس کتاب کا ذکر نہیں کیا۔ اور پھر اس کتاب کے غلط ہونے پر دو تین شہادتیں بھی موجود ہیں۔ مثلاً کتاب کے آخر میں شاہ نعمت اللہ کے فارسی قصیدہ کا الحاق، جو خود ایک چیستان ہے اور اہل علم کے نزدیک جس کی اہمیت معلوم۔ امام صاحبؒ ایسے موحد اور متبع سنت بزرگ اس قصیدہ کو اپنی کتاب کے ساتھ کیوں شامل کرتے۔ دوسرے شبہ کو تقویت اس سے پہنچتی ہے کہ اس سلسلہ میں پیام صاحب کا ماخذ [illegible] مقبول حسین ناز کا روزنامہ مشرق کراچی میں مطبوعہ ایک مضمون ہے اور مکین صاحب بھی پیام صاحب کی طرح تساہل و غفلت کے شکار ہو گئے ہیں۔ لہٰذا امام صاحبؒ کی طرف اس کتاب کا انتساب غلط ہے۔ آپ نے اس نام کی کوئی کتاب تصنیف نہیں فرمائی۔

باب پنجم

اعتراضات اور انکی حقیقت

اختلاف رائے کا ہر انسان کو حق پہنچتا ہے بشرطیکہ اختلاف عدل و انصاف کی حدود سے متجاوز اور اختلاف برائے اختلاف نہ ہو۔ لیکن شومیٔ قسمت کہ از حضرت آدمؑ تا ایں دم اہل حق کو زیادہ تر ناروا مخالفت ہی کا تختۂ مشق بننا پڑا۔ ائمہ سلف میں سے امام ابوحنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام بخاریؒ، امام ابن تیمیہؒ اور دیگر بے شمار مصلحین علم و فضل کے خلاف مخالفتوں کے جو طوفان برپا کیے گئے اس سے ایک دنیا واقف ہے۔ علامہ سبکیؒ نے جو یہ لکھا ہے تو بالکل بجا لکھا۔ کوئی امام ایسا نہیں ہے کہ زباں درازوں نے اس کے حق میں زبان درازی نہ کی ہو اور تباہ ہونے والے اس کے بارے میں ہلاک نہ ہوئے ہوں۔ اگر مخالفت برائے مخالفت بر حسد و کینہ پر مبنی ہو تو اہلِ حق کا اس سے کچھ نہیں بگڑتا۔ البتہ مخالفین اپنے نامۂ اعمال کو مزید سیاہ کر لیتے ہیں ورنہ جانتے ہیں مخالفین نے تو خدائے ذوالجلال والاکرام، قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی

یہ مانا کہ آپ نہ تاج رکھتے تھے نہ دولت نہ تیغ، تو کیا ہے جس سے ان سے تقرب یا عظمت و عزت یہ مرتبہ بھی قدرت کا ؟ شاید انہی حالات میں کسی نے کہا ہے

قیل ان الالٰہ ذو ولد قیل ان الرسول قد کہنا
ما نجا اللہ والرسول معاً من لسان الوریٰ فکیف انا

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں حضرت امام محمد اسمٰعیل شہید سے زیادہ کوئی مظلوم نہ ہوگا۔ آپ کے دور میں جو شرک و بدعت کا غلبہ تھا اور مذہبی ٹھیکیدار لوگ نفسانی خواہشات کے پجاری بن گئے تھے اور عوام صراط مستقیم کو چھوڑ کر شیطانی چکر میں پڑ کر گمراہ ہو رہے تھے ان حالات میں آپ نے تبلیغ توحید اور رد شرک اور بدعات و رسومات کے خلاف عزیمت و استقلال سے جہاد کیا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ سر انجام دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اسی طرح شرک و بدعات کے ٹھیکیداروں کی اقتدار پر زد پڑی۔ خواہشات نفسانی کے پجاریوں کی گستاخ زبان نے آپ کو سب سے زیادہ ہدف بنایا۔ آج تک [illegible] اللہ کے ایک ولی اور شہید ہونے کے خلاف۔ اہل بدعت اور ان کے پیروں نے جو طوفان بدتمیزی برپا کیا اس کی مثال مشکل سے ملتی ہے۔ سب سے پہلے مولوی احمد رضا خاں نے ان کے خلاف ایسے کفر کا فتویٰ [illegible] قریب ہے آج تک اس مظلوم و شہید امام کو تکفیر بازی کا نشانہ بنانے کا شوق زوروں پر ہے

قریب ہے یارو روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

حضرت امام صاحب پر جو شرمناک بہتان باندھے گئے وہ بہت زیادہ ہیں اختصار کے پیش نظر ان میں سے چند بہتانوں کا جواب حسب ذیل سطور میں دیا جاتا ہے جنہیں کہ رضاخانی علماء عوام میں بہت زیادہ اچھالتے ہیں۔

پہلا اعتراض

ایک بہتان ان کی طرف سے لگایا جاتا ہے کہ امام صاحب نے یہ لکھا ہے کہ نماز میں آپ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال بیل گدھے کے خیال سے بھی زیادہ ذلیل ہے نعوذ باللہ من ذالک۔

جواب

اس ناپاک، گندے اور بیہودہ اعتراض بلکہ بہتان کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ ہ مفصل جواب کے لیے امام صاحبؒ کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیے، جس پر اس بہتان کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ امام صاحبؒ "تقویۃ الایمان" کے تیسرے باب میں شرک سے اجتناب کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

وَاِذۡ قَالَ لُقۡمٰنُ لِابۡنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشۡرِكۡ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيۡمٌ

اور جب کہا لقمان نے اپنے بیٹے کو اور وہ نصیحت کرتا تھا اس کو اے بیٹے میرے مت شریک بنا اللہ کا بے شک شریک بنانا اس ک بڑی بے انصافی ہے۔

●

ف :۔ " یعنی اللہ صاحب نے لقمان کو عقل مندی دی تھی سو انہوں نے اس سے سمجھا کہ با انصافی یہی ہے کہ کسی کا حق اور کسی کو پکڑا دینا اور جس نے اللہ کا حق اس کی مخلوق کو دیا تو بڑ سے بڑے کا حق لے کر ذلیل سے ذلیل کو دے دیا۔ جیسے بادشاہ کا تاج ایک چمار کے مر پر رکھ دیجئے۔ اس سے بڑی بے انصافی کیا ہوگی اور یہ یقین جان لینا چاہیئے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے "

ناظرینِ کرام! غور فرمائیں اس عبارت میں کسی نبی، ولی کا ذکر ہے؟ بلکہ یہاں تو اجمالاً ہے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے"۔ آپ کا مقصد صرف یہ ہے کہ جو نسبت چمار کو انسانیت کی وجہ سے، بادشاہ سے ہے وہ مخلوق میں سے کسی کو بھی خدا کے ساتھ حاصل نہیں اس لیے سب مخلوق چمار کی نسبت سے بھی درجے میں بہت نیچے ہے آپ یہاں خالق و مخلوق کے مرتبہ کا فرق بیان فرما رہے ہیں۔ مخلوق کے باہمی مراتب کا ذکر بیان نہیں فرما رہے۔ اور پھر کوئی مخلوق اپنی ذات کے اعتبار سے کیسی ہی باکمال کیوں نہ ہو وہ خالق کے مقابلہ میں لا شیئی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے کمالات اور مقربانِ بارگاہِ خداوندی کے درجات مُسلّم ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ سب کمالاتِ الٰہیہ کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ مخالفین شاید لفظ ذلیل سے زیادہ بدکے ہیں۔ حالانکہ ذلیل کے معنی کمزور او

ضعیف کے ہیں خود اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام کے لیے ___ اور وہ بھی بدر کے صحابہ رضوان اللہ علیہم ___ اس لفظ کو استعمال کیا ہے، فرمایا :-

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ
وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ

اللہ تعالیٰ نے بدر کے موقع پر تمہاری مدد کی
جب کہ تم ذلیل تھے :

کتب تفسیر خصوصاً تفسیر کبیر، ابو السعود اور بیضاوی میں اس آیت کی تفسیر ملاحظہ فرمایئے آپ کو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرامؓ کے لیے ضعف و قلت ان کے سبب اس لفظ کو استعمال کیا ہے اس سے ان کی توہین مقصود نہیں ہاں ھذا القیاس امام صاحبؒ کا مقصود بھی انبیاء و اولیاء کی توہین نہیں یہ تو اسی طرح ہے جیسا کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے فرمایا ہے۔

لا یکمل ایمان آدمی
حتی یکون الناس عنده
کالاباعر

کسی شخص کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ سب آدمی اس کی نظر میں (عظمت الٰہی کے مقابلہ میں) اونٹ کی مینگنی جیسے نہ ہوں۔

امام یافعیؒ نے بھی شیخ موصوف کا یہ عقیدہ نقل کیا ہے :-

تمام مخلوقات ملائکہ و جن و انس و عرش و کرسی و لوح و قلم و زمین و آسمان وغیرہ اللہ جل جلالہٗ کی عظمت کبریائی کے مقابلہ میں رائی کے دانہ سے بھی حقیر ہیں :

حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں :-

ایمان کامل نشود تا ہمہ خلق نزد او ایں چنیں نہ نماید کہ پشک شتر۔

سیدنا حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا ارشاد بھی سنیے اور سر دھنیے۔ فرماتے ہیں :-

اجعل الخلیقۃ اجمع کرجل
کتفہ سلطان عظیم ملکہ

تمام مخلوق کو اس آدمی کی طرح سمجھو جس
کو کسی ایسے بادشاہ نے گرفتار کر لیا ہو جس

شدید امرهٗ مهولة شوكته وسطوته، ثم جعل الغلة فِي رقبته مع رجليه ثم صلبه على شجرة الأرز على شاطئ نهر عظيم موجه فسيح عرضه عميق غورهٗ شديد جريه ثم جلس السلطان على كرسي عظيم قدره عال سماءه بعيد مرامه ووصولهٗ وترك الى جنبه احمالا من السهام والرماح والقسي مما لا يبلغ قدرها غيره فجعل يرمي الى المصلوب بما شاء من ذالك من السلاح

کا ملک بڑا، حکم سخت اور دبدبہ وغلبہ خوفناک ہو پھر اس بادشاہ نے اس آدمی کے پاؤں اور گردن میں طوق وسلاسل ڈال کر اسے صنوبر کے درخت پر ایک بڑے مواج اور تلاطم خیز، وسیع وعریض دریا کے کنارے سُولی پر چڑھایا ہو پھر وہ بادشاہ ایک شاندار کرسی پر جلوہ افروز ہو اور تیر و کمان اور شمشیر وسنان اور دیگر ہتھیاروں کے لاتعداد انبار لگا لے اور اس مصلوب شخص پر جس ہتھیار کو چاہے چلائے (پس جس طرح اس بادشاہ کے سامنے یہ مصلوب لاچار ہے اسی طرح تمام مخلوق خدا تعالیٰ کے سامنے عاجز و لاچار ہے)

شیخ المشائخ قطبِ عالم حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی رحؒ فرماتے ہیں۔

آنہ، عبد ذلیل والرب رب جلیل سرگردانی درمقام عبودیت و ذل کور مقابلہ عالمِ ربوبیت ہمہ راست بر طریق عموم انبیاء و اولیاء ہمہ حیران و سرگرداں اندھ

بے شک بندہ ذلیل ہے اور رب بزرگی والا۔ سرگردانی مقامِ عبودیت میں اور وجود کا عالمِ ربوبیت کے مقابلہ میں ذلیل ہونا سب سچ ہے اور بہ طریقِ عموم انبیاءؑ و اولیاء تمام حیران و پریشان ہیں۔

حضرت شیخ اکبر امام محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں :-

" فان كل شيئ في العالم بالنظر الى عظمة الله حقيرٌ "

دنیا کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی عظمت کے مقابلہ میں حقیر ہے۔

اور حضرت امام ربانی سرہندی مجدد الف ثانیؒ رقم فرماتے ہیں :-

عالم را با صانع خود ہیچ نسبت نیست — دنیا کو اپنے صانع کے ساتھ کوئی نسبت نہیں
مگر آنکہ مخلوق و ذلیل ست[1] — مگر یہ کہ مخلوق و ذلیل ہے ۔

کیا فرماتے ہیں علماء دیوبند و بریلی، حضرت سہروردی، خواجہ نظام الدین اولیاء، پیر عبدالقادر جیلانی، حضرت شیخ گنگوہیؒ، امام ابن عربی، حضرت مجدد الف ثانیؒ ایسے جیسے دیگر بے شمار اکابر اولیاء اللہ کے بارہ میں جنہوں نے حضرت امام صاحبؒ کے الفاظ ـــ "ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے" ـــ سے بھی زیادہ وسیع، بیان فرما کر اور شرک سوز الفاظ استعمال فرمائے ہیں، کیا ان بزرگان کرامؒ و اولیائے عظامؒ کے یہ ارشادات بھی تمہاری تکفیر اور تبرا بازی کی زد میں آتے ہیں یا نہیں؟ آہ! مشرکین مکہ نے جب لا الٰہ الا اللہ سنا تو اپنے بزرگوں کی توہین سمجھا اور کہا تھا: اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝ یہی حضرت امام شہیدؒ پر اعتراض کرنے والوں کا بھی یہی حال ہے اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔

دوسرا اعتراض : حضرت امام صاحبؒ نے "تقویۃ الایمان" میں اللہ تعالیٰ کی شان و عظمت بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر شفاعت کے بیان میں فرمایا ہے :-

> "اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی، جن اور فرشتے جبرئیل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر پیدا کر ڈالے ایک دم میں سارا عالم عرش سے فرش تک الٹ پلٹ کر ڈالے :"

اس عبارت کو سامنے رکھ کر اہل بدعت نے امام صاحبؒ پر عداوت و توہین انبیاء اور انکار نبوت کے بہتان باندھے ہیں۔

جواب : اس عبارت پر سب سے پہلے مولانا فضل حق خیرآبادی نے اعتراضات کیے تھے جن کا جواب امام صاحبؒ نے خود ہی "یک روزہ" میں دیا اور

فرمایا کہ تکوین ایک علیحدہ صفت ہے اور قدرت دوسری صفت۔ وجود مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قدرتِ الٰہی کے تحت داخل ہے تکوین کے تحت نہیں، امام صاحبؒ کی موافقت و مخالفت میں کئی رسالے بھی لکھے گئے حتیٰ کہ آخر میں مولانا فضل حق خیرآبادیؒ نے رجوع فرما لیا جیسا کہ قبل ازیں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔ لیکن جن لوگوں نے آپ کی مخالفت کو اپنی شکم پروری کا ذریعہ بنا لیا تھا وہ بھلا کب باز آنے والے تھے اگر وہ آپ پر سب و شتم اور تکفیر و تضلیل نہ کرتے تو ان کے تنورِ شکم کی آگ کیسے ماند پڑتی۔ انہی حضرات میں سے ایک مراد آباد کے مفتی نعیم صاحب بھی تھے جنہوں نے اس عبارت کو سامنے رکھ کر آپ پر عداوت و توہینِ انبیاء اور ختم نبوت کے بہتان باندھے اور ایسی بازاری زبان استعمال کی کہ الامان و الحفیظ۔ ہمیں تو آپ کے "ملفوظات" نقل کرنے کا یارا نہیں۔ اگر آپ پڑھنے کی ہمت کر سکتے ہیں تو "تقویۃ الایمان" کی تردید میں ان کی کتاب "اطیب البیان" — برعکس نہند نام زنگی کافور — کا مطالعہ کیجئے اور ان کی خوش کلامی کی داد دیجئے ۱۲

امام صاحبؒ کی محولہ بالا عبارت کا مطالعہ فرمائیے اس میں توہین یا انکارِ نبوت کا ذرہ بھر شائبہ تک بھی نہیں۔ شانِ الٰہی کے عنوان پر آپ کا یہ اندازِ نگارش إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ کی تفسیر ہے امام رازی نے آیت مبارکہ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَذِيرًا ۱۲ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:-

> "ان الآیۃ تقتضی مزج اللطف بالعنف لانھا تدل
> علی القدرۃ علی ان یبعث فی کل قریۃ نذیرا مثل
> محمد ﷺ الخ"

حقیقت یہ ہے کہ امام صاحبؒ نے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مثل پیدا ہونے کا دعویٰ کیا ہے نہ ختم نبوت کا انکار کیا ہے، نہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی (معاذ اللہ) توہین کی ہے۔ بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی شانِ قدرت کا ذکر فرمایا ہے۔ اس طرزِ تحریر کی مثالیں ائمہ سلف کے کلام میں بھی بکثرت ملتی ہیں "مشتے نمونہ از خروارے" ہم ایک مثال ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ فرماتے ہیں:-

" وچوں سلطان عظمت و قدرت او نگری ہمہ معدومات را موجودات یابی

اگر خواہد در ہر لحظہ صد ہزار چوں محمد صلّی اللہ علیہ وسلم بیافریند و ہر نفس از انفاس ایشاں مقام قاب قوسین دہد وجلال او ذرہ زیارت نہ گردد"[۱۵]

علاوہ ازیں خود قرآنِ مجید میں "فعال لما یُرِید"، "یفعل ما یشآء" "انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کُن فیکُون" اور ایسی دیگر بے شمار آیاتِ مبارکہ ہیں جن کے ہوتے ہوئے ان اعتراضات کی حیثیت پرِ کاہ کے برابر نہیں

تیسرا اعتراض

ناخدا ترس لوگ امام صاحب پر بہتان باندھتے ہوئے عوام میں یہ بہت اچھالتے ہیں کہ آپ نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عزّت بڑے بھائی جیسی کرنی چاہیئے۔

جواب

جواب سے قبل "تقویۃ الایمان" کی وہ عبارت ملاحظہ فرمائیے جس پر اس افترا کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ امام صاحبؒ نے "تقویۃ الایمان" کے ساتویں باب میں شرک فی العادات کا تذکرہ کرتے ہوئے "مشکوٰۃ" کے باب "عشرۃ النساء" کے حوالہ سے درج ذیل حدیث نقل فرمائی ہے، جسے ہم آپ کے ترجمہ وتشریح کے ساتھ ہی نقل کرتے ہیں۔

اخرج احمد عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان رَسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وَسلّم کان فی نفر مِنَ المہاجرین و الانصار فجآء بعیر فسجد لہ فقال اصحابہ یا رَسُول اللہ یسجد لک البہائمُ والشجر فنحن احق ان نسجد لک فقال اعبدوا ربّکم وَاکرموا اخاکم"

امام احمدؒ نے ذکر کیا کہ بی بی عائشہؓ نے نقل کیا کہ پیغمبرِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم مہاجرین و انصار میں بیٹھے تھے کہ آیا ایک اونٹ پھر اس نے سجدہ کیا پیغمبرِ خدا کو سو ان کے اصحاب کہنے لگے کہ اے پیغمبرِ خدا! تم کو سجدہ کرتے ہیں جانور اور درخت سو ہم کو تو ضرور چاہیئے کہ تم کو سجدہ کریں سو فرمایا کہ بندگی کرو اپنے ربّ کی اور تعظیم کرو اپنے بھائی کی۔

ف:۔ یعنی انسان آپس میں سب بھائی ہیں جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے سو اس کی بڑے

بھائی کی سی تعظیم کیجئے اور مالک سب کا اللہ ہے بندگی اسی کی چاہئے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولیاء و انبیاء، امام و امام زادہ، پیر و مرشد، شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں۔ اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی مگر اللہ نے ان کو بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے، ہم کو ان کی فرمانبرداری کا حکم کیا ہے ہم ان کے چھوٹے ہیں سو ان کی تعظیم انسانوں کی سی کرنی چاہئے نہ خدا کی سی۔

ناظرین کرام! تقویۃ الایمان کی اس عبارت کو بار بار بغور ملاحظہ فرمائیں کیا اس میں صراحتہً یا اشارۃً یہ موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ صرف بڑے نسبی و حقیقی بھائی کے برابر ہے اور آپ کی تعظیم صرف بڑے حقیقی بھائی کی سی کرنی چاہئے۔ آپ نے تو صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اکرموا اخاکم کا ترجمہ لکھا ہے۔ اور خود قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے پیغمبروں کو ان کی قوموں کا بھائی بتلایا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ انما المؤمنون اخوۃ۔ یعنی کل اہل ایمان بھائی بھائی ہیں۔ اس آیت میں بھی حضور داخل ہیں۔ آپ کا ایک ارشاد حضرت عروہؓ سے اس طرح مروی ہے کہ:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب عائشۃ الی ابی بکر فقال له ابو بکر انما انا اخوک فقال صلی اللہ علیہ وسلم انت اخی فی دین اللہ وکتابہ وھی لی حلال لان الاخوۃ المانعۃ من ذالک اخوۃ النسب والرضاع لا اخوۃ الدین	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت ابوبکرؓ کی طرف حضرت عائشہؓ کے لیے پیغام نکاح بھیجا تو ابوبکرؓ نے کہا کہ میں تو آپ کا بھائی ہوں۔ نکاح کیسے ہوگا؟ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نسب و رضاعت کی اخوت مانع نکاح ہے صرف دینی اخوت سے نکاح ناجائز نہیں ہوا کرتا۔

اس حدیث میں آپ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی قرار دیا ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

وددت انا قد رأینا اخواننا	ہم اپنے بھائیوں کو دیکھنا چاہتے ہیں اس پر

قالوا اولسنا اخوانك يا رسول الله قال انتم اصحابي واخواننا الذين لم ياتوا بعد الحديث؎

صحابہؓ نے کہا کہ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں؟ آپ نے فرمایا تم تو میرے ساتھی ہو، ہمارے بھائی تو وہ ہیں (جو ابھی پیدا نہیں ہوئے) جو بعد آئیں گے اور اسلام قبول کریں گے۔

غور فرمائیے کہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس صراحت کے ساتھ مسلمانوں کو اپنے بھائیوں سے تعبیر کیا ہے جو لوگ امام صاحبؒ پر بے جا غبار پھوڑتے ہیں معلوم نہیں وہ ان آیات اور احادیث پر ایمان رکھتے ہیں یا نہیں؟ اور پھر لطف یہ کہ امام صاحبؒ نے تقویۃ الایمان کی مذکورہ عبارت میں کسی خاص شخص پر تو حکم کیا نہیں لگایا۔ آپ نے تو تشریح حدیث کے ضمن میں ایک عام اصول بیان فرمایا ہے۔

آپ کی مذکورہ عبارت کا تجزیہ کرنے سے درج ذیل امور سامنے آتے ہیں:-

۱۔ تمام بنی نوع انسان خواہ بڑے ہوں یا چھوٹے سب ہی بھائی ہیں۔

۲۔ سب اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے ہیں۔

۳۔ ان میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے عظیم مرتبوں سے سرفراز کیا وہ بڑے بھائی ہیں۔

۴۔ ان کی توقیر و تعظیم انسانوں کی سی کرنی چاہیئے۔ نہ خدائی کی۔

۵۔ ہم کو ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے کیونکہ ہم چھوٹے ہیں۔

مجھے نہیں معلوم کہ کوئی مسلمان ان امور میں سے کسی کا انکار کر سکتا ہے؟ لیکن شرک و بدعت سے جن کی عقل ماؤف ہو گئی ہو اور کوئی امام صاحبؒ کی مذکورہ عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ لکھ دے تو وہ مجبور ہے کہ:-

> حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کمالات پر قلم خط کھینچ دیا اور محض بڑے بھائی بندی کا رشتہ ٹھہرا کر عوام کے قلوب سے حضور کی عظمت بالکل ہی نکال دے یعنی حضور کو تو بڑے بھائی کے برابر کر دیا تھا اور بادشاہ کو بڑا بھائی نہیں کہہ سکتا اگر کہے تو گستاخ بے ادب کہا جائے مگر یہ بے ادب شانِ رسالت میں یوں گستاخی کرتا ہے؎

اور حقیقت یہ ہے کہ امام موصوف کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی عقیدت و محبت ہے جتنی ایک کامل و مخلص مومن کو ہونی چاہیے چند دلائل ملاحظہ فرمائیں۔ مذکورہ عبارت سے دو تین صفحے آگے فرماتے ہیں :۔

> "ہمارے پیغمبر سارے جہان کے سردار ہیں کہ اللہ کے نزدیک ان کا مرتبہ سب سے بڑا ہے اور اللہ کے احکام پر سب سے زیادہ قائم ہیں اور اللہ کی راہ سیکھنے میں سب ان کے محتاج ہیں"[۲۰]

اس کے بعد پانچ صفحات کے بعد ایمان بالرسول کی حقیقت بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :۔

> اللہ کے رسول پر یقین لانا یہ ہے کہ اس کو رسول اللہ کا اور سب سے مقبول، سب مخلوق سے کہ ذات اور خوبیوں میں افضل جانے اور جو بات رسول فرما دے اس کو بجا جانے خواہ قانون کی مرضی کے اور رسولوں کے حکم کو سب مخلوق کے حکم سے مقدم کرے اور اس میں اپنی عقل ناقص کو دخل نہ دے اور اس کے حکم کے مقابل میں کسی کا حکم نہ مانے اور ان کے فرمودہ کو برحق جانے جیسے کہ اس بات میں نیک معلوم ہو جاوے کہ کچھ شبہ نہ رہ جاوے"[۲۱]

خدارا غور فرمائیے کیا یہ سب احکام پڑھنے کے بعد بھی کہہ سکتے ہیں؟ وہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کے ترانے نہیں گاتا ہو۔ ان کی محبت و عقیدت میں ذرہ برابر شبہ کی بھی گنجائش ہے۔ فرماتے ہیں :۔

وہ انسان کامل ہے جس سے ہو کون　　ہوئے مقصود جس سے یہ دونوں کون
وہ نبی الہدیٰ وہ رسول کریم　　نبوت کے دریا کا دُرِّ یتیم
حبیب خدا سید المرسلین　　شفیع الوریٰ ہادی راہ دین
محمد ہے نام اس کا احمد لقب　　جہاں ہو سکے اس کے منقبت سب[۲۲]

چوتھا اعتراض

امام شہید پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ امام موصوف کے نزدیک نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آنا بیل

[illegible] گدھے کے خیال سے بدتر ہے۔ بعض دروغ گو اسے یوں بھی ذکر کر دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آجانے سے شرک ہے نماز ہی نہیں ہوتی۔

جواب

اس بہتان عظیم کی حقیقت سے نقاب کشائی سے قبل یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ اس کی بنیاد صراط مستقیم کی ایک عبارت پر ہے اور صراط مستقیم حضرت امام صاحب کی کوئی تصنیف نہیں بلکہ وہ حضرت سید احمد شہید کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کا مقدمہ اور باب اول و چہارم امام صاحب کا ترتیب دیا ہوا ہے اور باب دوم و سوم حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے داماد [illegible] سید احمد شہید کے مرید تھے اور امام صاحب کے رفیق حضرت مولانا عبد الحی کے مرتب کردہ ہیں۔ جس عبارت پر مذکورہ بہتان کی بنیاد ہے وہ باب دوم سے تعلق رکھتی ہے لہذا اسے امام کی جانب [illegible] صراط مستقیم سے بے خبری پر محمول کرنے کو جی چاہتا ہے اور اگر یہ بے خبری نہیں تو امام صاحب کی تحقیر میں اس حد تک پہنچ جانے پر ان کی دیدہ دلیری [illegible] ہو جاتی ہے۔ واللہ المستعان علی ما تصفون۔

صراط مستقیم کے باب دوم کی فصل سوم کی دوسری ہدایت میں ان چیزوں کا ذکر ہے جو عبادت میں خلل انداز ہوتی ہیں اور [illegible] ہے۔ پہلے تو یہ بتایا گیا ہے کہ نفس اور شیطان دونوں نماز میں خلل انداز ہوتے ہیں۔ نفس تو اس طرح سے کہ سستی کرتا ہے اور [illegible] ہوتا ہے اور [illegible] حاصل کرنے [illegible] مشغول ہو جاتا ہے اور نماز پڑھنے میں قیام رکوع سجدہ [illegible] نہیں کرتا بلکہ [illegible] کا مظاہرہ کرتا ہے چنانچہ شیطان کے وسوسہ ڈالنے اور خلل اندازی کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے کہ:

و اما شیطان پس وسوسہ اندازد و [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

اور شیطان وسوسہ ڈال کر خلل اندازی کرتا ہے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] خلل اندازی کی وجہ سے بہت جلد [illegible]

و از انواع وسوسہ ایشان آنکہ از حضور حق تعالیٰ و مکالمہ و لذت مناجات رب العزت غافل سازد بایں طریق کہ شمار رکعات یا تسبیحات را بخیال باید داشت مبادا سہوے و غلطے واقع شود یا در متشابہات قرآن مجید حافظ را می اندازد کہ آن را در خیال دارد تا ازیں صیانت از غلطی باوجودیکہ آں نماز خواں یکبار و دو بار بلکہ صد بار آزمائش کردہ کہ در بقائے حضور ہم نہ تخلف در رکعت می شود و نہ در تسبیحات و نہ تشابہ در قرآن می افتد ایں مکر شیطان است و غرض ش یاد دہی رکعات و تسبیحات و متشابہات نیست بلکہ تنزیل و فرود آوردن است از مرتبہ اعلیٰ بمرتبہ ادنیٰ و تا تواند مقصود اصلی ازیں رجیم جہاں انکار و کفر است اگر بفضل تعالیٰ آں مقصود پیش نرود بہ بخشش بسیار نا چار بمقتضائے [illegible] بالکفر [illegible] آنچہ [illegible] احتیاط کار خود می سازد ایں صورت [illegible]

گر و دگر [illegible]

بر زبان تسبیح و در دل گاؤ خر
گاؤ خر تشکیل است [illegible]
حضور حق است گاؤ خر باشد [illegible] باشد
[illegible] باشد

لگ جاتا ہے اور اس کا ادنیٰ وسوسہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور اور اس کی ہم کلامی اور مناجات کی لذت سے اس طرح غافل کر دیتا ہے کہ رکعتوں یا تسبیحوں کی گنتی میں مشغول کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس گنتی کو اچھی طرح جاننا چاہیئے، ایسا نہ ہو کہ غلطی یا سہو ہو اور قرآن کے حافظ کو غلطی سے بچنے کے لیے متشابہات کے خیال میں ڈال دیتا ہے باوجودیکہ وہی نمازی ایک دو بار سو دفعہ آزما چکا ہوتا ہے کہ بقائے حضور میں نہ تو رکعتوں اور تسبیحوں کی تعداد میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے اور نہ قرآن میں تشتت پیدا ہوتا ہے، یہ شیطان کا مکر ہے اور یاد دلانا تو اس کا مقصود نہیں بلکہ نمازی کو اس کے اعلیٰ مرتبے سے ادنیٰ کی طرف گرانا مقصود ہوتا ہے یہاں تک کہ [illegible] مقصود کہا جاتا ہے اور اس مردود کا اعلیٰ مقصود یہی انکار اور کفر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس بارہ مقصود پورا نہ ہو تو [illegible]

جب [illegible] نہ ملے تو [illegible]

[illegible]

[illegible] خیال کی طرف سے جاتا ہے۔

حق کی یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے جیسے کہ برزبان تسبیح و در دل گاؤ خر یہ تو ایک مثال ہے مقصود خدا تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہو خواہ گاؤ خر ہو خواہ کوئی۔ ہاتھی ہو یا اونٹ، سب داخل طلب ہے"

ناظرین کرام مذکورہ بالا عبارت اور اس کے ماقبل و مابعد کا بغور مطالعہ کر کے انصاف سے فرمائیں کہ اس جناب عظیم کا بیان ذرہ بھر بھی مناسب ہے، جس کو یہ افترا پرداز بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں؟ بات اس کا مفہوم صرف اسی قدر ہے کہ نفس و شیطان کے وسوسوں میں مبتلا ہو جانے سے نماز میں نقص پیدا ہو جاتا ہے اور بعض بعض وساوس بعض دیگر کی نسبت زیادہ موجب قبح و نقصان ہوتے ہیں مثلاً وسوسہ زنا، بیوی سے صحبت کے خیال کی نسبت زیادہ برا ہے۔ اسی طرح گاؤ خر کے خیال کی نسبت اپنے شیخ، بزرگ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نماز میں ہمت بالقصد مصروف ہو جانا زیادہ موجب نقصانِ صلوٰۃ ہے کیوں کہ گاؤ خر کے خیال سے کراہت و نفرت پیدا ہو گی، لیکن بزرگوں کے خیال میں محویت و استغراق عظمت و تعظیم کی وجہ سے شرک تک پہنچا دیتا ہے۔

"صراط مستقیم" کی اس عبارت کی تائید میں دیگر بے شمار، ائمۂ علماء اور اولیائے کرام کے ارشادات بھی پیش کیے جا سکتے ہیں مثلاً حضرت شاہ ولی اللہ کا ارشاد ہے۔

و ادب الباطن هو ان تحفظ قلبك عن خطور الاغيار سواء كان حقيرا او خطيرا فانهما في الحجاب سواء	اور باطن کا ادب یہ ہے کہ تو اپنے دل کی اغیار کے خیالات سے حفاظت کرے خواہ وہ گھٹیا ہوں یا بڑے کیوں کہ حجاب کے اعتبار سے دونوں مساوی ہیں۔

حضرت شیخ یحییٰ فرماتے ہیں :-

اوّل معرفت اینست کہ خلق مخلوق را مقہور و عاجز و اسیر حق بیند و نسبت خواہش از ہمہ قطع کند	اوّل معرفت یہ ہے کہ مخلوق کو حق تعالیٰ کا مقہور اور عاجز و اسیر جانو اور تمام سے اپنی نسبت منقطع کر دو۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں :-

نگہبانی دل کنید و دل را متوجہ حق	اپنے دل کی نگہبانی کرو اور دل کو حق تعالیٰ کی

وارد و بہرچہ غیر از حق است او را در باطن جا ندہد[۲۵]

طرف متوجہ دیکھو اور غیر حق کو اپنے باطن میں جگہ نہ دو۔

اور تو اور خود مولوی احمد رضا نے لکھا ہے کہ:

۔ نمازی جب ادھر ادھر دیکھتا ہے تو اللہ عزوجل فرماتا ہے اے ابن آدم کس طرف التفات کرتا ہے کیا مجھ سے کوئی بہتر ہے جس کی طرف التفات کرتا ہے پھر جب دوبارہ التفات کرتا ہے تو ایسا ہی فرماتا ہے پھر جب تیسری بار التفات کرتا ہے اللہ عزوجل اپنی رحمت کو اس سے پھیر لیتا ہے۔ رواہ البزار عن جابر بن عبد اللہ[۲۶]

مولوی صاحب نے مزید لکھا ہے

۔ عزوجل کا نام سن کر جل جلالہ کہا یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک سن کر درود پڑھا یا امام کی قرأت سن کر صدق اللہ و صدق رسولہ کہا تو سب صورتوں میں نماز جاتی رہی[۲۷]

معلوم نہیں اہل بدعت کا ان علمائے کرام کے جن کے ارشادات ہم نے نقل کیے اور خود اپنے پیر و مرشد مولوی احمد رضا بریلوی کے بارے میں کیا خیال ہے؟ حیرت ہوتی ہے کہ وہ لوگ بھی حضرت امام صاحبؒ پر چراغ پا ہوتے ہیں جن کی اپنی نمازوں کا حال یہ ہے کہ:۔

۔ نماز میں اگر بلا قصد عورت کی شرمگاہ پر نظر جا پڑے جب بھی نماز و وضو میں خلل نہیں۔ ایضاً اگر عورت کو طلاق رجعی دی تھی، ہنوز عدت نہ گزری تھی یہ نماز میں تھا کہ عورت کی فرج داخل پر نظر پڑ گئی اور شہوت پیدا ہوئی رجعت ہو گئی اور نماز میں فساد نہ آیا اور اگر قصداً بھی ایسا کرے تو مکروہ ضرور ہے مگر نماز فاسد نہیں[۲۸]

غور فرمائیے ان اعلیٰ حضرت کے نزدیک نماز میں جل جلالہ یا درود شریف یا صدق اللہ و صدق رسولہ پڑھنے سے تو نماز جاتی رہتی ہے مگر نماز میں عورت کی شرمگاہ پر قصداً نظر پڑ جانے سے نماز نہ جائے گی۔ اس عقل سپاری اور تفقہ آزادی کو مفتیان بریلی و جہالین کے سوا کون سمجھ سکتا ہے؟

افسوس ہے انوار و تجلیات کی بارشیں فرمائے حضرت امام صاحبؒ کے ہم نام، فاضل جلیل عالم نبیل حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ محدث گوجرانوالہ کے مرقد پر کہ انہوں نے صراط مستقیم اور علمائے بریلی کے اس عقیدہ میں موازنہ کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا :۔

> عنوان یا تعبیر کچھ ہو بات صحیح اور درست تھی کہ مطلوب اور پسندیدہ چیز کے تصور سے طبیعت کے رجحان اور خشوع پر زیادہ اثر پڑے گا۔ گاؤ خر جیسی کمتر اور حقیر چیز کے تصور سے نماز اور خشوع پر وہ اثر نہیں پڑے گا۔ بات یہ تھی کہ آنحضرتؐ کے ساتھ محبت اور وابستگی تعلق جب توحید کی سرحدوں سے ٹکرا جائے تو اس سے بچنا بڑی دانشمندی ہے۔ نہ تو نبوت کی بلندیوں کو گاؤ خر کی حقارتوں سے ہم آہنگ ہونے دیا جائے نہ ہی نماز کے معراج اور مکالمہ الٰہیہ کے ذوق میں کسی دوسرے محبوب کو اشتراک کا موقع دیا جائے۔

مسئلہ درست تھا اگر تعبیر ناپسند تھی تو اسے بدل دیا جاتا۔ مولانا عبدالحی بڈھانویؒ کا ترجمہ وہی نہیں تھا لیکن یہاں کوئی پرانا بغض تھا جسے نکالنا ضروری سمجھا گیا سید احمدؒ کا ارشاد اور مولانا عبدالحی بڈھانویؒ کا ترجمہ دونوں حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے سر لگا دیئے گئے اور فتووں کی مشینیں ان کی نفی اور تعزیر کے انبار بالاکوٹ کے میدان میں دریائے کنہار کے کناروں پر انڈیل دیئے گئے جنہیں خون شہادت کے چند قطروں نے دریائے کنہار کی لہروں کے سپرد کر دیا اور شہید کی طہارت ان گندے اور غلیظ فتووں سے متاثر نہ ہو سکی۔

ستم ظریفی اور ہٹ دھرمی کی کوئی حد ہے کہ سید احمد شہیدؒ کے ملفوظات اور مولانا عبدالحی کا ترجمہ دونوں بیچارے شاہ اسمٰعیلؒ کے نام الاٹ کر دیئے گئے اور درس و افتا کی مسندیں شہید حق کے کیڑے نکالنے میں مشغول ہو گئیں، جو ان کے درجات کی رفعت کا موجب ہوں گے۔ انشاء اللہ

سید شہیدؒ نے نماز کی سرگوشیوں میں آنحضرتؐ کے مقام کی رفعت اور گاؤ خر کی حقارت کا تجزیہ میں اگر امتیاز فرمایا کہ نماز کی روحانی کیفیتوں کو شرک کی غلاظتوں سے پاک و صاف رکھنے کی تلقین فرمائی تو وہ کافر ہو گئے اس لیے کہ وہ آنحضرتؐ سے محبت فرماتے ہیں۔ آپؐ کی عظمت کی موشگافیوں نے حریم ناز

میں مصحف کے تقدس کو شرمگاہ کی عُریانی اور انسانی کمزوریوں کے جنسی شہوت سے قرآنِ عزیز کو شکست دے دی، آپ کا ایمان سلامت رہا۔ اور آپ بالکل تازے اہلِ سنت وجماعت ہو گئے اور شہدائے بالاکوٹ شہادت اور قربانی کے باوجود کافر ہی رہے ؎

من کان ھذا القدر مبلغ علمہ
فلیستتر بالصمت و الکتمان[29]

پانچواں اعتراض

دشمنانِ توحید وسنت کا حضرت امام صاحبؒ پر ایک بہتان مسئلہ حیاتُ النبیؐ کے سلسلہ میں بھی ہے چنانچہ مولوی نعیم مراد آبادی نے لکھا ہے کہ :-

"تقویۃ الایمان" والا مسلمانوں کے قلوب سے حضور کی عظمت کم کرنے کے لیے اور زیادہ گستاخی کرتا ہے دیکھیئے "تقویۃ الایمان" صـ۹۹ میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں۔ یہ بے باکانہ گستاخی اور حضور پر افترا ہے حاشا وکلا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز یہ نہیں فرمایا یہ حضور پر بہتان ہے۔ حضور فرماتے ہیں جس نے مجھ پر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے۔ ابن ماجہ نے حضرت ابو درداءؓ سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اللّٰہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبیُّ اللّٰہ حی یرزق[30]...... الخ

جواب

مولوی مراد آبادی کی اس مندرجہ بالا عبارت میں حضرت امام صاحبؒ نور اللہ مرقدہٗ و برد مضجعہٗ پر پہلا بہتان تو یہ ہے کہ معاذ اللہ آپ مسلمانوں کے قلوب سے حضور کی عظمت کم کرنا چاہتے ہیں۔ ناظرین کرام کو یاد ہوگا کہ ہم تیسرے اعتراض کے جواب کے آخر میں امام صاحبؒ کی مثنوی "سلکِ نور" سے چند اشعار اور "تقویۃ الایمان" سے دو اقتباس نقل کر آئے ہیں جو آپ کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت و عقیدت پر شاہد عدل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ غور فرمایئے جس نے اپنی کتاب کے ابتدا اور انتہا

میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے کے ساتھ ساتھ سرورِ دنیا و دیں، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کے دامن کو مضبوطی سے تھامے۔ کیا ہوا اس پر یہ الزام کس قدر بے بنیاد اور گھٹیا ہے۔ "تقویۃ الایمان" کے ابتدا میں آپ فرماتے ہیں :-

"الٰہی ہزار ہزار شکر تیری ذات پاک کو کہ ہم کو تو نے ہزاروں نعمتیں دیں اپنا سچا دین بتایا اور سیدھی راہ چلایا اور اصل توحید سکھائی اور اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بنایا اور ان کی راہ سیکھنے کا شوق دیا اور ان کے نائبوں کا کہ جو ان کی راہ بتاتے ہیں اور ان کے طریقے پر چلاتے ہیں سے محبت دی سو اے پروردگار ہمارے: تو اپنے حبیب پر ان کے آل و اصحاب پر اور ان کے سب نائبوں پر ہزار ہزار درود اور سلام بھیج اور ان کی پیروی کرنے والوں پر رحمت کر اور ہم کو ان میں شریک کر اور ہم کو انہی کی راہ پر جیتے اور مرتے قائم رکھ اور انہیں کے تابعوں میں گن رکھ۔ آمین یا رب العالمین"

"تقویۃ الایمان" کا اختتام ان الفاظ پر ہے۔

"سو اے مالک ہمارے: تیرے پیغمبر جیسے کریم پر ہزار ہزار درود و سلام بھیج انہوں نے جیسا ہم بروں کو دین کے سکھانے میں حد سے زیادہ کوشش کی سو تو بھی اس کوشش کی قدر دانی کر۔ ہم تو ایک عاجز بندے ہیں محض بے مقدور، سو جیسا تو نے اپنے فضل سے ہم کو شرک و توحید کے معنی خوب سمجھا کے لا الٰہ الا اللہ کا مضمون خوب تعلیم کیا اور مشرکوں میں سے نکال کر موحد پکا مسلمان بنایا۔ اسی طرح اپنے فضل سے بدعت و سنت کے معنی خوب سمجھا۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مضمون خوب تعلیم کر اور بدعتی عقیدوں میں سے نکال کر سنی پاک۔ متبع سنت سچا کر"

مرادآبادی صاحب کا دوسرا بہتان حیات النبی ؐ کے سلسلہ میں ہے اس بہتان کی بنیاد بھی "تقویۃ الایمان" کی وہ عبارت ہے جو آپ نے پانچویں فصل میں قیس بن سعد کی اس حدیث کی تشریح میں لکھی ہے، جو مشکوٰۃ کے باب عشرۃ النساء کے حوالہ سے درج فرمائی ہے، وہ حدیث آپ کے ترجمہ و تشریح کے ساتھ ذیل میں درج کی جاتی ہے تاکہ قارئین کرام افترا پردازوں کے ظلم اور ناخداترسی کا خود ہی اندازہ لگالیں۔

"عن قیس بن سعد قال اتیت الحیرۃ فرأیتھم لیسجدون لمرزبان لھم فقلت لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم احق ان لیسجد لہ فاتیت رَسُول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وَسلّمُ فقلت انی اتیت الحیرۃ فرایتھم لیسجدون لمرزبان لھم فانت احق ان نسجد لکَ فقَالَ لِیُ اَرَاَیت لومررت بقبری اَکُنْتَ تسجدلہٗ فقلت لا فقال لَا تَفْعَلُوا۔"

قیس بن سعدؓ نے نقل کیا کہ۔ گیا میں ایک شہر میں جس کا نام حیرہ ہے سو دیکھا میں نے وہاں کے لوگوں کو کہ سجدہ کرتے تھے اپنے راجہ کو سو کہا میں نے البتہ پیغمبرِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم زیادہ لائق ہیں کہ سجدہ کیجئے ان کو پھر آیا میں پیغمبرِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس پھر کہا میں نے کہ گیا تھا میں حیرہ کو سو دیکھا میں نے ان لوگوں کو کہ سجدہ کرتے تھے اپنے راجہ کو سو بہت لائق ہو کہ سجدہ کریں ہم آپ کو تو فرمایا مجھ کو نہ بھلا خیال تو کر جو تو گزرے میری قبر پہ کیا سجدہ کرے تو اس کو۔ میں نے کہا "نہیں" فرمایا تو مت کرو۔

●

یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں تو کب سجدہ کے لائق ہوں! سجدہ تو اسی ذات پاک کو ہے کہ نہ مرے کبھی[۲۳]

سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت قیس بن سعدؓ کے سوال کے جواب میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جو یہ استفسار فرمایا " کیا تم میری قبر کو بھی سجدہ کرو گے" ؟ اس سے آپ کا مقصود کیا تھا۔ شارحین نے فرمایا ہے کہ اس سے شانِ ربوبیت کی عظمت اور شانِ عبودیت کی ذلّت کی طرف اشارہ تھا۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ "آپؐ کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ مجھے سجدہ کرنے کا جو

خیال تمہارے دل میں پیدا ہوا یہ اس وقت کی میری ہیبت اور جلالت کی وجہ سے ہے جب کہ میں تمہارے سامنے اپنی موجودہ حیثیت کے ساتھ موجود ہوں لیکن کل جب مجھ پر موت وارد ہو جائے گی اور مجھے قبر میں دفن کر دیا جائے گا تو خود تم بھی مجھے سجدہ کرنے کا ارادہ نہ کرو گے اور میری قبر کو سجدہ کے قابل نہ سمجھو گے" اسی مفہوم کو امام صاحبؒ نے اپنے ان سادہ الفاظ میں بیان فرمایا کہ "یعنی میں بھی مر کر ایک دن مٹی میں ملنے والا ہوں تو کب سجدہ کے لائق ہوں، سجدہ تو اسی ذات پاک کو ہے کہ نہ مرے" ۔ بس یہی وہ فقرہ تھا جسے خوفِ خدا ملحوظ نہ رکھنے والے مفتریوں نے سامنے رکھ کر امام شہیدؒ کے خلاف کفر کی مشین تان دی اور "مٹی میں ملنے والا ہوں" کے الفاظ کو تو ان ناخدا ترسوں نے گستاخی پر محمول کرتے ہوئے بہت ہی اچھالا حالانکہ ان جاہلوں کو اتنا علم بھی نہیں کہ "مٹی میں ملانا" قدیم اُردو زبان کا ایک محاورہ ہے جس کے معنی دفن کرنا بھی ہیں چنانچہ فرہنگ آصفیہ میں نسیم دہلوی کا یہ شعر بھی بطورِ استشہاد لکھا گیا ہے ؎

نسیمِ اعدا سے شکوہ کیا پس از مرگ
ہمیں یاروں نے مٹی میں ملایا !

لہٰذا اس جملہ کی بناء پر امام صاحبؒ پر یہ بہتان کہ آپ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے جسدِ انور کے مٹی میں مل کر مٹی ہو جانے کے قائل ہیں بے بنیاد ہے باقی رہا آپ کا "مرنے" کے الفاظ کو استعمال کرنا تو یہ بھی غلط نہیں کیوں کہ اس بات پر جملہ اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ ان کے محبوب پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلّم نے عمر شریف کی تریسٹھ بہاریں دیکھیں، بعثت کے بعد تیرہ سال مکّہ معظمہ اور دس سال مدینہ طیبہ میں گزارے اور بالآخر ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ (۶۳۲ء) میں آپ کا روحِ مبارک قفسِ عنصری سے پرواز کر کے اپنے اللہ کے حضور جا پہنچا۔ قرآن مجید میں بھی اس طرف اشارہ کیا جا چکا تھا۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝۳۰

(اے ہمارے پیغمبر!) آپ بھی ضرور مرنے والے ہیں اور (بالیقین آپ کے دشمن) وہ بھی مرنے والے ہیں۔

●

اگر آپؐ کا وصال ہی نہیں ہوا تھا اور آپؐ پر موت نے طاری ہی نہیں ہونا تھا تو آپ کے مرض ۔ وہ جسے مرض الموت یا آخری مرض سے تعبیر کیا جاتا ہے ـــــ میں بار بار لآ الٰہ الا اللہ ان

للموت سکرات“ فرمانے کا کیا مقصد ؟ آپ کے وصال کے بعد حضرت صدیق اکبر رض کا پیشانی مبارک پر بوسہ دیتے وقت یہ فرمانے کا کیا مطلب ؟

”بأبی انت و امی لا یجمع اللّٰہ علیك موتتین اما الموتۃ التی کتبت علیك فقد متّہا[٣٦] “	میرے ماں باپ آپ پر قربان ! اللہ تعالےٰ آپ پر دو موتوں کو جمع نہیں فرمائیں گے اللہ نے آپ کے لیے جو طبعی موت مقدر کی تھی وہ وارد ہو چکی اور آپ وفات پا چکے ۔

اور پھر صدیقِ اکبر رض نے مسجدِ نبوی میں تشریف لا کر حضرات صحابہ کرام رض کے سامنے جو درجِ ذیل خطبہ ارشاد فرمایا، اس سے کیا مراد تھی ۔

”من کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات و من کان یعبد اللّٰہ فان اللّٰہ حی لا یمُوت	جو کوئی محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی عبادت کیا کرتا تھا اس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ وفات پا گئے اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے (اسے اطمینان رکھنا چاہیئے) کہ اللہ ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اسے کبھی موت نہیں آئے گی ۔

امام صاحب رح کو گستاخی کا طعنہ دینے والے مفتیانِ کرام حضرت صدّیقِ اکبر رض کے اس ارشاد کے بارے کیا فرماتے ہیں ؟ اس خُطبہ کی سماعت کے بعد صحابہ کرام رض کے سکوت، حضرت عمر رض کے رجوعؑ اور امہات المومنین کے سوگ کا معلوم نہیں آپ کیا مفہوم سمجھتے ہیں ؟ ذرا عقل کے ناخن لیں اگر آپؐ نے وفات نہیں پائی اور بقیدِ حیات ہیں تو کیا وجہ ہے کہ آپ مسجد کے ایک خادم کی وفات پر تو بے قرار ہوں اور قبر پہ نمازِ جنازہ بھی ادا فرمائیں لیکن حضرت ذو النورین عثمان غنی رض اور حضرت علی رض کی شہادت کے اندوہناک سانحوں پر تعزیت کے لیے بھی تشریف نہ لائیں ؟ تعجب ہے کہ آپ کو روحانی اور جسمانی لحاظ سے حقیقی زندگی اور ابدی حیات نصیب ہو[٣٧] اور آپ امام حسین رض کی شہادت، مختار ثقفی کی عیاریوں، حرہ کے فتنہ، حجاج بن یوسف کے مظالم، سقوطِ بغداد اور مسلیمہ کذاب و اسود و مرزا غلام احمد قادیانی ایسے دجالوں کی ردائے نبوت چھیننے کی ناپاک کوششوں ایسے حادثات میں کہیں بھی مداخلت کی ضرورت محسوس نہ فرمائیں ؟ معلوم نہیں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے تذکرہ سے دیوبند سے بریلی تک ارتعاش کی کیفیت

کیوں طاری ہو جاتی ہے جب کہ کتبِ احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات، موت تجہیز و تکفین وغیرہ کے ابواب تک موجود ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک اور روحِ اطہر کا ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ سے دنیوی پیوند ٹوٹ چکا ہے اور یہی موت وصال یا وفات ہے جو برزخی زندگی کے منافی نہیں بلکہ اس منزل تک پہنچنے کا واحد وسیلہ ہے وللتفصیل موضع آخر۔

www.KitaboSunnat.com

چوتھا اعتراض

حضرت امام صاحبؒ پہ ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ آپ معاذ اللہ شفاعت کے منکر ہیں چنانچہ مولوی نعیم الدین مراد آبادی نے لکھا ہے کہ :۔

> "تقویۃ الایمان" والے نے انکارِ شفاعت میں بڑا ہی غضب ڈھایا آیتوں اور حدیثوں کے معنی میں تحریفیں کیں۔ کفار اور بتوں کے حق میں جو آیات نازل ہیں اُن کو مقربانِ بارگاہِ حق پر چسپاں کیا[۳۸]

اسی طرح انہوں نے "اطیب البیان" کے کئی صفحات 'خوفِ خدا کو بالکل بالائے طاق رکھتے ہوئے اس بہتان کو بڑی شدومد سے لکھنے کے لیے سیاہ کر دیئے ہیں[۳۹]

جواب

ناظرینِ کرام! اس بہتان کی حقیقت کے لیے "تقویۃ الایمان" کے پانچویں باب "اشراک فی التصرف" کا مطالعہ فرمائیں۔ اس فصل میں آپ نے مسئلہ شفاعت کو بیان فرماتے ہوئے سورۂ سبا کی آیت "وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ" کی تشریح و تفسیر میں فرمایا ہے کہ :۔

> "اکثر لوگ اولیاء انبیاء کی شفاعت پر بھول رہے ہیں اور اس کے معنی غلط سمجھ کر اللہ کو بھول گئے ہیں سو شفاعت کی حقیقت سمجھ لینا چاہیے۔
>
> سنا چاہیئے شفاعت کہتے ہیں سفارش کو اور دنیا میں سفارش کئی طرح کی ہوتی ہے۔ جیسے ظاہر کے بادشاہ کے ہاں کسی شخص کی چوری ثابت ہو جائے اور کوئی امیر و وزیر اس کو اپنی سفارش سے بچا لیوے

تو ایک تو یہ صورت ہے کہ بادشاہ کا جی تو اس چور کے پکڑنے ہی کو چاہتا ہے اور اس کے آئین کے موافق اس کو سزا پہنچتی ہے مگر اس امیر سے دب کر اس کی سفارش مان لیتا ہے اور اس چور کی تقصیر معاف کر دیتا ہے کیوں کہ وہ امیر اس سلطنت کا بڑا رکن ہے اور اس کی بادشاہت کو بڑی رونق دے رہا ہے سو بادشاہ یہ سمجھ رہا ہے کہ ایک جگہ اپنے غصہ کو تھام لینا اور ایک چور سے درگزر کر جانا بہتر ہے اس سے کہ اتنے بڑے امیر کو ناخوش کر دیجئے کہ بڑے بڑے کام خراب ہو جاویں اور سلطنت کی رونق گھٹ جاوے اس کو "شفاعتِ وجاہت" کہتے ہیں یعنی اس امیر کی وجاہت کے سبب اس کی سفارش قبول کی۔

سو اس قسم کی سفارش اللہ کی جناب میں ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتی جو کوئی نبی اور ولی کو یا امام اور شہید کو یا کسی فرشتہ کو یا کسی پیر کو اللہ کی جناب میں اس قسم کا شفیع سمجھے، سو وہ اصلی مشرک ہے اور بڑا جاہل کہ اس نے خدا کے معنی کچھ نہیں سمجھے اور اس مالک الملک کی قدر کچھ بھی نہ پہچانی

قارئینِ کرام! اس مذکورہ بالا عبارت کا بغور مطالعہ فرمائیں جس پر افتراء پردازوں نے اپنے اس بہتان کی بنیاد رکھی ہے اور پھر خدارا انصاف سے کہیں کہ اس عبارت کے کسی جزء سے بھی اختلاف کی گنجائش ہے؟ کیا یہ مفہوم قرآنِ مجید کی درجِ ذیل آیات سے ماخوذ نہیں؟

(۱) وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	یہ لوگ اللہ کے سوا ان کی پرستش کر
مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ	رہے ہیں جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں
وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا	نہ نفع، اور کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں
عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ	ہمارے سفارشی ہیں۔ اے محمدؐ، ان سے کہو
بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ	کیا تم اللہ کو اس بات کی خبر دیتے ہو جسے وہ

وَلَا فِي الْاَرْضِ ط سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ[۴۱]	نہ آسمانوں میں جانتا ہے نہ زمین میں ؟ پاک ہے وہ اور بالا و برتر ہے ، اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں ۔

●

غور فرمایئے اس آیت شریفہ میں سفارشیوں کے معدوم کرنے کے لیے کس قدر لطیف اندازِ بیان کو اختیار کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو جانتا نہیں کہ زمین یا آسمان میں کوئی اس کی جناب میں تمہارا سفارشی ہے ، پھر یہ تم کن سفارشیوں کی اس کو خبر دے رہے ہو ؟ دوسری بات اس آیت مبارکہ سے یہ ظاہر ہوتی ہے کہ بُت پرست اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بالاستقلال بتوں کو معبود نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کی بُت پرستی کا منشا اولیاء و انبیاء کی تعظیم تھی انہوں نے اپنے بتوں کو انہی کی صورت پہ تراشا اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا سفارشی سمجھ کر اپنا سرِ نیاز ان کے سامنے خم کرتے تھے چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں امام رازیؒ نے بھی لکھا ہے کہ :-

> "بُت پرستوں نے اصنام و اوثان اپنے انبیاء و اکابر کی صورتوں پر تراشے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ جب ہم ان کی عبادت میں مشغول ہوں گے تو یہ اکابر اللہ کے پاس ہماری شفاعت کریں گے اس کی مثال اس زمانے میں اکثر لوگوں کی اپنے بزرگوں کی قبروں سے مشغولیت ہے ، اس اعتقاد سے کہ اگر ہم ان قبروں کی تعظیم کریں گے تو یہ اللہ کے نزدیک ہمارے شفیع ہوں گے[۴۲]"

(۲) مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ[۴۳]	کون ہے جو اس کے پاس اس کے حکم کے بغیر سفارش کر سکے ۔
(۳) مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْ م بَعْدِ اِذْنِهٖ[۴۴] ط	کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے اِلّا یہ کہ اس کی اجازت کے بعد شفاعت کرے ۔
(۴) لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ[۴۵]	اس روز کسی کی سفارش فائدہ نہ دے گی ۔ مگر اس شخص کی جسے خدا اجازت دے ۔

یہ اور ان جیسی دیگر بے شمار آیات اور احادیث کے مطالعہ سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے امام صاحبؒ نے اسے نہایت سلیقہ سے اپنے مخصوص طرز میں بیان فرما دیا ہے چنانچہ آپ نے شفاعت کی تین قسمیں بیان کی ہیں (۱) شفاعتِ وجاہت (۲) شفاعتِ محبّت (۳) شفاعت بالاذن۔ ان میں سے آپ پہلی دو قسموں کے نہیں لیکن تیسری قسم کے قائل ہیں کیوں کہ کتاب وسنّت کا مفاد یہی ہے چنانچہ آپ مؤخر الذکر قسم کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں

> "اللہ کی جناب میں اسی قسم کی شفاعت ہو سکتی ہے اور جس نبی و ولی کی شفاعت کا قرآن وحدیث میں مذکور ہے سو اس کے معنی یہی ہیں"[۴۶]

امام صاحبؒ تو شفاعت پر ایمان رکھتے ہیں لیکن حقیقت میں آپ پر انکارِ شفاعت کا بہتان لگانے والوں کا ہی شفاعت پر ایمان نہیں۔ اس کے لیے درجِ ذیل دو حوالے ملاحظہ فرمائیے۔ مولوی احمد رضا خاں لکھتے ہیں :-

> "حضورؐ ہر قسم کی حاجت روا فرما سکتے ہیں، دنیا و آخرت کی سب مرادیں حضورؐ کے اختیار میں ہیں"

مولوی احمد رضا کے شاگرد مولوی امجد علی لکھتے ہیں :-

> "حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اللہ عزوجل کے نائبِ مطلق تمام جہان حضورؐ کے تحت تصرّف کر دیا گیا ہے جو چاہیں کریں، جسے جو چاہیں دیں، جس سے جو چاہیں واپس لیں .... تمام آدمیوں کے مالک ہیں ...... تمام زمین ان کی مِلک ہے تمام جنّت ان کی جاگیر ہے، ملکوت السماء والارض حضورؐ کے زیرِ کمان ہے، جنّت اور نار کی کنجیاں دستِ اقدس میں دے دی گئی ہیں"[۴۷]

جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے انہیں آپؐ کی شفاعت کی کیا ضرورت ہے؟ اور پھر آپ نے ان لوگوں کو جھوم جھوم کر اس قسم کے شرکیہ اشعار پڑھتے ہوئے بھی سنا ہو گا :-

ع اللہ کے پلّے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ مجھے لینا ہے لے لوں گا محمدؐ سے

ع وہ جو کہ مستوئ عرش ہے خدا ہو کر
اُتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفےٰ ہو کر

اور یہ لوگ جو کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مالک کون و مکان ہونے اور
ع احد ہیں اور احمدؐ میں فقط ہے "میم" کا پردہ
قسم کے عقائد پہ ایمان رکھتے ہیں یہ درحقیقت سرورِ دنیا و دیں، رحمۃ للعالمین، شافع روزِ محشر صلّی اللہ علیہ وسلّم کے منصبِ شفاعت کا منہ چڑاتے ہیں آہ
ع وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

ساتواں اعتراض

حضرت امام صاحبؒ پر خدا اور اس کے دشمنوں نے ایک بہتان یہ بھی لگایا کہ آپ شیخ محمد بن عبدالوہابؒ[48] کی طرف منسوب اور ان کے طریقہ کے پیروکار ہیں اسی وجہ سے یہ مفتری آپ اور آپ کے متبعین کو وہابی کہتے ہیں۔

جواب

امام صاحبؒ اور آپ کی تحریک کو بدنام کرنے کے لیے سب سے پہلے مسلمانوں کے ازلی و ابدی دشمن انگریزوں نے یہ بہتان لگایا تھا چنانچہ انگریز مصنف غلبی نے لکھا ہے کہ :۔

"یہی زمانہ تھا جب کہ ایک شخص سید احمد بریلوی مکّہ کے سفر سے ہندوستان کو وہ بیج لے گیا جس نے ۱۸۳۱ء میں ان کی شہادت کے بعد وہابیوں کو کوہِ سیاہ کا ردِّعمل بخشا اور اطراف تک اس کی گونج یا جھلکا پہنچا دیا۔"[49]

ہنٹر نے بھی لکھا ہے کہ :۔

"سید احمدؒ کے قیامِ مکّہ کے دوران میں وہاں کے حکام کی توجّہ ان کی تعلیمات اور ان بدو قبائلیوں کے خیالات کی طرف منعطف ہوئی جن کے

> ہاتھوں کے مقدس مشن سے ذات سے صاحب اٹھائے تھے علانیہ طور پر ان کی تحقیر کی گئی اور شعیں جلا دیئے گئے اس جبر و تعدی کا نتیجہ یہ ہوا کہ دو ہندوستانی تو ایک مذہبی خواب ہیں اور مبشرانہ ہم اعلیوں نے مصلح کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ محمد بن عبدالوہاب کے معتقد و مرید کی حیثیت سے تھے۔

ان انگریزوں کی تقلید میں بدایوں و بریلی کے مفتیوں نے بعض ایسی باتوں کو بڑھا چڑھا کر انھیں بیان کرنا شروع کر دیا کیونکہ ان کی ملازمت، وظیفہ خوری اور خوشامدوں کا حق تو ادا کرنا ہی تھا ورنہ جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں تحریکوں کا اصل ماخذ کتاب و سنت اگرچہ ایک ہے لیکن طریق کار اور اصول و صورت میں نمایاں فرق ہے اور اصول مماثلت کے باوصف یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ہندوستان کی اس تحریک کو نجدیوں سے جا ملایا جائے دین پر امام محمد بن عبدالوہاب کی تحریک کا قطعاً اثر نہیں پڑا۔ ڈاکٹر قیام الدین احمد ان دونوں تحریکوں کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> حقیقت یہ ہے کہ چونکہ دونوں تحریکوں کا مخرج و مبدأ ایک ہی ہے قرآن و حدیث۔ دونوں کے درمیان کچھ مماثلتیں ضرور ہیں ان دونوں تحریکوں کے ظہور کے وقت دونوں ملکوں میں ایک قسم کے حالات و کوائف درپیش تھے اور دونوں اسلام کے اصل اصول کو دوبارہ رائج و شائع کرنے کی ضرورت پر مصر تھے جن میں بنیادی چیز توحید اور ترک بدعات پر زور دینا تھا۔ محمد بن عبدالوہاب کی کتاب التوحید اور شاہ اسمٰعیلؒ کی تقویۃ الایمان ان بنیادی امور پر زور دینے میں متفق الخیال ہیں:

مگر ساتھ ہی ان دونوں کے درمیان کچھ اہم نقاط اختلاف بھی موجود ہیں۔ ان میں سے ایک نمایاں طور پر ہندوستانی تحریک کا سیاسی پہلو ہے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ملک کی سیاسی آزادی کے لیے جد و جہد پر زیادہ زور تھا۔ عرب میں دوسری صورت حال کی بنا پر یہ پہلو

موجود نہ تھا۔ عرب میں سیاسی استقرار ختم نہیں ہوا تھا اس لیے عرب سے وہابی تحریک وہ تر صحافتی و غیر اطلاعات کے ذریعہ پہنچ کر ابھرتے

مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ اور آپ کے ہم مسلک فقہی مسائل کو کتاب و سنت کی میزان میں رکھتے ہیں اگر کتاب و سنت سے زیر بحث مسائل کے متعلق نصوص نہ مل سکیں تو پھر وہ ان کے متعلق فقہائے کرامؒ کے اقوال و آراء کو کتاب و سنت کی روشنی میں جانچتے ہیں جو موافق ہوں انہیں تسلیم اور جو مخالف ہوں انہیں ناقابل تسلیم قرار دیتے ہیں اور ان مسائل میں وہ کسی شخصیت کی تقلید نہیں کرتے لیکن اس کے برعکس شیخ الاسلام امام محمد بن عبد الوہابؒ فروعی مسائل میں امام اہل سنت حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک پر عمل کرتے تھے۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے دونوں تحریکوں کا تقابل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

> مولانا شہیدؒ نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں توسل فی الدعا کو جائز اور شرک اصغر کے موجب کو بالفرض مانتے ہوئے غیر مغفور قرار دیا ہے یہ وہ اساسی مسئلے ہیں جو محمد بن عبد الوہابؒ کی کتاب التوحید کے منافی ہیں

آخر میں حضرت امام نواب والا جاہ سید صدیق حسنؒ کے یہ الفاظ بھی ملاحظہ فرما لیجئے کہ :-

"...... ولكن اعداء الله و رسوله تعصبوا في شأنه و شأن اتباعه و اقرانه حتى نسبوا الطريقة هذه الى الشيخ محمد النجدي ولقبوهم بالوهابية وان كان لا يقلدهم ولا يعتقد انهم لا يعرفون شيئا ولا صاحبه"

لیکن خدا اور اس کے رسولؐ کے دشمنوں نے آپ (امام محمد اسماعیل شہیدؒ) کے معاملہ میں بے جا تعصب سے کام لیا ہے اور آپ اور آپ کے ساتھیوں اور پیروؤں سے ناروا طور پر دشمنی کی چنانچہ ان کے طریقہ کو شیخ محمد بن عبد الوہابؒ کی طرف منسوب کر دیا اور انہیں وہابی کہنے لگے۔ حالانکہ یہ بزرگ نہ ان کی تقلید کرتے تھے اور نہ آپ ان کے صحبت یافتہ ہوئے۔

واضح ہے کہ ان سطور کے مطالعہ کے بعد یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح واضح ہو چکی ہوگی کہ افترا پردازوں کا حضرت امام صاحبؒ کو شیخ الاسلام امام محمد بن عبدالوہابؒ کا متبع و مقلد بتانا بجز سبحانک ھذا بہتان عظیم ہے۔

آٹھواں اعتراض

مخالفین اہلسنت آپ پر وہابی گیری کی تہمت بھی لگایا کرتے ہیں چنانچہ مولوی نعیم مرادآبادی نے لکھا ہے کہ:

> شاہ ولی اللہ کے خاندان کا ہندوستان کے طول و عرض میں کافی شہرہ تھا بکثرت مسلمان اس خاندان کے ارادت مند معتقد تھے جس کو دیکھ کر مولوی اسمٰعیل صاحب کو خیال پیدا ہوا کہ عبدالوہاب نجدی کی پالیسی پر عمل کرکے وہ اپنے معتقدین کا ایک عظیم لشکر تیار کرسکتے ہیں جس سے ہندوستان کے تاج و تخت پر ان کو قبضہ مل سکےگا

جواب

اس بہتان تراشی اور تہمت کی حقیقت بھی اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس سے مرادآبادی صاحب نے اپنے نامۂ اعمال کی سیاہی میں کچھ اور اضافہ کرلیا ہے:

ڈر ہے جب محشر میں ان سے کام آ پڑ جائے گا تو کیا
یوں نہ کہئے کہ ہمیں خوف ہے سیداں کچھ نہیں!

در حقیقت یہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند کی عظیم الشان تحریک تجدید و احیائے دین سے جسے تحریک ولی اللہی اور وہابیت سے یاد کیا جاتا ہے اس تحریک کے بانیوں کا مقصد نہ کوئی ملک گیری تھا۔ نہ حکومت و سلطنت کی طلب تھی اور نہ جاہ و حشمت کی خواہش تھی بلکہ انہوں نے جو دعوت اصلاح و تجدید کا بیڑا اٹھایا، اخلاص و رضائے رب سے پیدا ہوئے اور زندگی کے بہترین حصے اس راہ میں جو مشقت برداشت کرتے ہوئے گزرے اس سب سے ان کا مقصد محض اللہ کی رضا، اس کے کلمہ کی سربلندی اور سنن سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا احیاء تھا۔ چنانچہ اس تحریک کے حضرت سید احمد شہیدؒ جیسے

مقام پر فرماتے ہیں:۔

"سو زبان سے خدائے تعالیٰ کا شکر بجا لاتا ہوں کہ مالکِ حقیقی کی اطاعت میں مشغول ہوں اور صرف اسی کی رضا مطلوب ہے۔ خُدا کے سوا ہر چیز کی طرف سے آنکھیں اور کان بند کر لیے ہیں دنیا و مافیہا سے ہاتھ اٹھا لیا ہے اور محض لوجہ اللہ علمِ جہاد بلند کیا ہے مال و منال، جاہ و جلال، امارت و ریاست اور حکومت و سلطنت کی طلب سے کاملاً الگ ہو چکا ہوں۔ خدا کے سوا کسی کی جستجو نہیں رہی۔"[۵۵]

حضرت امام صاحبؒ نے نواب وزیر الدولہ رئیس ٹونک کے نام ایک مکتوب میں فرمایا:۔

تمام عمر خود را بلکہ ہر ساعتے از ساعات روز و شب را در سعی اقامتِ جہاد صرف نمایند و جمیع اوقات عزیزہ را بہمیں مساعیٔ جمیلہ معمور دارند و صرف عمر گراں مایہ در ہمیں شغل عین سعادتِ عظمیٰ شمارند خواہ سعی مذکور بانجام رسد یا نرسد چہ مقصود صرف عمر خود است در اطاعتِ رب العالمین و اتباعِ سید المرسلینؐ"[۵۶] الخ

تمام عمر خود کو بلکہ ہر لحظہ و لمحہ، رات دن قیامِ جہاد کی کوشش فرمائیں اور اپنے تمام عزیز و آقارب کو اسی نیک جد و جہد میں صرف کریں اور اپنی قیمتی عمر کو اس شغل میں بسر کرنے کو سب سے بڑی سعادت شمار فرمائیں خواہ سعی مذکور انجام کو پہنچے یا نہ پہنچے کیوں کہ اپنی عمر گزارنے کا مقصد پروردگارِ عالم کی اطاعت اور سید المرسلینؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی متابعت ہے

اسی طرح آپ ایک طویل مکتوب میں میر شاہ علی صاحب کو لکھتے ہیں:۔

سُبحان اللہ حقِ اسلام ہمیں است کہ بیخ رکنِ اعظم او را برکشند و کسیکہ باوجود ضعف و ناتوانی غیرتِ ایمانی و حمیتِ اسلامی در سینۂ او جوش زند او را ملام و مطعون سازند بے شک آں قوم از جملہ مجوس یا سکھ یا ہنود اند کہ با ملتِ محمدیہ عداوت میدارند

سبحان اللہ! کیا اسلام کا حق یہی ہے کہ اس رکنِ اعظم جہاد کو جڑ پیڑ سے اکھاڑ پھینکیں اور جس شخص کے دل میں باوجود ضعف و ناتوانی کے غیرتِ ایمانی اور حمیتِ اسلامی موجزن ہو اس کو لعنت و ملامت اور مطعون کریں بیشک ایسی قوم تو آتش پرستوں، سکھوں اور اہلِ ہنود

وماذا بعد الحق الا الضلال ویا کہ مقتضائے محمدیہ ہمیں بود کہ اگر کسے کہ بطور لہو بازی ذکر جہاد بزبان میرانند قلوب مسلمین از استماع آن بسان گل شگفتہ می گردید بسانِ سنبل سرسبز می شد اگر از بلاد دور است ہم آوازہ قیام جہاد بگوش ہوش اہلِ غیرت اسلامی فی الفور دیوانہ وار در دشت وکہسار میدوید بلکہ مثلِ شہباز پریدہ آیا امر جہاد باوجود این عظیم شان از پایۂ تعلیم و تعلّم مثلِ کتاب الحیض و النفاس ہم ساقط گردیدہ[۱۷۵] الخ

یں سے ہے جو ملّتِ محمدی سے دشمنی رکھتی ہے بفحوائے "وماذا بعد الحق الا الضلال" طریقۂ محمدی کا تقاضا تو یہی تھا کہ اگر کوئی شخص جہاد کا ذکر کھیل کود کے طریقہ پر بھی زبان پر لائے تو مسلمانوں کے دل اسے سُن کر مسرت سے پھول کی طرح کھل جائیں اور سُنبل کی طرح شاداب ہو جائیں اگر دور دراز شہروں سے بھی جہاد کے قیام کا نعرہ اس کے غیرتِ اسلامی کے کان تک پہنچتا ہے تو فوراً ہی دیوانہ وار جنگل اور پہاڑوں میں دوڑتا پھرتا ہے بلکہ شہباز کی طرح اڑتا ہے تو کیا جہاد کا حکم باوجود عظمتِ شان کے حیض و نفاس کی تعلیم و تعلّم سے بھی گری پڑی چیز ہے۔

اسی طرح حضرت امام صاحبؒ اور حضرت سیّد صاحبؒ کے بے شمار مکتوبات اور ارشادات سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کے ان جانباز سپہ سالاروں کا مقصدِ وحید جہاد فی سبیل اللہ، رضائے الٰہی کا حصول اور نصرت و حمیتِ دین تھا۔ ہوسِ ملک گیری ان پاکبازوں پر محض تہمت، افتراء اور بہتان ہے اس کی تو پرچھائیں تک بھی ان کے قلبِ صافی پر نہ پڑی تھی۔

ان سطور میں افترا پردازوں کے چند بڑے بڑے اعتراضات کے جواب دیئے گئے ہیں ورنہ ان کے دیگر چھوٹے چھوٹے فضول افترآت کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے ان میں سے اکثر اس قدر بے معنی ہیں کہ ان کے جواب کی ضرورت نہیں تاہم علماءِ اہلِ حدیث نے ان کے جملہ اعتراضات کے نہایت مدلّل و مفصّل اور مسکت جواب

دیکھئے۔ اس موضوع پر حضرت مولانا حافظ عزیز الدین صاحبؒ مراد آبادی کی مختصر تحریر اور ان کی بلند پایہ تصنیف لطیف۔ اکمل البیان فی تائید تقویۃ الایمان۔ قابل مطالعہ رسالہ اور کتاب ہیں۔ جزاہ اللہ عنا وعن المسلمین خیر الجزاء۔

باب ۷

سیرت کی چند جھلکیاں

حضرت امام محمد اسمٰعیل شہیدؒ کے علم وفضل، زہد وتقویٰ، حُبِّ اسلام، حمیتِ دین، شجاعت وبسالت، ایثار وفداکاری، بےغرضی وبےنفسی، عقائد ونظریات، تحریکِ تجدید واحیائے دین، کارنامہ ہائے جہاد اور سیرت وکردار سے متعلق دیگر اُمور بیان کیے جا چکے ہیں جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ شاید برِصغیر پاک وہند کی چشمِ فلک نے آپ سے بڑا کوئی مفسّر ومحدّث، فقیہہ و متکلّم اور غازی ومجاہد نہ دیکھا ہو۔

اگرچہ ایک غیر صحابی کو صحابیٔ رسُول سے کوئی بھی نسبت نہیں اور حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے کیا خوب فرمایا تھا۔ جب ان سے استفسار کیا گیا تھا کہ حضرت معاویہؓ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ۔ کہ اللہ کی قسم! آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رفاقت میں حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں جو غبار پڑی وہ بھی حضرتِ عمر بن عبدالعزیزؒ سے۔ ان کے علم وتقویٰ

ان فضل و کمال کے یہ اوصاف، ہزار درجہ افضل ہے، تاہم بعض اہل علم کے بقول اگر برصغیر میں کمالات، ایمان، اخلاص، علم، عمل، جہاد، ایثار، تحمل شدائد اور جامع صفت کے لحاظ سے کسی شخصیت کو مکمل طور پر حضرات صحابہ کرام سے مشابہت ہے تو وہ امام محمد اسمٰعیل شہید ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

ذیل میں چند چھوٹے چھوٹے عنوانات کے تحت مزید روشنی ڈالی جاتی ہے تاکہ برصغیر میں اصلاح امت کے اس لب لباب " کے کردار کے کچھ نقوش اور سیرت کی چند مزید جھلکیاں قارئین کرام کے نظر نواز ہو جائیں۔

علم و فضل

آپ کے علم و فضل کا بڑے بڑے نامی گرامی اہل علم نے اعتراف فرمایا ہے۔ حضرت والا جاہ نواب صدیق حسن خاں فرماتے ہیں۔

در علوم معقول و منقول از پیشینیان
از خاطر می برد و در علم فروع و اصول آنقدر
دار و گیر می نشاند و علم را آراستن [illegible]
والی زده است امام ابی فن است و در هر
فن نیز از وے مناظره کنی بشنا سے کہ
وی حافظ اہل علم است

معقول و منقول میں اگلوں پچھلوں کو بھلا دیتے
تھے فروع و اصول میں ایک دھوم مچا دیتے
تھے جس علم میں ان سے بات کرو تو کہہ اٹھو
گے کہ وہ اسی فن کے امام ہیں اور جس فن
میں ان سے مناظرہ کی نوبت آئے تو جان
لو گے کہ وہ اسی علم کے حافظ ہیں۔

نواب صاحب کے آخری فقرہ سے امام صاحب کی وہ علمی گفتگو یاد آ گئی ہے جو آپ نے لوہٹ کے ایک محقق اور فقہ و اصول کے ماہر حافظ بشیر سے فرمائی تھی۔ آپ نے ایک روز تقریباً ان سے پوچھا۔ حافظ صاحب! افعال میں جو اسقاط رائج ہے یعنی نماز کا فدیہ اس کو بنیاد کیا ہے؟ حافظ صاحب نے جواب دیا: قیاس۔ امام صاحب نے فرمایا: مقیس علیہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: مسئلہ شیخ فانی در باب فدیہ صوم۔ آپ نے اس پر اعتراض وارد کیا کہ یہ قیاس مع الفارق ہے۔ اس لیے کہ دونوں کا حکم یکساں نہیں۔ قیاس کی تعریف شرع کی رو سے حمل النظیر علی النظیر ہے۔ اسقاط اس پر ٹھیک نہیں اترتا۔ اس لیے کہ مسئلہ صوم مسافر مطلقاً سے الگ ہے نماز میں قصر ہے، روزے میں قصر نہیں بلکہ قضا ہے۔ حائضہ و نفساء کو نماز

معاف ہے، روزہ معاف نہیں" حافظ صاحبؒ نے یہ سن کر کہا: "آپ اسے صدقہ سمجھ لیں جو ہر حال میں مردے کے لیے مفید ہے" آپ نے فرمایا: "مجھے اسقاط پر اعتراض ہے، صدقہ پر نہیں صدقہ میں حساب کی حاجت نہیں" حافظ صاحب کہنے لگے "اس میں قباحت کیا ہے"؟ آپ نے فرمایا: "اوّل یہ اصول اربعہ سے باہر ہے، اس لحاظ سے بدعت ہے۔ دوّم بعض مقامات پر اموالِ موتیٰ کے وارث یتیم ہوں گے۔ آپ لوگوں نے رواجاً اسے لازم قرار دے لیا ہے۔ اور اس کا ترک بعض کے نزدیک مثل ترک فرائض ہے یتامیٰ کے مال میں بدوں وصیّت تعرض ہوگا اور استعمالِ بے جا۔ اس لحاظ سے " اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ط کا مورد۔ سوّم جب رکعتوں پر صدقہ مقرر ہوگیا تو آپ کو حق حاصل نہ ہوگا کہ تارکِ صلوٰۃ پر احتساب جاری کریں۔ اس طرح بہ قاعدہ مسقط صلوٰۃ ہوا۔"[۳]

بقول مولانا سیّد محمد علی رامپوری آپ حافظ قرآن، متبحر عالم اور بیس ہزار احادیث کے حافظ[۴] تھے۔ سر سیّد نے آپ کے رسالہ منطق کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے دلائل کی قوت ارسطو کو بھی حیرت میں ڈال دیتی اور وہ اپنے دلائل کو تارِ عنکبوت سے بھی سست تر سمجھتا[۵]۔ جب آپ نے سندِ فراغت حاصل کی تو راہ چلتے ہوئے بڑے بڑے علماء کے مشکل ترین سوالات، کتابوں کی طرف مراجعت کیے بغیر ہی حل فرما دیتے[۶]۔ حکیم جمال الدین فرماتے ہیں کہ آپ کا ذہن حد درجہ سریع الانتقال تھا۔ پانچ آدمیوں کو سامنے بٹھا کر پانچ مختلف مضامین لکھواتے تھے اور کسی کا قلم رکتا نہ تھا[۷]۔ مولانا خیر آبادی کا قول پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے کہ انہوں نے فرمایا وہ (امام صاحبؒ) اُمّتِ محمدیہ کے حکیم تھے کوئی شیٔ نہ تھی جس کی انیّت اور لمیّت ان کے ذہن میں نہ ہو[۸]۔ آپ کے علم و فضل کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ایک مرتبہ سراج الہند حضرت شاہ عبد العزیز محدّث دہلویؒ نے آپ اور آپ کے رفیقِ محترم حضرت مولانا عبد الحیؒ کو اپنے ایک مکتوب میں تاج المفسرین، فخر المحدثین اور سر آمد علماء محققین لکھا نیز فرمایا کہ دونوں تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، منطق وغیرہ میں مجھ سے کم نہیں۔

سادگی علم و فضل کے اس قدر کوہِ گراں ہونے کے باوصف آپ کے قلبِ صافی

پر کسی قسم سے تکلف کی پرچھائیں نہ پڑتی تھی۔ کبھی کبھی جب گھوڑے کو کھڑا کرتے اور اس حالت میں بھی اگر کوئی دینی و علمی مسئلہ پوچھتا تو آپ ساتھ ساتھ جواب دیتے جاتے۔ عام علماء کی طرح وعظ و ارشاد کے موقعہ پہ جبہ و دستار کا قطعاً اہتمام نہ فرماتے تھے۔ کھانے پینے، رہنے سہنے اور پہننے اوڑھنے میں نہایت سادہ تھے۔

جب آپ سفر حج کے سلسلہ میں دیگر احباب کے ہمراہ ہگلی پہنچے تو ایسٹ انڈیا کمپنی کے وکیل منشی امین الدین احمد کلکتہ سے استقبال کے لیے آئے۔ سید صاحبؒ سے ملاقات کے بعد جب وہ امام صاحبؒ سے ملے تو آپ کے لباس کی سادگی کے باعث انہیں یقین ہی نہ آیا کہ یہ شاہ عبدالعزیز محدث کے برادرزادے ہیں۔ جب آپ کو بتایا گیا کہ یہی امام محمد اسمٰعیل ذبیحؒ ہیں کہ جن کے علم و فضل سے ملک کے در و دیوار گونج رہے ہیں تو منشی صاحب آپ کی سادگی اور بے تکلفی دیکھ کر بے اختیار آبدیدہ ہوگئے۔

آپ دیگر رفقاء کے ساتھ ہر کام میں شرکت فرماتے اور معمولی کام کرنے میں بھی قطعاً تامل کا اظہار نہ فرماتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب مردان میں قیام تھا تو دیکھا کہ مسجد کے قریب کی جگہ بارش برسنے کے سبب گندی ہوگئی ہے۔ تو سید صاحبؒ نے کدال لیا اور امام صاحبؒ نے ٹوکری اٹھائی اور تھوڑی سی دیر میں ساری جگہ صاف کردی۔

حق گوئی و بے باکی

آپ کی حق گوئی و بے باکی بھی مشہور تھی۔ سید صاحبؒ کا آپ اس قدر ادب و احترام کرتے تھے کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے لیکن اس کے باوجود سید صاحبؒ نے جب تالیف قلوب کی غرض سے حسن زئی قبیلے کی معافیٔ عشر کی درخواست کو قبول فرما لیا اور آپ کو علم ہوا تو آپ نے صاف صاف فرما دیا کہ :-

> عشر بھی خمس و زکوٰۃ کی طرح شرعی حقوق میں سے ہے اور اس کی معافی
> کا امام کو بھی اختیار نہیں بلکہ امام بھی اگر زراعت پیشہ ہو تو اسے بھی
> عشر دینا پڑے گا۔

اسب یہ جب جنگ کے خطرہ کے بادل منڈلا رہے تھے تو سید صاحبؒ نے امام صاحبؒ

کو لکھا کہ مستورات کو قلعہ سے نکال کر کسی محفوظ مقام پر پہنچا دیا جائے۔ امام صاحبؒ اسے خلافِ مصلحت سمجھتے تھے سید صاحبؒ نے دوبارہ لکھا تو آپ نے جواب میں تحریر فرما دیا کہ اگر آپ کے اس حکم پر عمل پیرا ہونے سے شوکتِ اسلام کو نقصان پہنچا تو خدا کے نزدیک اس کی جواب دہی آپ کے ذمہ ہوگی۔ اکبر شاہ کے دربار میں آپ نے جو وعظ فرمایا تھا وہ بھی آپ کی حق گوئی و بے باکی پر ایک شاہدِ عدل کی حیثیت رکھتا ہے۔

زہد و تقویٰ

آپ کا زہد و تقویٰ اور تہجد گزاری و شب زندہ داری ضرب المثل ہے۔ اس سلسلہ میں وہ روایت خاص طور پر قابلِ ذکر ہے جو جناب امیر خاں صاحبؒ نے مولانا عبدالقیومؒ (داماد مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ) سے نقل کی ہے اس کا مفاد یہ ہے کہ تحصیل سکندر آباد ضلع بلند شہر میں امام صاحبؒ کے خاندان کی کچھ اراضی تھی آپ تحصیل کے لیے وہاں جایا کرتے تھے اور راستہ میں غازی آباد کی ایک بھٹیاری کے پاس رہا کرتے تھے ایک دفعہ تحصیل کے موقع پر آپ بیمار ہو گئے اور اپنی جگہ شاہ موسیٰ بن حضرت شاہ رفیع الدینؒ کو تمام تفصیلات اور غازی آباد کی بھٹیاری کے پتہ سے مطلع کر کے بھیج دیا اور ساتھ ہی فرمایا کہ بھٹیاری سے کہہ دینا کہ میں اسمٰعیل کا بڑا بھائی ہوں۔ شاہ موسیٰ جب غازی آباد میں بھٹیاری کے پاس پہنچے تو اس نے رات کو چارپائی کے نیچے پانی کے دو لوٹے، ایک چٹائی اور جانماز رکھ دی۔ شاہ صاحبؒ نے کہا اس سامان کی کیا ضرورت ہے؟ عشا کی نماز مسجد میں پڑھ آیا ہوں، صبح کی نماز پھر وہاں پڑھ لوں گا۔ بھٹیاری نے ان کی طرف تعجب سے دیکھا اور کہا کہ ”میں تو پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ تم اسمٰعیل کے بھائی نہیں ہو اور اب تو یقین ہو گیا۔ مولوی اسمٰعیل بھی نماز مسجد میں ہی پڑھا کرتے تھے مگر وہ رات کو تھوڑی دیر سو کر اٹھ بیٹھتے اور وضو کر کے صبح تک نفلوں میں قرآن مجید پڑھتے رہتے تھے، تم کہتے ہو مجھے پانی کی ضرورت نہیں، میں تو سمجھتی تھی کہ تم بڑے بھائی ہو اور عابد بھی ان سے زیادہ ہو گے، مگر تم کچھ بھی نہ نکلے۔“ شاہ موسیٰ کہتے تھے کہ میں بھٹیاری کی یہ بات سن کر مارے شرم کے پانی پانی ہو گیا اور کوئی جواب بن نہ آیا۔ قارئین کرام غور فرمائیں کہ ہماری حالت بھی تو یہی ہے ؎

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے
ہم سے کب پیار ہے؟ ہاں نیند تمہیں پیاری ہے

رفقاء کا احساس

آپ کو اپنے رفقاء و احباب کا حد درجہ احساس تھا اور ان کے ادائے حقوق میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے جو کہ منشی صاحب کے نام سے معروف تھے آپ کو وعظ کے لیے مدعو کیا۔ آپ کے اس وعظ میں روایتی جوش و خروش نہ تھا بلکہ لہجہ نہایت کمزور تھا۔ منشی صاحب نے امام صاحبؒ کے خصوصی جان نثار مولوی رستم خاں بریلوی سے لہجہ کی نرمی کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے بتایا کہ آپ پر تین وقت سے فاقہ ہے منشی صاحب یہ سن کر اٹھے اور امام صاحبؒ سے کہا کہ آپ ذرا وعظ موقوف فرما دیجئے، وعظ موقوف ہوا تو وہ آپ کو ایک الگ مکان میں لے گئے اور وہاں آپ کے سامنے کھانا رکھا۔ آپ مسکرائے اور فرمایا: "منشی جی! تم سے کسی نے کہہ دیا ہے کہ میں کھانا نہ کھاؤں گا۔" انہوں نے پوچھا: "حضرت کیوں؟" آپ نے فرمایا: کہ میرے ساتھیوں نے بھی کھانا نہیں کھایا ہے اور میں ان سے الگ کھانا نہیں کھا سکتا۔" انہوں نے ساتھیوں کو بھی بلایا اور سب کو کھانا کھلایا اور کئی وقت تک دعوت کی[۱۱]

سید صاحبؒ نے آپ کو سواری کے لیے ایک گھوڑا دے رکھا تھا، لیکن آپ کبھی اس پر سوار نہ ہوتے بلکہ اپنے احباب و رفقاء میں سے کسی ایک کو سوار کرا دیتے، خود پیدل چلتے اور فرماتے کہ یہ خدائی کام ہے، جتنی زیادہ مشقت اٹھائیں گے، اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا۔ اللہ اللہ یہ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط وقف وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ کی کس قدر سچی اور عملی تفسیر ہے یہاں ان بزرگوں کو بھی غور فرمانا چاہیے جو آپ پر ہوس ملک گیری کا بہتان لگایا کرتے ہیں۔

شجاعت

علم و فضل اور زہد و اتقاء کے ساتھ ساتھ آپ کی شجاعتوں اور بسالتوں کے چرچے بھی چار دانگ عالم میں پھیل چکے تھے ایک مرتبہ ایک درانی سپاہی کسی عورت سے مال چھیننا چاہتا تھا۔ اس عورت نے امام صاحبؒ کا نام لیا تو سپاہی دم دبا کر بھاگ گیا۔ جنگ مایار کے موقع پر جب سید صاحبؒ نے خط لکھ کر آپ کو امب سے طلب فرمایا تو منشی محمدی انصاری نے اس مکتوب کے آخر میں اپنی طرف سے لکھ دیا کہ اپنی تشریف آوری کی خبر کو شہرت دیجئے اس لیے کہ آپ کی شجاعت اس علاقے کے

خاص و عام پہ روشن ہے، کیا عجب ہے دشمن آپ کا نام سُن کر مرعوب ہو جائیں اور اس طرح مصالحت کی کوئی صورت نکل آئے۔ جذبۂ جہاد آپ میں اس قدر موجزن تھا کہ بقول نواب وزیر الدولہ مرحوم :-

مولانا جلیل و سعید حضرت محمد اسمٰعیل شہید قدس اللہ اسرارہٗ الحمید .... در اوقاتِ صعوبت امراض کہ تا دو روز از رنج و درد بخواب راحت نمی شدند و طاقت نشست و برخاست نمی داشتند ہمیں کہ امر امام عالی مقام بناء بر انصرام مہام و باکارزار جہاد انتظام صادر میگردید جناب مولانائے فخام بے تامل و درنگ باسلحۂ جنگ چوں شیر دمان و برق درخشان در درستی امور مومناں می شتافتند۔[۱۲]

بعض اوقات بیماری کی تکلیف میں دو دو دن سو نہ سکتے، یہاں تک کہ اٹھنے بیٹھنے کی طاقت بھی نہ رہتی، تاہم سید صاحبؒ کی طرف سے جب کسی جنگی مہم کے انتظام کا حکم پہنچ جاتا تو بے توقف ہتھیار سنبھال کر شیر دمان اور برقِ تپاں کی طرح مسلمانوں کے اُمور کی درستی میں مصروف ہو جاتے۔

آپ تحریکِ جہاد میں اوّل سے آخر تک رُوحِ رواں رہے۔ ہر نازک سے نازک گھڑی میں بھی آپ نے سبقت کا مظاہرہ فرمایا۔ گولہ و بارود کی موسلا دھار بارش میں بھی اس قدر بے تکلفی سے چلے جاتے کہ دوسرے لوگ پھولوں کی بارش میں بھی اس طرح جانا پسند نہ کریں اس لیے سچی بات تو یہ ہے کہ آپ کی شجاعت و بسالت اور بہادری و جوانمردی ہر طرح کی مدح و ستائش سے بلند و بالا ہے۔

اسوۂ صحابہؓ

مولانا محمد جعفر تھانیسریؒ نے لکھا ہے کہ :-

"جب بہت سے ولائتی مولوی بڑی بڑی پگڑیاں اور جبّے پہن کر مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؒ کی ملاقات کے واسطے لشکرِ مجاہدین میں آئے تو اس وقت مولانا شہیدؒ چکی سے اپنے گھوڑے کا دانہ دل رہے تھے وہ سارے ولائتی مولوی یہ حال دیکھ کر بے اختیار رو پڑے اور کہنے لگے

کہ ٹھیک صحابہؓ کی چال پر یہی شخص ہے اور ہم دنیا کے کتے ہیں[۱۳]
مولانا محمد یوسف بنوری نے بھی لکھا ہے کہ :۔

فالشیخ اسمٰعیل الشہیدؒ من ذالك الجیل او من ذالك الرعیل الّذی بشبه متماما باولٰئك الصحابة الّذین کانوا اولی نفوس قدسیة وارواح ذکیة وقلوب تقیة[۱۴]

شیخ اسمٰعیل شہیدؒ ان چند لوگوں میں سے ہیں جنہیں نفوسِ قدسیہ، ارواحِ زکیّہ اور قلوبِ تقیّہ کے مالک حضرات صحابہ کرامؓ سے مکمل طور پر مشابہت حاصل ہے۔

مردم شناسی

امام صاحب حد درجہ مردم شناس بھی تھے چنانچہ جنگِ زیدہ کے بعد جب ایک رسالدار مقرر کر دینے کی ضرورت محسوس ہوئی تو سیّد احمد علی بریلوی نے حمزہ علی خاں لوہاری والے کا نام پیش کیا لیکن امام صاحب نے ان سے اختلاف کیا اور عبدالحمید خاں کو اس عہدے کے لیے مناسب قرار دیا عبدالحمید خاں چونکہ فنونِ سپہ گری میں بڑے ہوشیار، تجربہ کار اور بہادر تھے اس لیے ارباب بہرام خاںؒ اور خود سیّد احمدؒ نے بھی آپ سے اتفاق کیا اور عبدالحمید خاں کو ہی رسالدار مقرر کر دیا گیا۔

اسی طرح آپ نے ایک موقع پر فرمایا کہ دشمن سے رزم و پیکار کیلیے انسانوں کی قسمیں ہوتی ہیں بعض صاحبِ تدبیر ہوتے ہیں بعض شجاع و دلاور بعض دونوں خصوصیتوں کے جامع ہوتے ہیں یعنی مدبر بھی اور شجاع بھی محض با تدبیر لوگ ہمیں اس مقام پر کام نہیں دے سکتے اسلیے کہ یہ مقام شجاعت کا ہے نہ کہ تدبیر کا آپ کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ ساز و سامان اور رفیقوں کی قلّت کے باعث مجاہدین کو شجاعت و مردانگی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے الغرض امام صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے مردم شناسی اور دور اندیشی جیسی خوبیوں سے بھی نوازا تھا۔

حقّانی ربّانی بزرگ

آپ حقّانی ربّانی، ذی فراست و صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگرچہ بظاہر اساتذہ کرام سے کسبِ فیض کیا ہے لیکن میرا اصلی علمی سرمایہ وہ ہے جو اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے میرے دل میں ڈال دیا ہے۔ دیگر علوم و فنون کے ساتھ ساتھ فہم قرآن و حدیث سے بہرہ وافر رکھتے

تھے۔ نماز میں خشوع و خضوع اور آداب کا خصوصی خیال رکھتے تھے سیّد جعفر علی نقویؒ کا بیان قبل ازیں ذکر کر آئے ہیں جس میں انہوں نے کہا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کی اقتدار میں دو رکعت نماز ادا کی تو اتنی لذت نصیب ہوئی کہ کبھی کسی امام کے پیچھے نصیب نہ ہوسکی۔ آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ نماز میں غفلت نہیں ہوتی، اگر ہو بھی جائے تو جلد علم ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے لوگوں کے اصرار پر گومتی کے پُل پر ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں عصر سے مغرب تک مکمل قرآن مجید سنا دیا تھا۔ یہ آپ کی ایک واضح کرامت تھی۔

برجستگی

آپ اس قدر برجستہ جواب تھے کہ سامعین حیرت و استعجاب میں ڈوبے جاتے ایک مرتبہ محمّد کالے" نامی ایک شخص نے عرض کیا کہ میرے نام کا سجع کہہ دیجئے آپ نے بے تکلف فرمایا ع

"ہر دم نام محمّد کالے"

اسی طرح ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ یہ ناممکن ہے جانور میرے سامنے آئے اور پھر زندہ نکل جائے۔ ایک ساتھی نے ہنس کر فرمایا" اگر اس کی موت ہی نہ آئی ہو تو آپ کیوں کر اسے مار سکتے ہیں"؟

آپ نے جواب میں فرمایا "جب اس کی موت نہ آئی ہوگی تو میرے سامنے آنے ہی کا نہیں"۔ یہ آپ کی برجستہ جوابی کی ایک بہترین مثال ہے دوسری طرف اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نشانہ لگانے میں آپ کو بے مثال مہارت حاصل تھی۔

حصہ نہم

گلہائے رنگ رنگ

امام محمد اسمٰعیل شہیدؒ کی پیغمبرانہ دعوت توحید سے جب کلکتہ سے پشاور اور شمالی ہند سے جنوبی ہند کے ایوانہائے شرک و بدعت میں تزلزل پیدا ہو گیا تو ان ایوانوں سے وابستہ اصحاب جبہ و دستار کی زبانیں کترنی کی طرح چلنے لگیں۔ قلم بے لگام ہو گئے اور امام صاحبؒ کے خلاف انہوں نے وہ طوفان بدتمیزی بپا کر دیا جس کی ایک ہلکی سی جھلک گزشتہ صفحات میں پیش کی جا چکی ہے۔ لیکن اس کا نتیجہ؟

قد تعب من یحسد الشمس نورها　　و یجهد ان یأتی لها بضریب

بالآخر انہوں نے اپنے زورِ جدال کی سیاہ کاری کو کچھ اور واضح فرما دیا۔ امام صاحبؒ کی شخصیت

پر اس کا کوئی اثر نہ پڑا اور نہ توحید کا وہ چراغ ان پھونکوں سے بجھ سکا جسے آپ نے اپنے مقدس خون سے جلا بخشی تھی ۔ چنانچہ آج برصغیر پاک و ہند میں کروڑوں فرزندان توحید ہیں جو آپ کے جلائے ہوئے چراغ سے کسب نور کر رہے ہیں ۔ ان سطور میں یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ آپ کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیں صرف آپ کے مخالفین ہی نظر نہیں آتے بلکہ تصویر کا دوسرا رخ بھی ہے ۔ یعنی آپ کے زمانے سے لے کر آج تک ایسے اصحاب کی کمی نہیں رہی جنہوں نے آپ کے تبحر علم و فضل ۔ زہد و اتقا ، مجاہدانہ کارناموں اور سیرت و کردار کے دیگر حسین گوشوں کے باعث بھرپور خراج تحسین پیش کیا ہے ۔ چنانچہ ذیل میں چند اساطین علم و فضل کے ارشادات نقل کیے جاتے ہیں ۔ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نامی گرامی صاحبزادے سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اپنے اس قابل فخر برادر زادے اور قابل رشک نواسے امام محمد اسحاقؒ کی دینی خدمات پر اظہار مسرت فرماتے ہوئے نہایت والہانہ انداز میں پکارا کرتے تھے ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ — شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے اس بڑھاپے
لِیْ عَلَی الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ — میں اسمٰعیل اور اسحٰق جیسے بیٹے دیئے ۔

یاد رہے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق علیہما السلام ایسے عظیم الشان صاحبزادے عنایت فرمائے تو انہوں نے ان الفاظ میں تحدیث نعمت کا اظہار فرمایا تھا ۔

اس مضمون کو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ و شاہ محمد اسحٰقؒ کی بابرکت مجلسوں کے فیض یافتہ ، پچھتر سال تک درس حدیث کی مسند پر جلوہ افروز رہنے والے ، اپنے دور کے جلیل القدر محدث شیخ الکل حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ ان الفاظ میں بیان فرمایا کرتے تھے ۔

برائے رہبری قوم فساق
دوبارہ آمد اسمٰعیلؒ و اسحاق

مولانا فضل حق خیر آبادیؒ اگرچہ آپ کے شدید ترین مخالفین میں سے تھے ، لیکن ان کے پاس حلقہ درس میں جب آپ کی شہادت کی خبر پہنچی تو ان پر سناٹے کا عالم طاری ہو گیا ، کہتے ہیں

بند کر دی اور کئی گھنٹے خاموش بیٹھے روتے رہے اور پھر فرمانے لگے :۔

> "اسمٰعیل کو ہم (صرف) مولوی نہیں جانتے تھے بلکہ وہ اُمّتِ محمدیہ[۱] کا حکیم تھا کوئی شئے نہ تھی جس کی کیفیت اور لمیّت اس کے ذہن میں نہ ہو امام رازیؒ نے اگر حاصل کیا تو دُودِ چراغ کھا کر اور اسمٰعیل نے محض اپنی قابلیّت اور استعدادِ خداداد[۲] سے۔"

صدر الصدور مولوی عبد القادر خاں رامپوری (متوفی ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء) نے اپنے احوال و واقعات پر مشتمل "وقائعِ عبد القادر خانی" کے نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے، اس میں بسلسلہ واقعات ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۵ء لکھتے ہیں :۔

> "دہلی میں مولوی محمد اسمٰعیل خلف مولوی عبد الغنی خلف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے جو حُسنِ بیان، قوّتِ استنباط اور تیزیٔ ذہن میں اس زمانہ میں اپنے دادا اور چچاؤں کی یادگار تھے۔ مخلوق کو ان بدعات سے روکنے پر جو مستحبات بلکہ واجبات میں مخلوط ہو گئی ہیں ہمّت باندھ رکھّی تھی جمعہ کے دن جامع مسجد میں اور دوسرے دنوں میں اس قسم کے مجمعوں میں بیان کرتے تھے عوام ان کے وعظ و پند سے بہت نفع اٹھاتے تھے[۳]"

مولانا محمد یعقوبؒ خلف الرشید مولانا مملوک علیؒ نے لکھّا ہے کہ :۔

> "احقر مولوی اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کو اور اس کے خاندان کے علماء کو اپنا پیشوا سمجھتا ہے اور بے تعصّب ان کی باتیں موافق قرآن و حدیث کے پاتا ہے اور ان کے مخالفین کو حق سے سرگرداں اور ہٹ دھرمیاں کرتے دیکھتا ہے[۴]"

سرسیّد احمد خاںؒ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "آثار الصنادید" میں آپ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :۔

محی السُّنۃ قامع البدعۃ مولانا مولوی اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ

علم برکش اے آفتابِ بلند — خراماں شو اے ابرِ مشکیں پرند
بنال اے دل رعد چوں کوسِ شاہ — بخند اے لب برق چوں صبح گاہ
بمبار اے ہوا قطرۂ تاب را — بگیر اے صدف در کن ایں آب را
برآ اے دُر از قعرِ دریائے خویش — بتاجِ سرِ شاہ کن جائے خویش

یعنی شاہِ کشورِ شریعت گستری ملک الملوک دیارِ دیں پروری قامع بنیانِ شرک طغیان حادی موجباتِ علم و ایقان مؤسس اساس کمالِ مہذب اوضاع حال وقال سالک مسالک ہدایت و ارشاد مجلی آئینہ صافی اعتقاد مرکز دائرہ علوم منطقہ آسمان فہوم مرتقیٔ مدارج درجات عالی پیشوائے ادانی و اعالی مرجع مآب فضائل کامرانی طبائع افاضل رموز فہم سرائر تفسیر قرآنی دقیقہ یاب معالم تقدیرات ربّانی جامع کمالات صوری و معنوی نکتہ سنجِ کلامِ الٰہی و حدیثِ نبوی قدوہ اہالی پیشگاہ قبول جلال غوامض معقول و منقول بانی مبانی فضل و افضال ممہد قواعد تکمیل و اکمال جاہد حق و یقین مثبت دلائلِ دیں مولای مخدومی مخدوم الانامی مولوی محمد اسمٰعیل قدس سرہٗ الخ"

امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد ؒ آپ کی خصوصیتِ کبریٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں رقمطراز ہیں :-

> ...... " دعوت و اصلاحِ امت کے جو بھید پرانی دہلی کے کھنڈروں اور کوٹلہ کے حجروں میں دفن کر دیئے تھے، اب اس سلطان و اسکندرِ عزم کی بدولت شاہجہان آباد کے بازاروں اور جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ان کا ہنگامہ مچ گیا اور ہندوستان کے کناروں سے بھی گزر کر نہیں معلوم کہاں کہاں تک چرچے اور افسانے پھیل گئے۔ جن باتوں کے کہنے کی بڑوں بڑوں کو بند حجروں کے اندر بھی تاب نہ تھی وہ اب برسرِ بازار کی جا رہی اور سو رہی تھیں اور خونِ شہادت کے چھینٹے حروف و حکایات کو نقوش و سواد بنا کر صفحۂ عالم پر ثبت کر رہے تھے۔ "

آخر تو لائیں گے کوئی آفت فغاں سے ہم — حجت تمام کرتے ہیں آج آسماں سے ہم

...... بایں ہمہ یہ کیا معاملہ ہے کہ جو وقت کا ایک سب سے بڑا کام تھا اس کے لیے کسی کے قدم کو جنبش نہ ہوئی، سب دوسرے کاموں میں رہ گئے۔ یا حجروں کا کام یا مدرسوں کا، لیکن میدان والا معاملہ کسی سے بھی بن نہ آیا؟ وہ گویا ایک خاص پہناوا تھا جو صرف ایک ہی جسم کے لیے تھا اور ایک ہی پر چست آیا دنیا اس کے لیے خلعتِ عظمت اور تشریفِ قبول کاندھے پر ڈالے منتظر کھڑی تھی۔ زمانہ اپنے سارے سامانوں کے ساتھ کب سے اس کی راہ تک رہا تھا۔ امیدواروں پر امیدوار یکے بعد دیگرے گزرتے رہے مگر اس کا مستحق کوئی نہ نکلا۔ ؎

بارِ غم او عرض بہر کس کہ نمودم
عاجز شد و ایں قرعہ بنامم زسر افتاد[۶]"

مولانا سید محمد میاں لکھتے ہیں :۔

"ملک و ملت کا وہ سرفروش مجاہد جس کا عمل فلسفۂ ولی اللہ کی تفسیر تھا اور جس کا ایثار قربانی ذبیح اللہ کی زندہ تصویر۔ جس کا دل دولتِ درد سے مالا مال تھا اور جس کا جگر سوز محبت کا سرمایہ دار جس کا علم ہمدوشِ عمل اور جس کا عمل آئینہ دار علم بے پایاں۔ آزادئ فکر کا سب سے بڑا حامی جمہوریت کا علمبردار، ملوکیت کا سب سے بڑا دشمن، شاہ پرستی کے لیے فرشتۂ موت، سرمایہ داری سے بیزار، غلامی کے ناپاک تصور سے ناآشنا، اس کی زندگی سعی پیہم تھی۔ کتابِ زندگی کا آغاز بابِ جہاد سے ہوا اور اسی جہاد پہ زندگی کا آخری ورق پلٹا گیا[۷]"

مولانا غلام رسول مہر فرماتے ہیں کہ ایک نیازمند نے لکھا ہے کہ :۔

"ایسا عالم باعمل، فاضل بے بدل، صاحبِ اخلاق، شہرۂ آفاق، المعی زماں، لوذعی دوراں، واقفِ علوم معقول و منقول، کاشفِ دقائقِ فروع و اصول، رافع اعلام توحید و سنت، قامع بنیانِ شرک و بدعت، قوتِ کردار، شجاعت و ایثار اس وقت میں ہم نے کہیں نہ سنا دیکھنا تو کیا[۸]"

شیخ محمد بن یحییٰ رحؒ نے اگرچہ مولانا فضلِ حق خیر آبادی رحؒ سے تلمذ کے باعث "تقویۃ الایمان" پہ اعتراض بھی کیا ہے تاہم امام صاحب رحؒ کے متعلق ان کے یہ الفاظ پڑھنے کے قابل ہیں جو کہ انہوں نے شاہ عبدالعزیز صاحب رحؒ کے تذکرہ کے ضمن میں لکھے ہیں۔

" ابن اخیه اسمعیل بن مولوی عبدالغنی کان من اذکی النّاس بایامه وکان اشدهم فی دین الله و احفظهم للسنة یغضب لها ویذب الیها ویشنع علی البدع واهلها[1] "

حضرت علّامہ عبدالحی بن فخر الدین حسنی رحؒ رقمطراز ہیں:۔

" الشیخ العالم الکبیر العلامة المجاهد فی سبیل الله اسمٰعیل بن عبدالغنی بن ولی الله بن عبدالرّحیم العمری الدّهلوی احد افراد الدّنیا فی الذکاء والفطنة و الشهامة وقوة النفس والصلابة فی الدّین . . . . وکان نادرة من نوادر الزمان وبدیعة من بدائعه الحسان مقبلاً علی الله بقلبه وقالبه[2] " الخ

حضرت والاجاہ نواب سیّد صدیق حسنؒ فرماتے ہیں۔

" محمد اسمٰعیل بن الشیخ عبدالغنی العمری بن مستند الوقت الشاہ ولی اللہ المحدث دہلوی رحمھم اللہ تعالیٰ یکے از ائمہ دین وفقہائے متقنین ونبلائے محدثین . . . . جوہرِ ذکاوتِ او بغایت عالی افتادہ بود مقدماتِ عویصہ ومشکلاتِ علوم را از زود تر ادراک میکرد وبمغز سخن میرسید حکایاتِ ذہانت وفطانتِ وے ہنوز نقلِ ہر مجلس و زیبِ ہر مجلس و زیبِ ہر محفلِ اہلِ علم است[3] الخ "

علّامہ رحمان علی رحؒ نے بھی لکھا ہے:۔

" مولانا محمد اسمعیل دہلوی بن مولوی عبدالغنی بن مولانا شاہ ولی اللہ

در دیانت و رسائی فکر یگانہ روزگار و مشار الیہ علماء کبار بود ۱۲۔ الخ"

اختصار کے پیشِ نظر علماء و فضلاء کے اردو، عربی اور فارسی ہر سہ زبانوں میں فرمائے ہوئے "مشتے نمونہ از خروارے" ان چند ارشادات پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے ورنہ محبت، عقیدت اور احترام کے اگر ان تمام پھولوں کو یکجا کیا جائے جو اربابِ علم و فضل نے حضرت امام صاحبؒ پر نچھاور کیے ہیں تو گلہائے رنگ رنگ کا ایک چمن زار کھل جائے۔ ؎

سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا

باب (۱)

حواشی و تعلیقات

۱۔ رہتک دہلی سے تیس میل کے فاصلہ پر ہانسی اور دہلی کے درمیان ایک قدیم شہر ہے جب اسلامی فتوحات کا سلسلہ دُور دُور تک پھیل گیا اور ہندوستان میں بھی توحید کا غلغلہ بلند ہوا تو بہت سے اشرافِ عرب نے اس شہر میں آکر سکونت اختیار کرلی یہ عجیب اتفاق ہے کہ برِ صغیر پاک و ہند کی تین عظیم اور نامور شخصیتوں یعنی حضرت شاہ ولی اللہؒ، امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے اسلاف نے بھی سب سے پہلے رہتک ہی کو اپنا مسکن بنایا۔

۲۔ الامداد فی مآثر الاجداد

۳۔ حیات ولی ص ۷ ۔ ۸ مطبوعہ افضل المطابع دہلی۔

۴۔ حیات ولی ص ۲۸ ۔ ۲۹

۵۔ یعنی وہ لڑائیاں جو ۱۶۵۷ء میں شاہجہان کی اچانک بیماری پر تخت نشینی کے لیے شہزادوں میں ہوئی تھیں۔ اورنگ زیب چونکہ ایک تجربہ کار سالار، پختہ کار سیاستدان اور قابل منتظم تھا اس لیے اس نے اپنی فطری صلاحیتوں سے تمام حریفوں پر قابو پا لیا تھا۔

۶۔ شاہ شجاع شاہجہان کا بیٹا اور اورنگ زیب کا بھائی تھا۔ وہ بڑا زیرک، سیر چشم اور حوصلہ مند تھا اور ساتھ ہی حد سے زیادہ عیش کوش تھا اس کا بیشتر وقت حرم سرا میں شاہد و شراب کی نذر ہو جاتا تھا۔

۷۔ مرزا محمد زاہد ہروی، قاضی اسلم کے فرزند ہیں آپ نے تیرہ سال کی عمر میں سندِ فراغت حاصل کرلی تھی۔ بے نظیر جودتِ ذہن اور عدیم المثال فہم و فراست کے مالک تھے۔ آپ نے شرح مواقف، شرحِ تہذیب، رسالہ تصوّر و تصدیق، شرح تجرید اور ہیاکل وغیرہ کئی کُتب پر حواشی لکھے ہیں۔

۸۔ حیات ولی ص ۱۲۱

۹۔ فرخ سیر شہزادہ عظیم الشان کا لڑکا تھا اس نے اپنے باپ کو قتل کرتے کے بعد بنگال میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا تھا اس نے سادات بارہ کو اپنے ساتھ ملایا اور بہادر شاہ اول کے بڑے لڑکے جہاندار شاہ کو آگرہ کے قریب لڑائی میں شکست دی تو اس نے بھاگ کر دہلی میں پناہ لی جہاں اسے قتل کر دیا گیا۔ تخت نشینی کے وقت فرخ سیر کی عمر ۳۱ سال تھی اس کا دورِ حکومت ۱۷۱۳ء سے ۱۷۱۹ء تک ہے۔

۱۰۔ ان مشائخ کے حالات "حیاتِ ولی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۱۔ ان مشائخ کے حالات بھی "حیاتِ ولی میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۲۔ شیر شاہ کا اصلی نام فرید خاں تھا اس کا قبیلہ "سور" غوری سلاطین کی ایک شاخ تھی بہلول لودھی کے عہد میں اس کا باپ اور دادا برصغیر پاک و ہند میں آئے اور انہیں پنجاب میں جاگیریں ملیں حصار فیروزہ میں فرید خاں کی ولادت ہوئی (تاریخ شیر شاہی) البتہ اس کے سنِ ولادت میں اختلاف ہے قانون گو نے ۱۴۸۶ء کو اس کا سالِ ولادت قرار دیا ہے۔ شیر شاہ نے مختلف جنگوں میں ہمایوں کو شکست دے کر دسمبر ۱۵۳۹ء میں تاجِ شاہی اپنے سر پہ رکھا اگرچہ اسے صرف ۵ سال حکومت کرنا نصیب ہوئی اور ۲۲ مئی ۱۵۴۵ء میں اس کی وفات ہو گئی تاہم اس نے اس قلیل عرصہ میں ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے جو کہ تاریخ کے طالبِ علم کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔

۱۳۔ حیاتِ طیبہ ص ۱۲

۱۴۔ تذکرہ ص ۲۴۳ - ۲۴۴، امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ

۱۵۔ نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۴۲۲

۱۶۔ آثار الصنادید ص ۲۴۹ مطبوعہ کراچی ۱۹۶۶ء

۱۷۔ نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۲۶۸ - ۲۶۹

۱۸۔ حیاتِ ولی ص ۳۲۵

۱۹۔ حکایاتِ اولیاء۔ ص ۵۶

۲۰۔ حیاتِ طیبہ ص ۱۸

۲۱۔ حکایاتِ اولیاء ص ۴۹

۲۲۔ حکایاتِ اولیاء ص ۵۰ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۶ء

۲۳۔ واقعات دارالحکومت دہلی ج ۲ ص ۵۸۸

۲۴۔ تذکرہ شاہ ولی اللہ از مولانا مناظر احسن گیلانی۔ شاہ رفیع الدین کے حالات کے لیے ملاحظہ فرمایئے نزہتہ الخواطر، حدائق الحنفیہ، الیانع الجنی، ابجد العلوم، تذکرہ علماء ہند، ملفوظات شاہ عبدالعزیز، علم و عمل، تراجم علماء حدیث ہند، حیاتِ ولی، آثار الصنادید اور لائیڈن انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (طبع اوّل) میں ڈاکٹر محمد شفیع صاحب کا مقالہ۔

۲۵۔ آثار الصنادید ص ۲۶۹

۲۶۔ واقعاتِ دارالحکومت دہلی ص ۵۸۹

۲۷۔ حکایاتِ اولیاء ص ۶۶

۲۸۔ حکایاتِ اولیاء ص ۵۹

۲۹۔ حکایاتِ اولیاء ص ۶۰ - ۶۱

۳۰۔ حیاتِ ولی ص ۳۵۲

۳۱۔ حیاتِ ولی ص ۳۵۲

۳۲۔ / ۳۳۔ } حکایاتِ اولیاء ص ۱۵۹ - ۱۶۲

۳۴۔ حیاتِ سید احمد شہید ص مولانا محمد جعفر تھانیسری رح

باب (۲)

۱۔ یعنی برصغیر پاک و ہند کے نامور عالم فاضل محقق مؤرخ ادیب اور نقاد مولانا غلام رسول مہر جو کہ چالیس پچاس کتابوں کے مصنف و مؤلف اور مترجم و شارح ہیں تحریکِ مجاہدین کے سلسلہ میں "سید احمد شہید" "جماعت مجاہدین" اور "سرگزشت مجاہدین" آپ کی عظیم الشان کتابیں ہیں۔ افسوس کہ ۱۶ر نومبر ۱۹۷۱ء کو ہم اس گنجِ گراں مایہ سے بھی محروم ہو گئے ؎

آدمی بچ کر کہاں جائے قضا کے قہر سے
آج وہ اٹھا ہے کل اٹھ جائیں گے ہم دہر سے
مہر کا جانا مقدر تھا مگر وہ کیا گیا !
وضعداری کا جنازہ اٹھ گیا اس شہر سے

۲۔ جماعت مجاہدین ص ۱۲۸

۳۔ جنہوں نے "تقویۃ الایمان" کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔

۴۔ حیات طیبہ ص ۳۷ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۸ء۔

۵۔ امیر شاہ خاں رح متوطن خورجہ مقیم میرٹھ ضلع علی گڑھ جنہوں نے باوجود علم رسمی تحصیل نہ کرنے کے بزرگوں کے فیضِ صحبت سے وہ درجہ حاصل کیا کہ آج اصطلاحی عالم بھی ان پر رشک کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو عمر و ذہن اور حافظہ بھی اس قدر وافر عطا فرمایا تھا کہ وہ حضرت شاہ عبدالعزیز رح صاحب سے لے کر اپنے زمانہ تک کے بزرگوں کے حالات و واقعات سند کے ساتھ نقل فرماتے ہیں۔ آپ کی بیان کردہ حکایات کے مجموعہ کا نام "امیر الروایات" ہے امیر الروایات اور مولانا محمد طیب دیوبندی کی روایات کا مجموعہ "روایات الطیب" اور مولانا اشرف علی کا رسالہ "اشرف التنبیہ" جس میں انہوں نے بعض حکایات کے نکات کی شرح کی ہے ایک ہی جلد میں چھاپ کر "ارواحِ ثلاثہ" کے نام سے موسوم کیے گئے ہیں اور اسی کا نام "حکایاتِ اولیاء" بھی ہے اسی لیے حوالہ کے وقت ہم نے کہیں ارواحِ ثلاثہ اور کہیں حکایاتِ اولیاء درج کیا ہے۔

۶۔ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم بن مولانا عبدالحی بڑھانوی رح۔ آپ کی ولادت ۱۲۳۱ھ میں ہوئی آپ نے بچپن میں ہی قرآنِ مجید حفظ اور حضرت سید احمد صاحب رح کی بیعت کر لی تھی آپ نے کتب صرف و نحو شیخ نصیر الدین شافعی دہلوی اور بعض دیگر درسی کتب مولانا نصیر الدین لکھنوی رح سے پڑھیں فرائض شیخ یعقوب بن افضل سے پڑھے جب کہ فقہ و حدیث کی تعلیم شیخ اسحٰق بن افضل سے حاصل کی اور اسی شیخ موصوف کی صاحبزادی سے نکاح کیا۔ حجازِ مقدس سے واپسی کے بعد سکندر بیگم کی دعوت پر بھوپال کے منصب افتاء پر فائز ہو گئے اور وہیں آپ کو جاگیر بھی ملی۔ علم و حلم، تواضع و انکساری، وعظ و ارشاد اور راستبازی میں اسلاف کے نقشِ قدم پر تھے ساری زندگی درسِ قرآن و حدیث میں مشغول رہے

اور بہت سے لوگوں نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ اپنے وطن مالوف پڑھانہ میں عمر شریف کی ستر بہاریں دیکھنے کے بعد ۱۲۹۹ھ میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ نزہۃ الخواطر ص ۲۹۷-۲۹۸

۷۔ حکایاتِ اولیاء ص ۱۰۰

۸۔ مرزا حیرت نے یہاں حضرت شاہ عبدالغنیؒ کا اسم گرامی لکھا ہے جو کہ صحیح نہیں کیوں کہ یہ آپ کی عمر شریف کے بارھویں سال کا واقعہ ہے جب کہ حضرت شاہ عبدالغنیؒ دو سال قبل اللہ تعالےٰ کو پیارے ہو چکے تھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بھی حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے درس میں پیش آیا تھا۔

۹۔ حیاتِ طیبہ ص ۴۶ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۸ء

۱۰۔ اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء والمحدثین ص ۴۱۷

۱۱۔ حضرت نواب والاجاہ السید ابو الطیب صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ الحسینی البخاری القنوجی۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام شہید حسین بن علی رضی اللہ عنہما تک منتہی ہوتا ہے آپ کی ولادت باسعادت بروز اتوار مورخہ ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۸ھ میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد بہت بڑے عالم و فاضل اور عابد و زاہد تھے۔ شاہ رفیع الدینؒ و شاہ عبدالعزیزؒ کے تلمیذ اور حضرت سید احمدؒ کے مرید تھے۔ آپ کی ولادت و نشأت قنوج میں ہوئی قرآن مجید اور فنون کی مختصرات اپنے شہر کے علماء سے ہی پڑھیں پھر سوئے دہلی روانہ ہوئے اور وہاں بہت سے علماء کرام سے فنون عقلیہ و نقلیہ کی بہت سی کتابیں پڑھیں اور پھر علامہ مفتی صدر الدین خاں صاحبؒ سے بھی استفادہ کیا اور ان سے اجازت عامہ تامہ حاصل کی اور اپنے وطن قنوج تشریف لے آئے پھر طلبِ معاش کے لیے بھوپال روانہ ہوئے چند روز بعد ایک درخواست مدار المہام مولانا محمد جمال الدینؒ کی خدمت میں پیش کی تو ۳۰ روپے ماہانہ مشاہرہ پر ملازمت مل گئی مگر ایک سال بعد ہی معزول ہو کر قنوج تشریف لے آئے پھر رئیسہ بھوپال جناب نواب سکندر بیگم صاحبہ نے فرمان طلبی بھیجا مگر موسم کی ناہمواری کے سبب دیر سے پہنچے اور حاسدین کو شکایت کا موقع مل گیا لہذا حکم منسوخ ہو گیا۔ بتاریخ یکم صفر ۱۲۷۶ھ پھر بھوپال پہنچے اور ۷۵ روپے ماہانہ مشاہرہ پر تاریخ نگاری ریاست کی خدمت تفویض ہوئی مولانا محمد جمال الدین کی صاحبزادی سے نکاح کیا اور والدہ محترمہ اور بہنوں کو بھی وہیں بلا لیا رئیسہ بھوپال انتقال کر گئیں تو ان کی صاحبزادی جناب نواب شاہجہان بیگم صاحبہ سریر آرائے سلطنت ہوئیں جو بیوہ ہو چکی

تھیں بیگم صاحبہ نے حضرت کی قابلیت اور دیانت کو دیکھ کر شریکِ اُمورِ سلطنت بنانا پسند فرمایا اور پھر آپ سے نکاح کر لیا۔ آپ نے دین کی بہت خدمت سر انجام دی ہے آپ نے بھوپال میں علم و ادب کی محفل سجائی اور دور و نزدیک کے بے شمار علماءِ کرام اس ماہتابِ علم کا ہالہ بن گئے آپ نے بہت سے مدارس کی بھی تاسیس کی اس طرح علم و فن کے اعتبار سے بھوپال کی قسمت بیدار ہو گئی آپ نے تفسیر میں "فتح البیان فی مقاصد القرآن" دس جلدوں میں، ایک تفسیر اردو میں "ترجمان القرآن" ۱۵ جلدوں میں "اُصولِ تفسیر میں" الاکسیر" حدیث میں "بلوغ المرام" کی تین شرحیں نیز "صحیح بخاری و مسلم" کی شرحیں، رجال حدیث میں "اتحاف النبلاءُ" فوائدِ صحاحِ ستہ میں "الحطة فی ذکر الصحاح الستّة" غرض کہ تفسیر میں ۹ اور فنِ حدیث میں ۳۱ عظیم الشان کتابیں تصنیف فرمائیں ویسے مختلف علوم و فنون میں آپ کی کل تصنیفات کی تعداد ۲۲۳ ہے اور پھر لطف یہ کہ آپ نے یہ تمام کی تمام ہزارہا کی تعداد میں زیورِ طباعت سے آراستہ کر کے مفت تقسیم فرمائیں نیز آپ نے زرِ کثیر خرچ کر کے "فتح الباری" "تفسیر ابنِ کثیر" اور "نیل الاوطار" وغیرہ کو بھی شائع کر کے مفت تقسیم فرمایا۔ آخر کار علم و فضل کا یہ آفتاب جہاں تاب شبِ جمعرات ۲۹ جمادی الثانی سنہ ۱۳۰۷ھ موافق ۲۰ فروری سنہ ۱۸۹۰ء کو ۵۹ سال اور تین ماہ کی عمر میں افقِ بھوپال پر غروب ہو گیا نور اللہ مرقدہٗ و بردّ مضجعہٗ۔ مفصل حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیے "مآثر صدیقی" "ابقاء المنن بالقاء المحن"، "رحلة الصدیق الی البیت العتیق"، "ابجد العلوم"، "التاج المکلل" ص ۵۴۱ - ۵۵۰۔ "تراجم علماءِ حدیث ہند" ص ۲۳۶ - ۲۶۱ راقم الحروف حضرت والا جاہ نواب صاحب مرحوم کے مفصل سوانح حیات لکھنے کا ارادہ بھی رکھتا ہے وبیدہ التوفیق۔

۱۲۔ اتحاف النبلاءُ ص ۴۱۶

۱۳۔ سر سید احمد خاں دلی میں سنہ ۱۸۱۷ء میں پیدا ہوئے آپ کی تعلیم قدیم طرز پر ہوئی اور آپ نے درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ والد کی وفات (۱۸۳۶ء) کے بعد تلاشِ روزگار ہوئی اور کمپنی کی ملازمت میں صدر امین بن گئے پھر سنہ ۱۸۴۱ء میں دہلی کی منصفی پر مامور ہوئے اور نو سال تک دہلی میں مقیم رہے یہیں انہوں نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "آثار الصنادید" مکمل کی۔ اس کتاب کا ترجمہ فرانسیسی میں بھی ہوا جس کی بناء پر سر سید کو سنہ ۱۸۶۴ء میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی کا اعزازی رکن بنایا گیا جب سنہ ۱۸۵۷ء

میں جنگِ آزادی کا آغاز ہوا تو سرسید بجنور کے منصف تھے ۱۸۵۷ء میں ان کو مراد آباد میں متعین کر دیا گیا۔ ۱۸۶۲ء میں غازی پور تبادلہ ہو گیا اور یہاں انہوں نے انگریزی کتابوں کا اردو ترجمہ کرنے کے لیے ایک سوسائٹی قائم کی جو بعد میں سائنٹیفک سوسائٹی آف علی گڑھ کے نام سے مشہور ہوئی پھر ان کا تبادلہ علی گڑھ اور وہاں سے بنارس ہو گیا اس اثناء میں ان کے لڑکے محمود کو حکومت کی طرف سے غیر ملکی تعلیم کے لیے وظیفہ مل گیا۔ سرسید نے بھی اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور ۱۸۶۹ء میں اپنے لڑکے کے ساتھ خود بھی انگلستان چلے گئے محمود نے کیمبرج میں تعلیم حاصل کی اور سرسید نے برطانوی سوسائٹی اور برطانوی یونیورسٹیوں کے نظام کا بغور مطالعہ کیا نیز انہوں نے سر ولیم میور کی کتاب " لائف آف دی محمد " کے جواب میں مضامین لکھے جو کہ " خطباتِ احمدیہ " کے نام سے شائع ہوئے ہیں ۱۸۷۰ء میں وطن واپس پہنچ کر بنارس میں ملازمت کے فرائض سنبھال لیے اور ایک رسالہ " تہذیب الاخلاق " کا اجراء کیا ۱۸۷۲ء میں انہوں نے " محمڈن کالج فنڈ کمیٹی " قائم کی ۱۸۷۵ء میں علی گڑھ کے مقام پر سکول کی جماعتوں کا افتتاح ہوا چند سال بعد سکول کالج بن گیا اور مولوی سمیع اللہ خاں اس کے مہتمم تھے ۱۸۷۶ء میں سرسید نے ملازمت سے ریٹائر ہو کر اس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ سرسید جب دہلی سے نکلے تو عقیدۃً اہلِ حدیث تھے چوں کہ انہوں نے حدیث جناب شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ سے پڑھی تھی اس لیے کبھی وضع الیدین علی الصدر اور آمین بالجہر ترک نہ کی۔ مولانا شبلیؒ نے اپنے خطوط میں اپنے بعض احباب و رفقاء کو لکھا تھا :۔

> "مغرب کی نماز ! سبحان اللہ ! کیا شان و شوکت ہوتی ہے کہ بس دل بیٹھا پڑتا ہے خود سید صاحبؒ بھی شریکِ نماز ہوتے ہیں اور چوں کہ وہ عامل بالحدیث ہیں آمین زور سے کہتے ہیں ان کی آمین کی گونج مذہبی جوشش کی رگ میں خون بڑھا دیتی ہے ۔" (مکاتیبِ شبلی حصہ اول ص ۴۶)

مگر بقول مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہرویؒ ۔ افسوس ہے کہ ہمارے عقائد کی سادگی سرسید کے بعض شذوذ کی وجہ سے مرحوم کو اپنے ساتھ رکھنے سے آخر معذور ہو گئی یا اَسَفیٰ عَلیٰ یُوسُف ! " ۱۸۹۸ء میں اکیاسی سال کی عمر میں انہوں نے وفات پائی اور علی گڑھ کالج کی مسجد میں

دفن کیے گئے۔

۱۴۔ آثار الصنادید ص ۲۷۲

۱۵۔ سعادت یار خاں رنگینؔ سرہند میں ۱۱۶۹ھ میں پیدا ہوئے ان کے والد توران سے آکر چند دن لاہور میں حصین الملک میر منوّر خاں کی سرکار میں ملازم رہے اس کے بعد دلّی آئے جہاں پیش گاہِ سلطانی سے منصب ہفت ہزاری اور خطاب محکوم الدولہ اعتضاد جنگ بہادر عنایت ہوا۔ رنگینؔ نے شہزادہ مرزا سلیمان شکوہ کی ملازمت اختیار کر لی تھی وہ بہت اچھے شہسوار اور فنونِ سپہ گری سے خوب واقف تھے دکن میں نظام حیدر آباد کی فوج میں افسر توپ خانہ رہے۔ بعد میں نوکری چھوڑ کر گھوڑوں کی تجارت کرنے لگے انشاء کے بڑے دوست تھے اوائل عمر میں شعر کہنا شروع کیا۔ سب سے پہلے شاہ حاتم کے شاگرد ہوئے میر سے بھی اصلاح لینا چاہی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ تو پھر انہوں نے محمد امان نثارؔ کو کلام دکھانا شروع کر دیا بقول جرمن مستشرق بلوم ہارٹ مصحفیؔ سے بھی اصلاح لیتے تھے، امیر، حسین، عیش و عشرت کے دلدادہ، خلیق، متواضع اور مہذب آدمی تھے ڈاکٹر اسپرنگر اور کریم الدین کی تحقیق کے مطابق ۸۰ برس کی عمر میں سنہ ۱۲۵۱ھ میں انتقال کیا جب کہ شیفتہ اور گارسن دتاسی ان کی عمر ۸۱ برس اور سنِ وفات سنہ ۱۲۵۰ھ بتاتے ہیں ان کی تصنیفات یہ ہیں

(۱) مثنوی دلپذیر (۲) ایجادِ رنگین (۳) دیوانِ ریختہ (۴) دیوانِ بیختہ (۵) دیوانِ انگیختہ (۶) دیوانِ آمیختہ (ان چار دیوانوں کے مجموعہ کا نام چار عنصرِ رنگین ہے) (۷) مثنوی مظہر العجائب (۸) مجالسِ رنگین (۹) فرس نامہ، تاریخ ادبِ اردو ص ۲۰۲ - ۲۰۴

۱۶۔ جماعتِ مجاہدین ص ۱۲۱

۱۷۔ حیات سید احمد شہید ص ۳۰۳

۱۸۔ مولانا رشید الدین خاں صاحبؒ، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے شاگرد تھے اور اپنی ذکاوت و استعدادِ کامل کے پیشِ نظر رشید المتکلمین کے نام سے مشہور تھے۔ دہلی میں ولادت و نشأت ہوئی آپ نے شاہ عبدالعزیزؒ کے علاوہ مفتی علی کبیر بنارسیؒ، شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ سے بھی بہت سی کتابیں پڑھیں۔ آپ کی تصنیفات میں سے "الشوکۃ العمریۃ"۔ "الصولۃ الغضنفریۃ" ایضاح لطافۃ المقال، تفضیل الاصحاب اور اعانۃ الموحدین و

اھانۃ الملحدین خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ۶۰ سال کی عمر میں سنہ ۱۲۴۳ھ میں فوت ہوئے

۱۹۔ حکایاتِ اولیاء ص ۱۰۹ ۔ ۱۱۰

۲۰۔ آثار الصنادید ص ۲۷۲

۲۱۔ مولانا فضل حق خیر آبادی سنہ ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے اپنے والد کے علاوہ شیخ عبد القادرؒ سے بھی پڑھا۔ چار ماہ میں قرآن مجید حفظ کیا۔ چار ہزار کے قریب اشعار کہے بہت بڑے ادیب اور منطقی و فلسفی تھے امکان و امتناعِ نظیر کے سلسلہ میں حضرت امام محمد اسمٰعیل شہیدؒ سے آپ کا زبردست اختلاف تھا لیکن حضرت امام کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکے انہوں نے رسالہ "یک روزی" آپ کے جواب میں ہی تحریر فرمایا تھا۔ آپ کی کتابوں میں سے "المجنس الغالی فی شرح الجوہر العالی"۔ الہدیۃ السعیدیۃ فی الحکمۃ الطبیعۃ، الروض المجود فی حقیقۃ الوجود، حاشیہ تلخیص الشفا، حاشیہ الافق المبین، حاشیہ شرح سلم، تحقیق العلم و المعلوم، تحقیق الاجسام، تحقیق الکلی الطبعی، رسالہ فی التشکیک وفی الماہیات، تاریخ فتنۃ الہند اور حضرت امام صاحبؒ کی تردید میں کچھ رسائل وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔ ۱۲ صفر سنہ ۱۲۷۸ھ میں جزائر سیلان میں انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔

۲۲۔ الحیاۃ بعد المماۃ ص ۱۲

۲۳۔ اتحاف النبلاء المتقین باحیاء آثر الفقہاء المحدثین ص ۴۱۷

۲۴۔ سید احمد شہید ص ۱۱۸

۲۵۔ جماعت مجاہدین ص ۱۲۲

۲۶۔ حکایاتِ اولیاء

۲۷۔ یعنی مغلیہ خاندان کا آخری فرمانروا بہادر شاہ ثانی (۱۸۳۷ء تا ۱۸۵۷ء) وہ اُردو کا غزل گو شاعر تھا اور ظفرؔ تخلص کرتا تھا۔ سنہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں حریت پسندوں نے اسے اپنا قائد بنایا مگر شومیٔ قسمت کہ تحریک ناکام رہی اور انگریزوں کو فتح ہوئی۔ انگریزوں نے بہادر شاہ ظفر کے شہزادوں کو گولی مار دی اور اسے معزول کرکے رنگون میں قید کر دیا۔ وہیں جلاوطنی کی حالت میں اس نے سنہ ۱۸۶۲ء میں ۹۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

۲۸۔ شیخ الکل حضرت میاں سید نذیر حسین صاحب محدث دہلویؒ موضع بلتھوا ضلع مونگیر (بہار

میں سنہ ۱۲۲۰ھ بمطابق سنہ ۱۸۰۵ء میں پیدا ہوئے ۱۶ سال کے بعد آپ نے تعلیم حاصل کرنا شروع کی اور سنہ ۱۸۲۱ء میں وطنِ مالوف سے صادق پور روانہ ہو گئے اور وہاں کچھ درسی کتابیں پڑھیں پھر سنہ ۱۸۲۹ء میں دہلی تشریف لے گئے اور پنجابی کڑے کی مسجد اورنگ آبادی میں قیام فرمایا اور مولانا عبدالخالق دہلویؒ، مولانا جلال الدین ہرویؒ، مولانا محمد بخشؒ، مولانا عبدالقادر رامپوریؒ، اخوند شیر محمد قندھاریؒ اور مولانا کرامت علی اسرائیلیؒ سے تعلیم حاصل کی اور پھر حضرت شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ سے حدیث کی سند حاصل کی اور ان کی ہجرت کے بعد آپ نے دہلی کی مسجد اورنگ آبادی میں مستقل دارالعلوم کی بنیاد ڈال دی اور ساٹھ سال تک مسلسل تدریس کے فرائض سرانجام دیئے اور شیخ الکل کا لقب حاصل کیا۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ سنہ ۱۲۸۰ھ میں انبالہ کے مشہور مقدمہ کی لپیٹ میں آپ بھی آ گئے تھے اور ایک سال تک راولپنڈی جیل میں سنّتِ یوسفی ادا فرماتے رہے سنہ ۱۳۰۰ھ میں آپ کو حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ ۲۲ر جون سنہ ۱۸۹۷ء مطابق ۲۱ر محرم سنہ ۱۳۱۵ھ میں آپ کو شمس العلماء کا خطاب ملا۔ "معیار الحق" آپ کی عظیم الشان علمی یادگار ہے ۱۲ر اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء کو دہلی میں آپ نے انتقال فرمایا۔ غفر اللّٰہ لہٗ۔ ملاحظہ فرمایئے "الحیاۃ بعد المماۃ" "تاریخ دہلی" ص ۹۲، "تراجم علماء حدیث ہند" ص ۱۳۶ – ۱۵۵ طبع جدید۔

۲۹۔ الحیات بعد المماۃ ص ۱۱۴

۳۰۔ حکایاتِ اولیاء ص ۱۶۷

۳۱۔ یعنی سیّدنا حضرت امام شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ کے پیر و مُرشد، مجاہد کبیر امیر المومنین حضرت سیّد احمد شہیدؒ بن حضرت سیّد محمد عرفانؒ۔

۳۲۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب پھلتیؒ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے برادرِ اکبر حضرت شاہ اہل اللہؒ کے پوتے تھے۔ حضرت سیّد صاحبؒ نے تمام انتظامی امور آپ کو سونپ رکھے تھے حافظِ قرآن بھی تھے قضاءِ حوائجِ بشریہ کے سوا ہر وقت قرآنِ حکیم کی تلاوت میں رطب اللسان رہتے تھے سفرِ جنگِ شیدو میں علیل پڑ گئے تو سیّد صاحبؒ نے گاؤں بھیج دیا جو کہ اوحج اور بھانڈا کے درمیان تھا مرض شدت اختیار کرتا گیا اور وہ بالآخر اسی گاؤں میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ قاضی احمد اللہ میرٹھیؒ نے تجہیز و تکفین کا سامان پیدا کیا، سیّد صاحبؒ نے جنازہ پڑھایا اور حضرت امام صاحبؒ سے

مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا " یوسف جی اس لشکرِ اسلام کے قطب تھے آج لشکر قطب سے محروم ہو گیا " آپ بڑے قانع ، زاہد ، متوکل ، مستقیم الحال اور مستقل مزاج تھے ملاحظہ فرمایئے وصایا الوزیر ج ۲ ص ۱۱۰ - ۱۶۲

۳۳ - حضرت مولانا عبدالحی بن ہبۃ اللہ بن نور اللہ بڑھانہ ضلع مظفر نگر کے باشندے تھے آپ کی پھوپھی حضرت شاہ عبدالعزیز رح کے نکاح میں تھیں اور ان کی ایک دختر نیک اختر آپ کے حبالۂ عقد میں تھیں تہجد گزار و شب زندہ دار بزرگ تھے علم و فضل کے اعتبار سے آپ کا پایہ بہت بلند تھا خصوصاً فقہ حنفی میں تو آپ کو کمال عبور حاصل تھا۔ ۱۲۳۷ھ میں حضرت امام شوکانی رح بھی حج کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے اس موقع پر مولانا عبدالحی صاحب رح کو مولانا منصور الرحمٰن دہلوی رح کی معیت میں آپ کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا۔ امام شوکانی رح نے ان دونوں کو " اتحاف " کا ایک ایک نسخہ تحفۃً عنایت فرمایا۔ آپ کچھ عرصہ میرٹھ میں مفتیٔ عدالت بھی رہے۔ سفر و حضر میں حضرت سید صاحب رح کی رفاقت میں رہتے تھے آپ ۸ ر شعبان ۱۲۴۳ھ بمطابق ۲۴ر فروری ۱۸۲۸ء کو بعارضۂ بواسیر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ سید صاحب رح نے نماز جنازہ پڑھائی یہ جلیل القدر عالم دین اور عظیم المرتبت مجاہد اسلام خہر (سوات) کے قریب جنوب مشرق میں ایک قبرستان میں محو استراحت ہے۔ ملاحظہ فرمایئے وصایا الوزیر ج ۲ ص ۱۰۷ - ۱۰۸ ، ابجد العلوم ص ۹۱۵-۹۱۶ الیانع الجنی ص ۷۶ ، سید احمد شہید ج ۱ ص ۱۱۶ - ۱۱۷ ، جماعت مجاہدین ص ۱۱۱ - ۱۱۸ ، تراجم علماء حدیث ہند طبع دوم ص ۱۳۲ - ۱۳۴ ، فتاوی عزیزی ج ۱ ص ۸۶ ، سوانح احمدی ص ۱۶ - ۱۹ ، آثار الصنادید ص ۲۷۰

۳۴ - مخزنِ احمدی ص ۳۴ - ۳۵ - اس کا قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں ہے

۳۵ - حدیثِ جبرئیل میں ہے " ان تعبد الله كأنك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك " الحدیث رواہ مسلم۔ یعنی احسان یہ ہے کہ عبادت میں اس قدر حضورِ قلب اور خشوع و خضوع پیدا ہو جائے کہ عابد گویا خدا کو دیکھ رہا ہے اور یہ استغراق و محویت کا وہ آخری مقام ہے جو کسی عابد کو عبادت میں حاصل ہو سکتا ہے اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم یہ خیال تو ضرور رہنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں اگر یہ تصور بھی پیشِ نظر رہے تو عابد خوفِ خداوندی ملحوظِ

www.KitaboSunnat.com

خاطر رکھے گا۔ اس کی حرکات وسکنات خشیّتِ الٰہی کا مظہر ہوں گی، افعال و احوال سے خوفِ خدا ٹپک رہا ہوگا۔ اور وہ لرزاں و ترساں کیفیت میں ایک مؤدب غلام کی طرح حاضری کے تمام تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے کھڑا ہوگا۔

۳۶۔ خداوندا! مجھے معاف فرما دے، اور مجھ پر رحم کر، مجھے ہدایت دے، رزق عنایت فرما، میرے درجات بلند کر دے اور میرے نقصان کو پورا کر دے۔

۳۷۔ مخزنِ احمدی ص ۳۴۔ ۳۵

۳۸۔ حنفی مکتبِ فکر کے یہ مشہور بزرگ مولانا کرامت علی صاحب جونپوری حضرت سیّد احمد صاحب رح کے خلفاء میں سے تھے مگر افسوس کہ بالاکوٹ میں حضرت سیّد صاحب رح، حضرت امام محمد اسمعیل رح اور دیگر رفقاء کی شہادت کے بعد انہوں نے نہ صرف تحریک سے علیحدگی اختیار کر لی بلکہ شدّت سے اس کی مخالفت بھی شروع کر دی چنانچہ مولانا مسعود عالم ندوی رقم طراز ہیں:۔

> "مجاہدین اور اتباع سیّد احمد رح کے سب سے بڑے واقف کار مسٹر جیمس اوکنلی (JAMES OKINLEY) نے شہادت دی ہے کہ مولوی کرامت علی صاحب برطانوی حکومت کے مؤید اور وہابیوں کے پکے مخالف تھے (PERSISTENT OPPONANT OF WAHABIS) یہ تصدیق نامہ راج محل (بہار) میں ۳۱ر اکتوبر سنہ ۱۸۷ء کو دیا گیا جسے خود ان کے پوتوں نے فخریہ سنہ ۱۹۱۴ء میں درج کرایا تھا (وہ خوبصورت اور نظر فریب پمفلٹ راقم کی نظر سے گزر چکا ہے) اس میں ان کے صاحبزادے مشہور ادیب مولوی عبد الاوّل صاحب جونپوری اور حافظ احمد صاحب کی وفاداری کی بھی تصدیق ہے اس کے علاوہ راقم یہ بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ عقائد و اعمال میں وہ سیّد صاحب کے اصحابِ خاص کی روش سے بالکل الگ تھے"
>
> ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۸۴ (حاشیہ)

اسی طرح پروفیسر محمد ایوب قادری نے بھی لکھا ہے:۔

"آپ نے انگریزی حکومت کی موافقت میں جہاد کے خلاف فتویٰ دیا تھا"

تذکرہ علماء ہند ص ۳۹۶

اسی طرح حقیقی مکتب فکر سے وابستہ دیگر اکثر و بیشتر بزرگوں کا بھی یہی حال تھا۔

۳۹۔ حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ جیسے عالم و فاضل اور زاہد و عابد بزرگ تھے ۱۱۵۶ھ میں بٹالہ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ ابتداءً اپنے علاقہ میں علم حاصل کیا اور پھر علمی تشنگی کو مزید تسکین کے لیے سوئے دہلی روانہ ہوگئے اور وہاں دو وہاں عالی دہلی الہٰی کے چشمۂ صافی سے سیراب حاصل کرنے کے لیے شاہ عبد العزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے صحیح بخاری کا درس لیا۔ ۲۲ سال کی عمر میں شیخ جانجاناں علوی دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرصۂ دراز تک ان کے پاس اوراد و وظائف میں مشغول رہے اور جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے جانشین بن گئے آپ کا معمول تھا کہ روزانہ دس ہزار مرتبہ نفی و اثبات کا وظیفہ کرتے، اسم ذات کے وظیفہ، استغفار اور درود شریف کا تو شمار ہی نہ تھا اس کے علاوہ دس پارے لیے تلاوت قرآن پاک کرتے۔ پانی سے روزہ افطار کرتے اور زمین سے ہی بستر کا کام لیتے تقریباً پندرہ برس تک آپ کا یہی معمول رہا ۲۲ صفر ۱۲۴۰ھ کو آپ اللہ کو پیارے ہوگئے اور دہلی میں مدفون ہیں [illegible] مزید حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیے۔ واقعات دار الحکومت دہلی ج ۲ ص ۱۵۳۔ ۱۵۵، برکات الاولیاء ص ۱۵۰، گلزار اولیاء ص ۳۶، ۳۵، تذکرہ اولیائے ہند و پاکستان ص ۲۴۳۔ ۲۴۶، دقائق الفضل ص ۲۰۳۔ ۲۳۰، تذکرہ مقامات مظہری ص ۱۔ ۲۰۸، رود کوثر ص ۴۴۲۔ ۴۴۳، ۱۵۳، علم و عمل (وقائع عبد القادر خانی) ج ۱ ص ۔ ۳۶، نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۳۵۹۔ ۳۵۰، خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۶۹۲، حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۲۰۸۔ ۲۳۰، تاریخ اولیائے دہلی ص ۳۰۔ ۳۱، تذکرہ علماء ہند اردو ص ۳۷۳، آثار الصنادید ص ۲۰۷ — ۲۱۲

۴۰۔ سیرت سید احمد شہیدؒ از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی ج ۱ ص ۱۲۰ — ۱۲۵

۴۱۔ سوانح سید احمد شہید ص ۱۱۸

۴۲۔ ہمارے ہندوستانی مسلمان

۴۳۔ منظورۂ سعداء بحوالہ سید احمد شہید ص ۱۳۔

۴۴۔ ہندوستان میں اہلِ حدیث کی علمی خدمات ص ۱۹

۴۵۔ حضرت امام ابوسلیمان اسحٰق بن محمد افضل محدث دہلویؒ ۸ ذوالحجہ ۱۱۹۶ھ یا ۱۱۹۷ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ "کافیہ" تک صرف ونحو مولانا عبدالحی صاحبؒ سے پڑھی، فقہ وحدیث اور دیگر درسی کتابیں شیخ عبدالقادرؒ سے پڑھیں اور اس کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے سندِ فراغت حاصل کی۔ شاہ صاحبؒ آپ پر بڑی شفقت فرماتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے اپنی تمام کتابیں بھی آپ کو عنایت فرمادی تھیں ان کی وفات کے بعد آپ ان کی مسند تدریس پر جلوہ افروز ہوئے ۱۲۴۰ھ میں آپ کو حج وزیارت کی سعادت نصیب ہوئی اور آپ نے شیخ عمر بن عبدالکریم بن عبدالرسول مکی المتوفی ۱۲۴۷ھ سے بھی سند حاصل کی اور ہندوستان تشریف لے آئے۔ سولہ سال تک دہلی میں تدریس میں مشغول رہے اور پھر ۱۲۵۸ھ میں اپنے بھائی شاہ محمد یعقوب اور دیگر اہل وعیال سمیت مکہ معظمہ ہجرت کر گئے، وہاں شیخ شریف محمد بن ناصر حازمیؒ نے آپ سے کسبِ فیض کیا۔ آپ کے تلامذہ میں محدث عبدالغنی بن ابی سعید دہلوی، شیخ الکل حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلوی، شیخ عبدالرحمان بن محمد پانی پتی، سید عالم مراد آبادی، مولانا عبدالقیوم بن عبدالحی بڈھانوی، شیخ قطب الدین دہلوی شیخ احمد علی سہارنپوری، شیخ عبدالجلیل شہید کوئلی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، شیخ احمد اللہ انامی رحمہم اللہ اور دیگر بہت سے بڑے بڑے علماء کرام شامل ہیں حتیٰ کہ پاک وہند میں آپ کی سند کے علاوہ اور کوئی سند باقی ہی نہیں وذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ مسرت کی وجہ سے یہ آیت کریمہ بکثرت تلاوت کیا کرتے تھے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَھَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ" حضرت شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے آپ سے افضل کسی عالم کی صحبت میسر نہیں ہوئی آپ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

؎ برائے رہبری قوم فساق　　دوبارہ آمد اسمٰعیل واسحٰق

آپ بروز سوموار ۲۷ رجب ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۸۴۶ء میں روزہ کی حالت میں اللہ کو پیارے ہو گئے اور قبرستان معلیٰ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی قبر کے پاس مدفون ہیں مزید حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیے واقعات دارالحکومت دہلی حصہ دوم ص ۴۱۲، تاریخ دہلی ص ۱۰۶، حدائق

الحنفیہ ص ۴۷۲، الحیاۃ بعد المماۃ ص ۳۸، آثار الصنادید ص ۲۷۵، نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۵۱ - ۵۲، حکایات اولیاء ص ۱۱۴ - ۱۳۰، تراجم علمائے حدیث ہند ص ۱۲۵ - ۱۲۹

۴۶ - حکایات اولیاء ص ۱۲۷

۴۷ - نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۱۹۲ - ۱۹۳ نیز ملاحظہ فرمائیے "تجلیٔ نور"

۴۸ - نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۲۴۲

۴۹ - ایضاً ص ۲۴۲ - ۲۴۴

۵۰ - آثار الصنادید ص ۳۲۵

۵۱ - تذکرۃ الشعراء ص ۹۲ طبع مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ

۵۲ - مزید حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیے :- نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۳۰۶ - ۳۰۷، آثار الصنادید ص ۳۲۵ - ۳۳۱، ریاض الفردوس ص ۱۱۸، سخن الشعراء ص ۳۳۴، تذکرۃ الشعراء ص ۹۲ تذکرۂ اہل دہلی ص ۱۳۱ - ۱۳۸، تذکرۂ شمع انجمن ص ۳۱۸

۵۳ - العلم الخفاق من علم الاشتقاق ص ۱۶۰

۵۴ - سلسلۃ العسجد نمبر ۵۲۵ ص ۱۰۶

۵۵ - ماہنامہ "رحیق" لاہور ج ۲ ش ۴ ص ۱۸۷ مجریہ نومبر ۱۹۵۷ء

۵۶ - حضرت سید ابو احمد حسن بن علی حسینی بخاری قنوجی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۵۳ھ میں وفات پا گئے۔ حضرت شاہ عبد العزیز، رفیع الدین اور عبد القادر رحمہم اللہ سے آپ کو تلمذ حاصل تھا۔ اور حضرت امام صاحبؒ اور مولانا عبد الحی صاحبؒ سے بے پناہ محبت کرتے تھے حضرت سید صاحبؒ سے بیعت تھے۔ ان کی معیت میں خراسان بھی گئے اور لسان، حبان، بیان اور شمشیر و سنان ہر طرح سے جہاد کیا پھر وطن واپس تشریف لے آئے اور تصنیف و تالیف اور وعظ و تذکیر میں مصروف ہو گئے۔ جن لوگوں نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے ہدایت حاصل کی ان کی تعداد تقریباً دس ہزار ہے۔ آپ تقویٰ، عمل، تاثیرِ وعظ، قلتِ حرص، ایثار اور وجاہت و ہیبت کے اعتبار سے اللہ کی نشانیوں میں سے ایک تھے ساری زندگی اطاعتِ الٰہی میں بسر کی غیر مقلد اور عامل بالکتاب والسنۃ تھے۔ آپ کا ارادہ تھا کہ ہندوستان سے ترکِ سکونت کر کے حرمین

شریفین کی طرف ہجرت کر جائیں مگر اللہ کو یہ منظور نہ تھا اور عین عالم شباب میں دارِ آخرت کی طرف ہجرت کر گئے۔ حدیث و تفسیر کی کتابوں کے علاوہ اور کوئی چیز ترکہ میں نہ چھوڑی ان میں سے بھی زیادہ تر آپ کے دستِ مبارک سے لکھی ہوئی تھیں آپ کی تصنیفات نہایت نفع بخش اور زیادہ تر اردو میں اور نظم و نثر دونوں میں کچھ کتابیں عربی و فارسی میں بھی ہیں۔ وفات کے بعد آپ کی قبر پر نور دکھائی دیتا رہا آپ کے احباب میں سے کسی نے "بات بخیر" ۱۲۵۳ سے تاریخ وفات نکالی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ وجعل الجنۃ مثواہ ومنزلہ۔ حضرت نواب صاحب آپ کے صاحبزادہ گرامی ہیں، التاج المکلل ص ۲۹۴ نیز ابجد العلوم اور حضرت نواب صاحب کی کئی دیگر تصنیفات میں بھی آپ کے حالات مرقوم ہیں۔

۵۷۔ نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۳۱۶ - ۳۱۷

۵۸۔ ایضاً ص ۴۱۳

۵۹۔ ایضاً ص ۴۸۶

۶۰۔ نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۵۲۲ - ۵۲۳

۶۱۔ "تذکرۂ صادقہ ص ۱۴۹ ـــ ۱۵۰ مطبوعہ دی آزاد پریس پٹنہ ۱۹۶۴ء

۶۲۔ "تذکرۂ صادقہ ص ۱۵۴

۶۳۔ مولانا ولایت علی صاحب کے مفصل حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیے "تذکرۂ صادقہ ص ۱۴۸ - ۱۸۴ طبع سوم، نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۵۲۴ - ۵۲۵، سرگزشتِ مجاہدین ۲۲۵ ۲۸۱ ہندوستان میں وہابی تحریک ص ۱۳۳ - ۱۷۵

۶۴۔ الحیاۃ بعد الممات ص ۴۰ مطبوعہ ۱۹۵۹ء کراچی

۶۵۔ آثار الصنادید ص ۲۹۱

۶۶۔ نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۳۹۶

۶۷۔ جماعتِ مجاہدین ص ۱۹۳ - ۲۱۳، نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۱۱۹

۶۸۔ مولانا خرم علی ضلع کانپور کے ایک گاؤں بلہور میں پیدا ہوئے۔ درسی کتب پڑھنے کے بعد آپ سید صاحب سے بیعت ہوئے اور ایک مدت تک ان کے ساتھ رہے پھر باندا میں نواب ذوالفقار

خاں کے پاس چلے گئے اور ترجمہ و تصنیف کے فرائض انجام دینے لگے۔ آپ نے فقہ حنفی کی مشہور کتاب "الدر المختار" کا اردو میں "غایۃ الاوطار" کے نام سے ترجمہ شروع کیا۔ ابھی باب الاذان تک ہی پہنچے تھے کہ پیامِ اجل آ گیا، اس کے علاوہ آپ نے "مشارق الانوار" کا ترجمہ و شرح اور "القول الجمیل" کا ترجمہ "شفاء العلیل" کے نام سے کیا۔ علاوہ ازیں "نصیحۃ المسلمین" اور قرأت فاتحہ خلف الامام" آپ کے رسائل ہیں۔ الحـ سنہ ۱۲۷۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۱۵۸۔ ۱۵۹، تراجم علماء حدیث ہند ص ۳۹۴۔ ۳۹۶، "تذکرہ علماء ہند ص ۵۶، حیات سید احمد شہید ص ۲۹۷، جماعت مجاہدین ص ۲۹۴

۶۹۔ نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۱۲۰، تراجم علمائے حدیث ہند ص ۲۸۱۔ ۲۸۲

۷۰۔ مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کی ولادت سنہ ۱۱۶۲ھ میں کاندھلہ میں ہوئی آپ کا سلسلۂ نسب امام رازیؒ کے واسطے سے حضرت صدیق اکبرؓ تک جا پہنچتا ہے آپ نے اپنے نانا شیخ محمد مدرس کاندھلویؒ کی گود میں تربیت حاصل کی۔ کتابت، حساب اور چند چھوٹے چھوٹے رسائل اپنے والد صاحب سے پڑھے پھر دہلی چلے گئے اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے تعلیم حاصل کی۔ ایک مدت تک ان کے پاس رہے اور ان سے بیعت بھی ہوئے طب کی تعلیم اپنے والد صاحب اور دادا جان سے حاصل کی اور پھر نواب ضابطہ خاں کے پاس منصبِ افتاء پر فائز ہوئے ان کی وفات پر بھوپال تشریف لے گئے اور وہاں بھی یہی خدمت انجام دیتے رہے کچھ مدت بعد اپنے شہر واپس آ گئے اور بھائی الحاج کمال الدین کاندھلویؒ سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت ہوئے اور اذکار و اشغال میں مشغول ہو گئے پھر حضرت سید صاحبؒ سے طریقۂ نقشبندیہ کو حاصل کیا اور "الملہمات الاحمدیہ" تصنیف فرمائی جس میں اسی طریقہ کے اذکار و اشغال کے ساتھ ساتھ سید صاحبؒ کے مدائح کو بھی قلمبند کیا اس کے علاوہ آپ "جوامع الکلم"، "شیم الحبیب فی ذکر خصائل الحبیب"، "شرح حضرات الخمس"، "تکملہ مثنوی معنوی" اور کئی دیگر کتابوں کے مصنف ہیں بروز اتوار مورخہ ۱۵ جمادی الأخری سنہ ۱۲۴۵ھ کو اللہ کو پیارے ہو گئے نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۷۰

۷۱۔ حکایاتِ اولیاء ص ۶۸

۷۲۔ جماعتِ مجاہدین ۲۷۹

۷۳ ۔ مولوی محبوب علی بن مصاحب علی دہلوی محرم ۱۲۰۰ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے حضرت شاہ عبدالقادرؒ سے علم پڑھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے سندِ اجازت حاصل کی انہوں نے سید صاحب سے بیعت بھی کی تھی اور آپ کی مدد کے لیے اپنے رفقاء سمیت یاغستان کی طرف جا رہے تھے کہ شیطان نے وسوسوں میں مبتلا کر دیا اور واپس آ گئے۔ اسی کا تذکرہ متن میں کیا جا رہا ہے ۔ ۱۰ ذوالحجہ ۱۲۸۰ھ کو دہلی میں فوت ہوئے۔ ترجمہ کے لیے ملاحظہ فرمائیے نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۴۰۶ ۔ ۴۰۷ ، آثار الصنادید ص ۲۷۸ ، واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ۴۱۴

۷۴ ۔ بالاکوٹ میں حضرت سید احمدؒ اور حضرت امام صاحبؒ کی شہادت کے بعد ہر ایک کی نگاہ بار بار جس پر پڑتی تھی وہ شیخ ولی محمد پھلتی ہی تھے کیونکہ سید صاحبؒ کے رفقاء خاص میں سے جو لوگ زندہ رہ گئے تھے ان میں سے شیخ صاحب ہی افضل تھے۔ لیکن ان کی حالت یہ تھی جیسے کوئی دیوانہ یا حواس باختہ ہو۔ سید صاحب کے غم میں ہوش بجا نہ تھے اکابرین، مجاہدین میں سے تین بزرگ ایسے تھے جو جنگِ بالاکوٹ میں شریک نہ تھے ایک شیخ حسن علی، دوسرے مولوی محمد قاسم پانی پتی تیسرے مولوی نصیر الدین منگلوری۔ بالاکوٹ کے سانحہ اور سید صاحب کے فراق کا غم انہیں بھی سب کے برابر تھا لیکن ان پر حواس باختگی کی وہ کیفیت طاری نہ تھی جس سے دوسرے مجاہدین بری طرح متاثر تھے انہوں نے شیخ ولی محمد کو سمجھایا کہ جماعتی نظام سے بے پروائی اور بے تعلقی کا اظہار سراسر خلاف مصلحت ہے چنانچہ شیخ صاحب نے ان تینوں مشیروں اور جماعت کی بہت بڑی اکثریت کے اصرار پر امیر ثانیاً قبول کر لیا اور سرکردہ اصحاب کے مشورہ اور اتفاق سے باقاعدہ بیعت کا انتظام کیا گیا۔ تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیے سرگزشتِ مجاہدین ص ۲۱ ۔ ۱۲۸

۷۵ ۔ آپ کے ابتدائی حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ آپ کا نام پہلے پہل اس فوج کے سلسلے میں مذکور ہے جو حضرت امام صاحب کی سرکردگی میں پکھلی (ہزارہ) بھیجی گئی تھی ڈمگلہ پر شبخون میں یہ میاں محمد مقیم کے نائب و مشیر تھے انہیں کے ایماء پر غازی سکھ لشکر گاہ سے باہر آئے تھے اور مولوی صاحب خود ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ اس وقت تک سکھوں کا مقابلہ کرتے رہے جب تک غازیوں کا بڑا حصہ باہر نکل کر محفوظ مقام پر نہ پہنچ گیا۔ مولوی صاحب علم و فضل، جنگ تدبیر اور سیاست و ملک داری میں بہت بلند پایہ رکھتے تھے علم دین میں بھی ان کا رتبہ بہت

اونچا تھا راویوں نے لکھا ہے کہ بہت متین دُور اندیش اور حلیم تھے ملاحظہ فرمائیے جماعتِ مجاہدین ص ۱۵۵ - ۱۶۰

۷۶ - پائندہ خاں تنول ریاست امب کا والی تھا جنگِ امب میں اسے مجاہدین کے ہاتھوں شکست ہوئی اور یہ بھاگ گیا شیخ ولی محمد کے دورِ امارت میں اس نے پیغام بھیجا کہ میں سید بادشاہ کے وقت میں شامتِ نفس کے باعث خدمت گزاری کی سعادت سے محروم رہا اب آپ لوگ پنجتار سے اُٹھ کر امب چلے آئیں شاید آپ کی خدمت گزاری کی برکت سے اللہ تعالیٰ میری سابقہ خطائیں معاف کر دے لیکن درحقیقت بات یہ تھی کہ پائندہ خاں کی ہمشیرہ عبدالغفور خاں رئیس اگرور سے منسوب تھی پھر دونوں کے حالات اس قدر کشیدہ ہو گئے کہ شادی توقف میں پڑ گئی جنگِ امب میں شکست کھانے کے بعد جب یہ فرار ہو گیا تو حضرت امام صاحبؒ نے عبدالغفور خاں رئیس اگرور کے بھائی کمال خاں سے کہہ دیا کہ پائندہ خاں کے متعلقین اور اس کا جملہ سامان اس کے پاس پہنچا دیا جائے اس حکم کی تعمیل ہوئی اور خان اگرور نے موقعہ سے فائدہ اٹھا کر منسوبہ سے بطور خود شادی کر لی اس وجہ سے پائندہ خاں اور خوانینِ اگرور کے درمیان مستقل عداوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ مجاہدین کو حبسی کوٹ میں بٹھانے اور اگرور ان کے حوالے کر دینے کی غرض یہی تھی کہ خوانین اگرور کو اپنے علاقے میں استقلال کا موقع نہ ملے گویا اس نے مجاہدین کو آلۂ کار بنا کر خانِ اگرور کو اس علاقہ سے نکلوا دیا۔ آخر کار جب اس کی آرزو پوری ہو گئی، خوانین اگرور بھی کسی نہ کسی طرح اپنے انجام کو پہنچ گئے تو پائندہ خاں نے پھر عہد شکنی کر دی اور ۱۸۴۴ء کو سکھوں سے لڑتا ہوا مارا گیا سرگزشت مجاہدین ص ۶۰ - ۱۱۸، سید احمد شہید ص ۵۲۸ - ۵۷۴، حیاتِ سید احمد شہید ص ۲۴۹ - ۲۵۲

۷۷ - سید احمد علی کی جنگِ پھولڑہ میں ہی شہادت ہوئی جب آپ کا سنگِ چقماق خراب ہو گیا اور بندوق سے کام لینے کی کوئی صورت نہ رہی تو خالی بندوق ہاتھ میں لے کر لٹھ کے طور پر استعمال کرنے لگے۔ اس طرح بھی کئی دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ آخر نیزوں، تلواروں اور گولیوں کے زخموں سے چُور ہو کر گر گئے، گرتے ہی روح اعلیٰ علیین میں پہنچ گئی۔

(سید احمد شہید ص ۵۷۰)

۷۸ - جماعت مجاہدین ص ۲۷۹ - ۲۸۰

(۳)
باب

۱۔ آثار الصنادید ص ۲۷۳-۲۷۴ مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۶۶ء

۲۔ یعنی وہ تبرکات جو کہ محمد شاہ کے دور میں قلعہ سے جامع مسجد میں منتقل کر دیئے گئے تھے لوگوں کے کہنے کے مطابق ان میں سے موئے مبارک، جبہ شریف، نعلین شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے ایک پارہ کلام مجید حضرت علیؓ کے ہاتھوں کا لکھا ہوا تھا نیز ان کا پنجہ بھی تھا امام حسنؓ کا لکھا ہوا قرآن مجید اور امام حسینؓ کا ایک پارہ تھا۔ ان کے علاوہ کچھ اشیاء اور بھی تھیں لیکن ان تبرکات کی صحت کے متعلق کوئی صحیح تاریخی شہادت نہیں تھی۔

۳۔ سورۂ توبہ آیت ۵۱

۴۔ حیاتِ طیبہ ص ۸۴-۹۰، حکایاتِ اولیاء ص ۷۰-۷۲

۵۔ حیاتِ سید احمد شہید ص ۱۴۳

۶۔ ارواحِ ثلاثہ ص ۸۵-۸۷ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۶ء

۷۔ جس نے ہمارے اس دین (اسلام) میں کوئی ایسی چیز ایجاد کر دی جو درحقیقت اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔

۸۔ ارواحِ ثلاثہ ص ۱۰۱-۱۰۳

۹۔ " " " ۱۰۳-۱۰۴

۱۰۔ حیاتِ طیبہ ص ۱۳۱

۱۱۔ حیاتِ طیبہ ص ۱۳۲

۱۲۔ ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۱۱۱

۱۳۔ مرزا حسن علی کی ولادت و نشائت لکھنو میں ہوئی ابتدا میں آپ حنفی تھے پھر شافعی ہو گئے مولانا حیدر علی بن حمد سندیلوی رح۔ شاہ رفیع الدین رح۔ شاہ عبد القادر اور شاہ عبد العزیز رح سے علم حاصل کیا۔ محسن بن یحییٰ ترہتی نے "الیانع الجنی" میں لکھا ہے کہ آپ کو حدیث میں تبحر حاصل تھا اور دیگر علوم میں بھی بلند پایہ رکھتے تھے آپ کی تصنیفات میں سے "تحفۃ المشتاق فی النکاح

والصداق " برہان الخلاف " اور حرمت نجوم و رمل و جعفر " مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے رسائل اور فتاویٰ فقہیہ ہیں۔ ہفتہ کے دن ۲۶ ر رجب المرجب ۱۲۵۵ھ کو فوت ہوئے۔

۱۴۔ حیات سید احمد شہید ص ۱۱۱

۱۵۔ مولانا امام بخش عمری دہلوی بہت بڑے عالم و فاضل اور شاعر تھے صہبائی تخلص کرتے تھے لغت، بیان، بدیع اور لغز میں خصوصی مہارت رکھتے تھے مولانا عبداللہ علوی اور دیگر علمائ سے علم حاصل کیا۔ دہلی کالج میں عرصہ تک تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے سحر البلاغہ دیوانِ فارسی، انشار کے بارے میں چند رسائل اور فارسی کی چند درسی کتابوں کی شروح آپ کی علمی یادگار ہیں ۱۲۷۳ھ میں گھر میں مقتول پائے گئے۔ نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۷۳، آثار الصنادید ص ۳۳۱ - ۳۴۰

۱۶۔ اکبر شاہ ثانی (۱۸۰۶ء تا ۱۸۳۷ء) شاہ عالم ثانی (ف ۱۸۰۶ء) کا لڑکا اور بہادر شاہ ظفر کا باپ تھا۔ اس کی بادشاہت محض شاہانہ القاب تک محدود تھی اور اس نے اپنی زندگی محل کے گوشۂ عافیت میں برطانوی کمپنی کے وظیفہ خوار کی حیثیت سے گزاری۔

۱۷۔ سید محمد اسحٰق صاحبؒ نے علم و مشیخت کی گود میں آنکھ کھولی ابتدا میں تحصیل علم کے لیے لکھنؤ تشریف لے گئے تھے پھر دہلی چلے گئے اور شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ سے حدیث و تفسیر کی کتابیں پڑھیں اور ان علوم میں درجۂ کمال حاصل کر لیا خصوصاً تفسیر کے ساتھ تو آپ کو بہت زیادہ شغف تھا۔ آپ کو کتابیں جمع کرنے کا بھی بہت شوق تھا صرف فنِ تفسیر کی دوسو کتابیں آپ کے پاس تھیں عربی و فارسی میں شعر بھی کہتے تھے دوسو شعر کا ایک قصیدہ علمِ میراث میں لکھا اور اس کی شرح بھی کی۔ لغوی مسائل بھی نظم کیے اور ایک فارسی قصیدہ میں اہلِ بدر کے اسمائے گرامی جمع کر دیئے آپ ۶ ر جمادی الاخریٰ ۱۲۳۴ھ (۲ ر اپریل ۱۸۱۹ء) کو رائے بریلی میں فوت ہوئے اور وہیں اپنے نانا سید ابوسعید صاحبؒ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۵۲ - ۵۳، سید احمد شہید ص ۵۷

۱۸۔ سید احمد شہید ص ۱۴۷

۱۹۔ حیاتِ سید احمد شہید ص ۳۰۵

۲۰ ۔ جلال الدین محمد اکبر عمر کوٹ (سندھ) میں ۲۳ر نومبر ۱۵۴۲ء (۴ر شعبان ۹۴۹ھ کو پیدا ہوا۔ وہ ہمایوں کا پہلا فرزند تھا۔ ہمایوں کی وفات پر ۱۴ر فروری ۱۵۵۶ء میں تخت پر بٹھا دیا گیا اور اس کا اتالیق بیرم خاں نائب السلطنت مقرر ہوا۔ ۵ر نومبر ۱۵۵۶ء میں اکبر نے پانی پت کے تاریخی میدان میں جرنیل ہیمو بقال کو شکست دی۔ ۱۵۸۱ء میں اس نے اپنے نام نہاد "دینِ الٰہی" کو سرکاری مذہب قرار دے دیا۔ اکتوبر ۱۶۰۵ء میں بعارضہ پیچش آگرہ میں وفات پائی اور وہاں سے تین میل کے فاصلہ پر سکندرہ میں دفن کیا گیا جہاں اس نے اپنے مقبرہ کی تعمیر کا کام شروع کرا رکھا تھا۔

۲۱۔ بیرم خاں بدخشاں کا رہنے والا تھا۔ تمام عمر ہمایوں کا نہایت وفادار ساتھی رہا۔ جنگِ قنوج میں شیر شاہ کے ہاتھوں گرفتار ہوا مگر بعد میں بچ نکلا اور ہمایوں کی صحرانوردی میں شریک رہا ہمایوں کے قیامِ ایران اور تخت کی بازیابی میں یہ ہمیشہ اس کا دست و بازو رہا۔ خدمات اور خوبیوں کی بدولت ہمایوں کی طرف سے اسے خانِ خاناں کا خطاب ملا اور اکبر کا اتالیق مقرر کر دیا گیا۔ اکبر کی تاجپوشی کے بعد بیرم خاں نے نائب السلطنت کے فرائض سنبھالے اور چار سال تک اس قدر گراں خدمات سر انجام دیں کہ سلطنتِ مغلیہ کو استحکام نصیب ہو گیا۔

۲۲۔ نور الدین محمد جہانگیر اکبر کا لڑکا تھا۔ ۳۰ر اگست ۱۵۶۹ء کو پیدا ہوا۔ اکبر نے وفات سے کچھ پہلے اس کے سر پر شاہی پگڑی رکھنے اور اس کی کمر میں ہمایوں کی تلوار لٹکا دینے کا اشارہ کیا: چنانچہ ۱۶۰۵ء میں جہانگیر تختِ شاہی پر بیٹھا ۱۶۱۱ء میں مرزا غیاث بیگ کی لڑکی مہر النساء سے شادی کی جو بعد میں نورجہاں کے نام سے مشہور ہوئی جہانگیر نہایت زیرک ذہین، وسیع قلب اور انصاف پسند تھا، علماء، فضلاء، شعراء اور فن کاروں کا قدردان تھا خود بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا لیکن اچھا جرنیل ہونے کے باوجود آہنی قوتِ ارادی کا اس میں فقدان تھا۔ اور اس کی دوسری بڑی کمزوری کثرتِ شراب نوشی تھی ۲۸ر اکتوبر ۱۶۲۷ء کو جہانگیر نے راجوری کے مقام پر بعارضہ دمہ وفات پائی اس کی نعش کو لاہور لایا گیا اور شاہدرہ کے قریب دِل کشا باغ میں دفن کر دیا گیا۔

۲۳۔ بہادر شاہ اول کا اصلی نام محمد معظم تھا وہ ۱۶۴۳ء میں پیدا ہوا اور اورنگ زیب کا دوسرا لڑکا تھا اورنگ زیب نے اسے شاہ عالم کا خطاب دیا تھا۔ عہدِ عالمگیری میں ۱۲ سال تک دکن کا صوبے دار رہا۔ ۱۶۸۷ء میں گولکنڈہ کی مہم کے دوران قطب شاہ سے سازباز کے الزام میں گرفتار ہوا اور سات سال تک قید میں رہا۔ ۱۶۹۹ء میں اورنگ زیب کی وفات تک کابل کا صوبیدار رہا ان کی وفات کے بعد بہادر شاہ کا لقب اختیار کیا، اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا اور دہلی و آگرہ پر قبضہ کر لیا۔ اس نے پانچ سال کی حکومت کے بعد ۱۷۱۲ء میں وفات پائی۔

۲۴۔ تاریخ ہندوستان ج ۹ ص ۳۷ از مولانا ذکاء اللہ دہلوی مطبوعہ شمس المطابع دہلی ۱۸۹۸ء۔

۲۵۔ قمر الدین حسینی سونی پتی دہلوی نے خود امام عبد العزیزؒ سے شاہ عبد القادرؒ و شاہ رفیع الدینؒ کی مشارکت میں علم پڑھا اور مدت دراز تک ان کے پاس رہے۔ ان کا شمار جلیل القدر شعراء میں ہوتا تھا۔ جب یہ لکھنؤ گئے تو وہاں شیعہ کے جال میں پھنس گئے اور مذہب شیعہ اختیار کر لیا پھر جب حیدر آباد گئے تو چندو لعل کی طرف سے انہیں بڑی جاگیریں اور انعام ملے ان کا دیوان اردو و فارسی کے ڈیڑھ لاکھ اشعار پر مشتمل ہے۔ انچاس برس کی عمر میں ۱۲۰۸ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۳۹۰، تاریخ ادب اُردو ص ۴۲۵۔ ۲۵۵ مصنفہ رام بابو صاحب سکسینہ ترجمہ مرزا محمد عسکری مطبوعہ عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور۔

۲۶۔ مولوی دلدار علی نصیر آبادی پہلے شخص ہیں جنہوں نے ہندوستان میں اجتہاد کا دعویٰ کیا انہوں نے ہی پہلی دفعہ شیعہ جماعت کی مذہبی تنظیم کی اور نماز جمعہ و نماز باجماعت کا سلسلہ شروع کیا ان کی ولادت نصیر آباد میں ۱۷۵۳ء میں ہوئی ہندوستان میں علوم عقلیہ کی تحصیل کے بعد عراق چلے گئے اور کربلا و نجف کے اساتذہ سے فقہ و حدیث اور اصول کی تعلیم حاصل کی پھر مشہد بھی گئے اور واپسی پر لکھنؤ میں تصنیف و تالیف اور تنظیم شیعہ میں مصروف ہو گئے۔ ۴ مئی ۱۸۲۰ء میں فوت ہوئے اور لکھنؤ میں مدفون ہیں۔

۲۷۔ مرزا محمد کامل بن عنایت احمد خاں کشمیری مقیم دہلی حاذق طبیب تھے شیعہ و سنی

مسائل میں بڑی دلچسپی رکھتے تھے شاہ عبدالعزیزؒ سے ان عنوانات پر بحث کرتے رہتے تھے جب آپ کی کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" چھپ کر آئی تو انہوں نے اس کے جواب میں "نزہت اثنا عشریہ" لکھی۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی کتب لکھیں۔ ۱۸۲۰ء میں فوت ہوئے اور دہلی میں دفن کیے گئے۔

۲۸۔ مفتی محمد قلی کنتوری مشہور شیعہ علماء میں سے ہیں ۱۱۸۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اساتذہ لکھنؤ سے علم کی تحصیل کی اور پھر مولوی دلدار سے فقہ و اصول اور حدیث کی تعلیم حاصل کی یہ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں ان پانچ کتابوں کے علاوہ جن کا ذکر متن میں کیا گیا ہے انہوں نے شیخ رشید الدین کی ایک کتاب — جو کہ انہوں نے "سیف ناصری" کی تردید میں لکھی — کا جواب "الاجوبۃ الفاخرہ" کے نام سے لکھا "صراطِ مستقیم" کے جواب میں "الفتوحات الحیدریہ" لکھی، شیخ رشید الدین کی کتاب "الشوکۃ العمریۃ" کے رد میں "الشعلۃ الظفریۃ" نامی کتاب لکھی۔ اس کے علاوہ انہوں نے "نفاق الشیخین بحکم احادیث الصحیحین" — "تطہیر المؤمنین عن نجاسۃ المشرکین" "تقریب الافہام فی تفسیر آیات الاحکام" اور بہت سے دیگر رسائل لکھے۔ ۱ر محرم الحرام ۱۲۶۰ھ کو فوت ہوئے نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۴۶۰ – ۴۶۱

۲۹۔ مولوی محمد بن دلدار علی ۱۷ر صفر ۱۱۹۹ھ میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ زیادہ تر علم اپنے والد سے پڑھا انیس سال کی عمر میں مسندِ تدریس پر بیٹھے علم کلام اور اصول میں بڑی مہارت رکھتے تھے شاہانِ اودھ بالخصوص امجد علی شاہ اور واجد علی شاہ ان کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے انہوں نے "تحفہ" کی تردید میں دو رسالے لکھے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی کتب اور رسائل لکھے ۱۲۸۴ھ (۲۴ر جولائی ۱۸۶۷ء) کو فوت ہوئے اور اپنے خاندانی قبرستان میں مدفون ہیں۔ نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۴۱۵ – ۴۱۶، رودِ کوثر ص ۶۲۴ – ۶۲۵

۳۰۔ ماخوذ از رودِ کوثر ص ۵۹۲ – ۵۹۳

۳۱۔ حیات سید احمد شہید ص ۱۰۹ – ۱۱۰

باب (۴)

۱۔ پرتگیزی یعنی اہل پرتگال یورپین اقوام میں سے سب سے پہلے برصغیر پاک و ہند میں آئے

واسکوڈے گاما نے کالی کٹ کے راجہ زمورن کے دربار میں حاضر ہو کر مراعات حاصل کر لی تھیں ابتداء میں پرتگیزوں کو ایران اور عرب کے تاجروں کی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا لیکن آہستہ آہستہ یہ تمام حریفوں پر غالب آ گئے اور برصغیر کی بحری تجارت پر مکمل طور پر ان کا کنٹرول ہو گیا۔ انہوں نے راجہ زمورن کو بھی شکست دے دی اور تھوڑے ہی عرصہ میں گوا، دمن، کوچین، کالی کٹ اور سنگلی وغیرہ بہت سے مقامات پر تجارتی مراکز قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے اور بہت سے دیگر مقامات پر انہوں نے اپنے قلعے بھی تعمیر کیے ان کا بحری بیڑا بہت مضبوط اور جدید اسلحہ سے لیس تھا اس لیے انہوں نے مسلمان تاجروں کو بحری لڑائیوں میں شکست دی۔

۲۔ تفسیر عزیزی بحوالہ سید احمد شہید ص ۱۷۸

۳۔ سید زین العابدین حضرت سید احمد صاحبؒ کے خواہر زادہ تھے آپ انتہائی عابد و زاہد بزرگ تھے نواب وزیر الدولہ والئی ٹونک کے پاس مدت تک قیام پذیر رہے وہ آپ کا بہت احترام کرتے تھے آپ ان کی نیابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے ۶۱ سال کی عمر میں ۲۳ رجب ۱۲۸۱ھ کو انتقال فرمایا سیرت علمیہ، نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۱۹۰

۴۔ وقائع بحوالہ سید احمد شہید ص ۱۸۰

۵۔ ابو الفتح فتح علی ٹیپو سلطان بن حیدر علی خان ۱۷۵۰ء میں دیوانِ ہلی کے مقام پر پیدا ہوئے انہوں نے اپنی زندگی کا اہم ترین مقصد یہ قرار دیا کہ وطن کو انگریزوں کی غلامی سے نجات دلا دیں ۱۷۹۰ء میں سلطان اور انگریزوں کے درمیان میسور کی تیسری جنگ ہوئی جس میں اپنوں کی غداریوں اور غیروں کے عدمِ تعاون کے سبب سلطان کو فتح نہ ہو سکی مگر انہوں نے ہمت نہ ہاری اور کمال مستعدی اور لیاقت سے ملک کو ہر خوشحالی سے ہمکنار کر دیا مگر ۱۷۹۹ء میں میسور کی چوتھی جنگ میں سالاروں کی غداروں کی وجہ سے نہ صرف شکست ہوئی بلکہ دادِ شجاعت دیتے ہوئے سلطان نے شہادت پائی۔ ٹیپو سلطان ایک جانباز مجاہد، شیر دل سپہ سالار، عظیم مدبر، ناظم مملکت، مادر وطن کا عظیم سپوت اور ملتِ اسلامیہ کا نامور مجاہد تھا۔ آپ کی شہادت کی خبر سنتے ہی جنرل ہارس نے کہا تھا "آج ہندوستان ہمارا ہے" آپ کا یہ ارشاد تاقیامت غازیانِ راہِ حریت کے لیے مشعلِ راہ رہے گا کہ "شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے بہتر ہے۔"

۶۔ مولانا وجیہ الدین سہارنپوریؒ مشہور حنفی عالم ہیں۔ آپ مولانا عبدالحی صاحبؒ کے شاگرد تھے سندِ فراغت بھی انہی سے حاصل کی مدت تک سہارنپور میں درس و تدریس میں مشغول رہے مولانا احمد علی صاحب سہارنپوریؒ کے آپ تایا اور استاد تھے انہوں نے "صحیح بخاری" کا درس آپ سے لیا تھا۔ آپ ابتداءً حضرت امام صاحبؒ کے مخالف تھے حتیٰ کہ "تقویۃ الایمان" کا رد بھی لکھا لیکن بعد میں مخالفت سے تائب ہو گئے اور اپنی کتاب دہلی میں جا کر حضرت امام صاحبؒ کے سامنے پھاڑ ڈالی اور اس روز سے حضرت امام صاحب کے عاشقِ زار بن گئے۔

۷۔ یہ بات درست نہیں کیوں کہ حضرت سید صاحبؒ "دریا لبقا" نامی جہاز پہ سوار جماعت کی قیادت کے فرائض انجام دے رہے تھے اور حضرت امام صاحبؒ "فیضِ ربانی" جہاز کے امیر تھے اور پھر خود اس حکایت کے ابتداء میں بھی صراحت ہے کہ آپ سید صاحب کے جہاز میں سوار نہیں ہوئے بلکہ دوسرے جہاز میں سوار ہوئے تھے۔

۸۔ حکایاتِ اولیاء ص ۸۸۔۹۰

۹۔ حیات سید احمد شہید ص ۱۵۵

باب (۵)

۱۔ سورۂ توبہ آیت ۱۱۱

۲۔ الصف آیت ۱۰۔۱۱

۳۔ التوبہ آیت ۱۹۔۲۰

۴۔ الصف آیت ۴

۵۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم۔ عن ابی ہریرہؓ

۶۔ 〃 〃 〃 〃 〃

۷۔ 〃 〃 〃 〃 〃

۸۔ سورہ بقرہ آیت ۲۱۶

۹۔ سورہ توبہ آیت ۲۴

۱۰۔ ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۹۰

۱۱۔ ” ” ” ” ۸۹

۱۲۔ ہندوستان میں وہابی تحریک ص ۲۹ مصنفہ ڈاکٹر قیام الدین مترجمہ پروفیسر محمد مسلم عظیم آبادی مطبوعہ کراچی

۱۳۔ سید احمد شہید ص ۲۳۶۔ ۲۳۷

۱۴۔ مولانا محمد جعفر ولد میاں جیون تھانیسر ضلع انبالہ کے باشندے تھے تقریباً ۱۸۳۲ء میں ولادت ہوئی دس بارہ برس کے تھے کہ والد کے سایہ سے محروم ہو گئے مروجہ تعلیم کے حصول کے بعد ۱۸۵۶ء میں مقامی عدالتوں میں عرائض نویسی شروع کر دی مولانا عنایت علیؒ کی ہجرت سرحد کے بعد جب جماعتی نظام ۱۸۴۹ء میں مولانا یحییٰ علی کے سپرد ہوا تو مولانا تھانیسریؒ نے بھی ان کے زیر ہدایت اپنے فرائض انجام دیئے اور یہ تو یقینی امر ہے کہ ۱۸۵۶ء سے قبل آپ ذمہ دارانہ طور پر تحریک میں شامل ہو گئے تھے ۱۲ دسمبر ۱۸۶۳ء میں مجاہدین کے ساتھ تعاون کے پیش نظر خانہ تلاشی ہوئی اور مقدمہ چلایا گیا ۲ مئی ۱۸۶۴ء کو مقدمہ کا فیصلہ سنایا گیا کہ تمام منقولہ و غیر منقولہ جائیداد ضبط ہے اور پھانسی کی سزا ہے ستمبر ۱۸۶۴ء سے فروری ۱۸۶۰ء تک آپ انبالہ جیل میں رہے ۲۲ فروری ۱۸۶۵ء کو لاہور جیل سے روانہ ہوئے آخر اکتوبر ۱۸۶۵ء کو انڈمان روانگی ہوئی اور بمبئی سے ہوتے ہوئے ۱۱ جنوری ۱۸۶۶ء کو انڈمان پہنچ گئے ۹ نومبر ۱۸۸۳ء کو ۱۷ سال ۱۰ ماہ کے بعد انڈمان سے ایک بیوی، آٹھ بچے اور آٹھ ہزار روپیہ نقد لے کر ہندوستان آئے اور ۱۳ نومبر ۱۸۸۳ء کو کلکتہ پہنچ گئے اور پھر انبالہ میں سکونت اختیار کر لی بالآخر وہیں ۱۹۰۵ء میں اس مرد مجاہد کا انتقال ہو گیا "سوانح احمدی" (حیات سید احمد شہید۔ نئے اڈیشن کا نام) اور "کالا پانی" (تواریخ عجیب) آپ کی تصنیفات ہیں "مکتوبات سید احمد شہید" بھی آپ کے ترتیب دیئے ہوئے ہیں مفصل حالات کے لیئے ملاحظہ فرمایئے "کالا پانی عرف تواریخ عجیب" "سرگذشت مجاہدین، ہندوستان میں وہابی تحریک،" "آور انڈین مسلمانس" "سلیکشن فرام بنگال گورنمنٹ ریکارڈ دی آن وہابی ٹرائلس، سلیم التواریخ از صوفی اکبر علی (جالندھر ۱۹۱۹ء)

۱۵۔ اصل کتاب میں یہ لفظ اسی طرح ہے صحیح لفظ "نار" ہے

۱۶۔ حیات سید احمد شہید ص ۱۲۵

۱۷۔ تواریخ عجیبہ ص ۵۷

۱۸۔ مکاتیب شاہ اسمٰعیل ص ۵۷

۱۹۔ روشنیہ فرقہ کا بانی میاں بایزید انصاری المعروف بہ پیر روشن یا پیر روخاں ۱۵۲۵ء میں جالندھر میں پیدا ہوا ان کے والد عبد اللہ عالم و قاضی تھے۔ بایزید نے قرآن مجید اپنے والد کے ایک خلیفہ سے پڑھا اور "عمدۃ الاسلام" اور "منیر" وغیرہ فقہ کی کتابیں بھی پڑھیں اور اپنے والد سے "قدوری" اور "لباب الاخبار" کو پڑھا۔ مرشد کامل کی جستجو میں لگے رہے حتیٰ کہ اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ اپنے چچازاد بھائی خواجہ اسمٰعیل انصاری کے مرید ہو جائیں مگر والد نے مخالفت کی اور شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ کے خاندان سے بیعت ہونے کا مشورہ دیا جسے انہوں نے تسلیم نہ کیا بالآخر خود ہی بڑی ریاضتیں اور عبادتیں شروع کر دیں اور نتیجۃً ان عقائد اور خیالات کا اظہار کیا جنہیں وہاں کے علماء و رؤسا نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو پیر روشن کابل سے پشاور چلے گئے وہاں کا حاکم بھی ان کا مخالف ہو گیا پھر پشاور سے علاقہ مہمند زئی میں چلے گئے اور وسیع پیمانے پر کام شروع کر دیا یہاں سے انہوں نے اپنی کتاب "صراط التوحید" اکبر کے پاس بھیجی اکبر نے اس پر خوشی کا اظہار کیا اور ان کی خدمت میں تحائف بھیجے لیکن اس کے بعد جلد ہی پیر روشن اور مغلوں کے درمیان لڑائیاں شروع ہو گئیں اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہی تھا کہ ۹۸۰ھ (۱۵۷۲ء) میں پیر روشن کا انتقال ہو گیا تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے "پاکستان میں فارسی ادب" از ڈاکٹر ظہور الدین احمد "تذکرہ صوفیائے سرحد" از مولانا اعجاز الحق قدوسی، "حالنامہ" قلمی مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری "مخزن الاسلام" بزبان پشتو از اخوند درویزہ صاحب۔

۲۱۔ کننگھم ص ۲۶۵ بحوالہ ہندوستان میں وہابی تحریک ص ۳۵۴۔ ۳۵۵ مصنفہ ڈاکٹر قیام الدین احمد۔ مترجمہ پروفیسر محمد مسلم عظیم آبادی ایم اے مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۷۲ء۔

۲۲۔ مثلاً مولانا عبد الرحیم عظیم آبادیؒ مؤلف "تذکرہ صادقہ" نے انگریزوں کی رحمدلی، عدل گستری اور رواداری کی تعریف کی ہے نیز مولانا ولایت علیؒ و عنایت علیؒ کی انگریزوں کے خلاف جدوجہد کو خفیف کر کے دکھایا ہے۔

بعد میں یہ سلسلہ مضامین سوسائٹی اخبار میں ۲۴ر نومبر ۱۸۷۱ء سے ۲۲ر فروری ۱۸۷۲ء تک اُردو ترجمے کے ساتھ شائع ہوتا رہا۔ ۱۸۷۴ء میں میڈیکل ہال بنارس سے کتابی شکل میں شائع ہوا۔ حافظ احمد حسین بدایونی (المتوفی ۱۸۸۷ء) نے بھی اسے بصورتِ کتاب اُردو انگریزی میں لندن سے شائع کیا۔ حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی رح نے اپنے مجلہ "اشاعت السنہ" ج ۱۱ نمبر ۴ میں اس کا اردو ترجمہ شائع کر دیا تھا۔ اور پھر اقبال اکیڈمی لاہور نے بھی اس کا اردو ترجمہ شائع کیا۔

۲۳۔ حضرت مولانا ابوسعید محمد حسین بن شیخ عبدالرحیم بٹالہ ضلع گورداسپور میں ۱۷ر محرم ۱۲۵۶ھ کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وطنِ مالوف میں حاصل کی اور پھر سوئے دہلی روانہ ہو کر مولانا مفتی صدرالدین آزردہ رح، مولانا گلشن علی جونپوری رح اور مولانا نور الحسن رح سے علومِ معقول و منقول، فقہ اور اصولِ فقہ کی تکمیل کر کے سنہ ۱۲۸۱ھ میں سندِ فراغت حاصل کی۔ آپ نے حدیث شریف کی سب کتابیں حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے پڑھیں اور سنہ ۱۲۸۲ھ میں آپ سے سند حاصل کی۔ حضرت میاں صاحب رح نے آپ کی سند میں خاص طور پر یہ فقرہ تحریر فرمایا "ان له زيادة صحبة معي و مزيد اختصاص بي على غيره من الطلبة" آپ حضرت میاں صاحب رح اور حضرت شیخ عبداللہ غزنوی رح (متوفی سنہ ۱۲۹۸ھ) سے بیعت بھی تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ دہلی سے لاہور تشریف لے آئے اور مسجد چینیاں والی میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع فرما دیا اور ساتھ ہی "سفیر ہند" امرتسر میں مضامین کا سلسلہ شروع فرما دیا۔ سنہ ۱۲۹۴ھ (۱۸۷۷ء) میں اپنے ماہنامہ "اشاعت السنۃ النبویۃ" کا اجراء فرمایا جو کہ کم و بیش ۲۵ سال تک جاری رہا اس میں تمام مضامین و مقالات اپنے ہی ہوتے تھے شاذ و نادر ہی کسی دوسرے کے مضمون کے لیے گنجائش نکلتی تھی بہت سے لوگوں نے استفادہ و تلمذ کی شکل میں بھی آپ سے کسبِ فیض کیا۔ ۱۸۹۵ء میں امیر عبدالرحمٰن کی دعوت پر آپ کابل تشریف لے گئے آپ کی تصانیف میں سے [1] البرہان الساطع المشروع فی ذکر الاقتداء بالمخالفین فی الفروع" (غیر مطبوعہ) [2] "منح الباری فی ترجیح البخاری"۔ [3] البیان فی رد البرہان"۔ [4] الاقتصاد فی مسائل الجہاد"۔ [5] ترجمہ رسالہ "الایقاف فی سبب الاختلاف" (مصنفہ مولانا محمد حیات سندھی متوفی سنہ ۱۱۶۳ھ) [6] التحذیر عن التدبیر"۔ [7] مفتح الکلام فی حیوۃ المسیح علیہ السلام رسالہ [8] مذہب و معاشرت"۔ [9] رسالہ اثبات نبوت"۔ [10] رسالہ النظر فی التفرقة بین الاسلام و الزندقة للغزالی" [11] مذہب و لا مذہبی، [12] رسالہ تقدیر اور جبر و اختیار، [13] اعادہ رحمانی، [14] بغض و تہاجر"، [15] ولادتِ مسیح، [16] تورات و انجیل کی نسبت

اسلامی عقائد، ۔۔۔ اسلام صحیح مطابق ہے، اعتراضات کے جواب، حدیث کے متعلق بحث، مباحث وغیرہ۔ ترمذی، اہلحدیث نامہ نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۵ وغیرہ لیکن تاریخ افکار میں سے سوائے رسالے دو پیام اشاعت السنہ میں طویل مقالات کی شکل میں شائع ہوئے ہیں۔ ۔۔۔ ۱۳۳۲ھ ۲۰ جنوری ۱۹۲۰ء کو ۵۸ برس کی عمر میں بعارضہ قلب انتقال فرمایا اور شیالکوٹ میں دفن کئے گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

۲۴۔ شیخ الاسلام حضرت ابوالوفا مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت امرتسر میں ہوئی۔ والد ماجد کا نام خضر جو تھا جو کشمیر کے اسلام آباد ضلع سرینگر سے ترک سکونت کرکے امرتسر تشریف لے آئے تھے۔ سات سال کی عمر میں آپ کے والد ماجد اور چودہ سال کی عمر میں والدہ محترمہ کے سایۂ شفقت سے محروم ہو گئے۔ آپ نے ابتدائی دینی تعلیم امرتسر میں مولوی احمد اللہ صاحب سے تعلیم حاصل کی۔ پھر استاذ پنجاب حضرت حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی کی خدمت میں پہنچے اور کتب درسیہ کی تکمیل کے بعد ۱۳۰۷ھ میں ان سے سند فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد آپ شمس العلماء حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے بھی آپ نے سند حاصل کی۔ پھر دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں بھی آپ نے کتب معقول و منقول پڑھیں۔ پھر کانپور جا کر مولانا احمد حسن صاحب سے بھی تعلیم حاصل کرکے ۱۳۱۰ھ میں سند حاصل کی۔ فراغت کے بعد مدرسہ تائید الاسلام امرتسر میں مسند تدریس کو رونق بخشی۔ تصنیف کے میدان میں بھی آپ کے اشہب قلم نے خوب خوب جولانیاں دکھائی ہیں اور بے شمار کتابیں آپ کی یادگار ہیں۔ تردید عیسائیت، مرزائیت اور آریہ ازم آپ کے خاص موضوع تھے۔ مرزائیت کی تردید میں آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں حتیٰ کہ خود اقرار فرماتے تھے کہ قادیانی تحریک کے متعلق میری کتابیں اتنی ہیں کہ مجھے خود ان کا شمار یاد نہیں۔ آپ کی وجہ سے تنگ آ کر مرزا جی نے ۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ نامی اشتہار شائع کیا اور نتیجہ وہ کہ حضرت ابوالوفا بہت عرصہ جیتے رہے۔ حضرت مرحوم کو تفسیر کے ساتھ بھی خصوصی شغف تھا۔ تفسیر ثنائی، تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن، بیان الفرقان علی علم البیان اور تفسیر بالرائے آپ کی مشہور تفسیریں ہیں۔ علاوہ ازیں آپ نے اخبار اہلحدیث کے نام سے ایک ہفت روزہ بھی جاری کیا جو قریباً چالیس سال تک نشر و اشاعت اسلام اور خدمت دین میں گامزن رہا۔ فن مناظرہ میں تو آپ یکتائے روزگار تھے شاید چشم فلک نے آپ سے بڑا مناظر کوئی نہ دیکھا ہو۔ قیام پاکستان کے بعد

آپ امرتسر سے لاہور اور لاہور سے گوجرانوالہ تشریف لائے۔ چند ماہ قیام کے بعد اہل و عیال سمیت سرگودہا تشریف لے گئے۔ سرگودہا میں مسجد اہلحدیث نہ تھی۔ اس کے لیے کوشش فرمائی اور چند دن کے بعد، تمام زندگی اسلام و ملتِ اسلامیہ کی خدمت میں بسر کرنے والے یہ نابغۂ روزگار، عبقری زماں اور "رحیل الہیٰ" ۱۹۴۸ء کو اپنے اللہ کے حضور جا پہنچے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ ۲۰ر فروری ۱۹۶۸ء گوجرانوالہ) ایک مقام پر رقمطراز ہیں

"سرگودہا کا قبرستان کس قدر خوش نصیب ہے جس نے ایک محدث، ایک مفسر، مجالس کے بادشاہ اور فنِ مناظرہ کے امام کو اپنی آغوش میں جگہ دی۔ آہ! جو دنیا کے ہر گوشہ میں مجالس کی رونق تھا جس کے بغیر مجلسیں بے رونق اور سونی ہوتی تھیں آج پورے سکون کے ساتھ گوشۂ تنہائی میں آرام کی نیند سو رہا ہے اور جماعتِ اہلحدیث ان کے فیوض سے اس وقت محروم ہوئی جب کہ وہ ان کے مشوروں کی پیشتر سے زیادہ محتاج تھی ؎

بڑے شوق سے سن رہا تھا زمانہ
تمہیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

۲۵۔ ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۱۷۳

۲۶۔ " " " " ۳۱۵

۲۷۔ " " " " ۱۷۹

۲۸۔ تفصیل ان کی خود نوشت سوانح حیات "کالا پانی" میں ملاحظہ فرمایئے۔ مطبوعہ طارق اکیڈمی فیصل آباد۔

۲۹۔ مرزا غلام احمد قادیانی ۱۸۳۷ء میں پیدا ہوا یہ ایک معمولی آدمی تھا، ملازمت کے سلسلہ میں کچھ عرصہ سیالکوٹ رہا، اسی عرصہ میں اس نے ایک کتاب لکھی جو کہ اتفاق سے لوگوں کو پسند آئی بس اسی وقت سے مرزا جی کے دل میں حبِ جاہ کا شوق پیدا ہوا اور پھر اس نے مہدی، مسیح موعود، نبی اور نہ معلوم کیا کیا ہونے کا ڈھونگ رچایا۔ مرزا جی چونکہ انگریز کا خود کاشتہ پودا تھے اس لیے اس نے اپنی عمر کا اکثر حصہ سلطنتِ انگریزی کی تائید و حمایت میں گزارا۔ مرزا جی نے اپنے نہ ماننے والوں کو حرامزادے

ولدالحرام، جنگلوں کے سؤر اور ان کی عورتوں کو کُتیوں سے بڑھ کر قرار دیا ہے اور اسی طرح اس کے "الہامات" بھی اس قدر خرافات کا پلندہ ہیں کہ انہیں نقل کرتے ہوئے بھی حیا آتی ہے۔

۳۰۔ تبلیغِ رسالت ج ۷، ص ۱۹

۳۱۔ نور الحق حصّہ اول ص ۳۳۔ ۳۴

۳۲۔ تریاق القلوب ص ۲۶

۳۳۔ ستارۂ قیصرہ ص ۷۰

۳۴۔ تریاق القلوب ص ۲۵

۳۵۔ "الفضل" ۷؍ستمبر ۱۹۱۸ء

۳۶۔ "الفضل" ۳؍دسمبر ۱۹۱۸ء

۳۷۔ ستارۂ قیصرہ ص ۱۰

۳۸۔ مکتوبات سیّد احمد شہید ص ۸۰ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی

۳۹۔ سیّد احمد شہید ص ۲۳۹۔ ۲۴۰

۴۰۔ شہادت گاہِ بالاکوٹ ص ۳۱۷۔ ۳۱۸

۴۱۔ ازالہ اوہام ص ۴۰۰۔ ۴۰۱

۴۲۔ " " " "

۴۳۔ اس سلسلہ میں راقم الحروف کا ایک مضمون "آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی شان میں مرزائے قادیانی کی گستاخی اور مرزائیوں کا غلط پروپگنڈہ" ملاحظہ فرمائیے ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور ج ۲۳ شمارہ ۳۔ ۲۰؍اگست ۱۹۷۱ء شمارہ ۴، ۲۷؍اگست ۱۹۷۱ء۔

۴۴۔ مکاتیبِ شاہ اسمٰعیلؒ ص ۵۲

۴۵۔ مکاتیبِ شاہ اسمٰعیلؒ ص ۵۵

۴۶۔ " " " " ۳۷، ۳۸ ومکتوباتِ سیّد احمد شہید ص

۴۷۔ مکاتیبِ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ص ۱۷۰

۴۸۔ حکیم مومن خاں مومنؔ ۱۲۱۵ھ ۱۸۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ شاہ عبدالقادر صاحبؒ سے عربی کی کتابیں

پڑھیں۔ والد اور چچا سے طب کی تعلیم حاصل کی اور نجوم میں بھی کمال حاصل کیا ابتداء میں شاہ نصیر کو اپنا کلام دکھاتے تھے مگر چند روز کے بعد ان سے اصلاح لینی چھوڑ دی اور اپنی ہی ذہانت و طباعی پر بھروسہ کرتے تھے۔ فارسی میں بھی مہارتِ تامہ رکھتے تھے فارسی دیوان اب ناپید ہے اردو کلیات میں غزلیں، رباعیاں، قطعات، قصیدے اور مثنویاں سب کچھ موجود ہے آپ کے دیوان کو نواب مصطفٰے خاں شیفتہ نے ترتیب دیا تھا جو کہ ۱۸۴۶ء میں مولوی کریم الدین صاحب نے شائع کیا۔ مومن کے تلامذہ میں سے نواب مصطفٰے خاں شیفتہ، میر حسین تسکین۔ میر غلام علی وحشت اور اصغر علی خاں نسیم وغیرہ خاص طور پر مشہور ہیں۔ ۱۸۵۲ء (۱۲۶۸ھ) میں مومن خاں کا انتقال ہوا۔ تاریخ ادب اُردو ص ۳۶۰-۳۶۵، واقعات دارالحکومت دہلی حصہ دوم ص ۴۲۴، آثار الصنادید ص ۳۴۲-۳۴۷ نیز ملاحظہ فرمایئے حیاتِ مومن، آبِ حیات، گلِ رعنا، گلشن بے خار، گلستانِ بے خزاں، گلستانِ سخن وغیرہ۔

۴۹- فتاویٰ عزیزیہ ج ۱ ص ۱۷ مطبوعہ مجتبائی۔

۵۰- " " " ص ۱۰۵

۵۱- مولانا عبید اللہ سندھی جنوری ۱۸۹۱ء میں دینی تعلیم کی تکمیل کے بعد سندھ تشریف لے آئے اور امروٹ ضلع سکھر میں مولانا ابوالحسن تاج محمود کے پاس سکونت اختیار کر لی انہوں نے آپ کی شادی کا انتظام کیا، گھر دیا اور مطالعہ کے لیے ایک کتب خانہ کا انتظام بھی کر دیا دورانِ مطالعہ مولانا سندھیؒ نے امام محمد اسمٰعیل شہیدؒ کے سوانح حیات، تحریکِ احیائے دین اور دعوتِ تجدید کا مطالعہ کیا بلکہ "تقویۃ الایمان" کا مطالعہ ہی آپ کے مشرف بہ اسلام ہونے کا ذریعہ بنا تھا جیسا کہ انہوں نے خود "التمہید" میں تصریح فرمائی ہے۔ سندھ کے دورانِ قیام میں ہی مولانا سندھی نے حضرت امام صاحبؒ کے مکتوبات سے استفادہ کر کے ایک اسلامی و انقلابی پروگرام بھی بنایا تھا اور سندھ میں کچھ عرصہ اس کے مطابق کام بھی کرتے رہے۔ آپ نے "جمعیتہ الانصار" اور "نظارۃ المعارف" کے نام سے دو تنظیمیں بھی قائم کیں ۱۹۱۵ء میں کابل گئے، سات سال قیام کے بعد ۱۹۲۲ء میں روس گئے وہاں سے ۱۹۲۳ء میں ترکی گئے اور ایک عرصہ تک قیام کرنے کے بعد حجاز تشریف لے گئے یہ تمام اوقات آپ نے سیاسی سرگرمیوں میں بسر کیے اور آزادی کے متعلق گفتگو کی۔ ہندوستان واپس آنے

کے بعد بھی سیاسی سرگرمیوں میں مصروف رہے بالآخر ۱۹۴۴ء میں انتقال فرما گئے رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

۵۲۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۶۴۔ ۶۵ مطبوعہ ساگر اکادمی لاہور ۱۹۵۲ء۔

۵۳۔ فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۲۹۱

۵۴۔ فتاویٰ بر عقائدِ وہابیہ و دیوبندیہ ص ۴ مرتبہ منشی محمد لعل خاں صاحب مدراسی رضوی خلیفہ مولانا احمد رضا خاں۔

۵۵۔ حکایاتِ اولیاء ص ۹۲۔

۵۶۔ آثار الصنادید ص ۲۷۴۔

۵۷۔ سید محمد یعقوبؒ، سید صاحبؒ کے برادرِ اکبر سید ابراہیم کے صاحبزادے تھے ان سے سید صاحب کا دوہرا رشتہ تھا کہ ان کی والدہ سیدہ فاطمہ سید صاحب کی دوسری اہلیہ سیدہ ولیہ کی حقیقی بہن تھیں اس لیے سید صاحب آپ کو بہت عزیز جانتے تھے آپ سید صاحبؒ کے ساتھ حج کو بھی گئے اور ہجرت بھی کی سید صاحبؒ نے آپ کو بھی سید عبدالرحمٰن کے ساتھ ٹونک سے واپس بھیج دیا تھا پھر مستورات کے ساتھ سندھ میں رہے۔ نواب وزیرالدولہ نے آپ کو ایک بڑے عہدہ کی پیشکش کی لیکن اسے قبول نہ فرمایا اور پچاس روپے ماہوار وظیفہ پر زندگی گزار دی نہایت عابد و زاہد تھے ۱۲۸۷ھ (۱۸۷۰ء) میں وفات پائی۔

۵۸۔ امجد خاں گنتی کے باشندے تھے میمنہ کی قیادت کرتے ہوئے سرحد پہنچے۔ شنکیاری کی جنگ تک سرحد میں موجود تھے اس جنگ کی تفصیلات آپ سے بھی منقول ہیں پھر آپ کو ایک خاص کام کے لیے ہندوستان بھیج دیا گیا۔

۵۹۔ سید صاحبؒ نے جب پہلی مرتبہ کانپور کا دورہ کیا تو سب سے پہلے بیعت کرنے والوں میں سے ایک اللہ بخش خاں بھی تھے آپ اس وقت نہایت سجیلے اور کڑیل جوان تھے اکوڑہ میں جب سکھوں پر شبخون مارنے کا فیصلہ کیا گیا تو اللہ بخش کو غازیوں کا سپہ سالار بنا دیا گیا تھا آپ نے شجاعت کے جوہر دکھاتے ہوئے، اپنے سے پچاس ساٹھ گنا لشکر کو مارتے مارتے

پیچھے ہٹا دیا اور بالآخر خود بھی جامِ شہادت نوش فرما گئے۔

۶۰۔ ہمارے ہندوستانی مسلمان

۶۱۔ حیات سید احمد شہید ص ۲۱۷

۶۲۔ عبدالمجید خاں آفریدیؒ جہان آباد (رائے بریلی) کے باشندے تھے آپ بخار میں مبتلا ہونے کی وجہ سے بہت کمزور ہو گئے تھے اس لیے آپ کا نام فہرست میں شامل نہیں کیا گیا تھا جو کہ ان قوی و توانا غازیوں کی تھی جو جنگِ اکوڑہ میں شبخون کے لیے منتخب کئے گئے تھے جب آپ کو معلوم ہوا تو فوراً سید صاحبؒ کی خدمت میں پہنچے اور بڑے اصرار کے ساتھ اپنا نام بھی درج کرا لیا آپ نے بہت کمزوری کے باوجود شجاعت کے خوب جوہر دکھائے چودہ آدمیوں کو ایک تلوار سے قتل کیا۔ وہ ٹوٹ گئی تو مولانا امیرالدین نے اپنی تلوار دے دی اور "از آں ہم چند کس را کشتند" اور بالآخر خود بھی جامِ شہادت نوش فرما گئے۔ سقی اللہ ثراہٗ۔

۶۳۔ مولوی خیرالدین شیرکوٹیؒ نے سید صاحبؒ کے حکم سے قاسم خیل میں گولے ڈھالنے کا کارخانہ بنایا تھا اور مولوی احمد اللہ ناگپوری بھی ان کے شریکِ کار تھے۔ جنرل ونتورا سے بھی انہوں نے ہی سید صاحبؒ کی طرف سے گفتگو کی تھی۔ فتح امب کے بعد آپ کو چھتر بائی کی حکومت دے دی گئی تھی فتح پشاور کے بعد آپ کو قاضی القضاۃ کے عہدہ کی پیشکش کی گئی مگر آپ نے معذرت کر دی ۱۰ فروری ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ پہنچ گئے تھے لیکن بعد میں سید صاحبؒ کے فرمانے سے اس لشکر میں شریک ہو گئے جسے مظفر آباد بھیجا گیا تھا۔ مظفر آباد سے واپسی پر جنگِ بالاکوٹ کی صبح کو دریا کے مشرقی کنارے اس جگہ پہنچ گئے جہاں پل بنا ہوا تھا۔ مگر پل کو ٹوٹا ہوا پایا کیونکہ بحکم سید صاحبؒ اسے توڑ دیا گیا تھا۔ یہ دیکھ کر آپ اور آپ کے ہمراہ دیگر غازی درۂ کاغان کی طرف لوٹے تاکہ کسی گھاٹ سے دریا عبور کر سکیں جب وہ بالاکوٹ کے شمالی پہاڑوں پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ جنگ ختم ہو گئی ہے اور بہت سے غازی جامِ شہادت نوش فرما گئے ہیں۔ مولانا شیرکوٹیؒ علم و فضل، جنگ، تدبر اور سیاست و ملک داری اور علمِ دین میں بہت بلند پایہ رکھتے تھے بہت ہی متین، دور اندیش اور حلیم تھے جماعتِ مجاہدین ص ۱۵۵۔ ۱۶۰

۶۴۔ ملا شاہ سید پیڑ منگ (درہ نندھیاڑ) سے تعلق رکھتے تھے ضلع ہزارہ میں مجاہدین کی ابتدائی پیش قدمی کے وقت آپ حضرت امام صاحبؒ کے شریک کار تھے اور یورشِ ہنڈ میں بھی شریک تھے فتح

ہنڈ کے بعد خادے خاں کے رشتہ داروں نے اس کے قتل کے بعد لوگوں کو برانگیختہ کرنا شروع کیا تو حضرت امام صاحبؒ نے آپ کو خط دے کر پنجتار بھیجا تاکہ سید صاحبؒ کو صورتِ حال کی اطلاع دی جاسکے دس بارہ مجاہدین بھی آپ کے ہمراہ تھے جن میں سے آپ اور کالے خاں شاہین چی تھے اس گروہ نے ہنڈ سے چار میل کے فاصلہ پر شاہ منصور میں رات بسر کی خادے خاں کے اقربا کو جب علم ہوا تو انہوں نے اچانک اس چھوٹی سی جماعت پر حملہ بول دیا ملا شاہ سیدؒ نے کئی آدمیوں کو مارا اور زخمی کیا آپ پر ہجوم ہوا تو پیچھے ہٹتے ہٹتے کنوئیں میں گر گئے بدطینت دشمنوں نے اُوپر سے دو تین پتھر ڈال دیئے اور یہ عاشق پاک طینت جام شہادت نوش فرما گیا۔ حضرت امام صاحبؒ نے آپ کی میّت کنوئیں سے نکلوائی اور دوسرے شہداء کی میتوں کے ساتھ چارپائیوں پر ڈال کر ہنڈے آئے اور وہاں ان تمام مقدس شہداء کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ جماعتِ مجاہدین ص ۲۵۷ - ۲۵۹ -

۶۵ - سید محمد مقیمؒ ، نواب احمد علی خاں والئی رامپور کے نائب میاں کریم اللہ کے بھائی تھے سید صاحب کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے جو اصحاب سب سے پہلے مجاہدین کے قافلے لے کر سرحد پہنچے ان میں سید محمد مقیمؒ بھی تھے جو چالیس پچاس غازیوں کے ساتھ گئے تھے جنگِ ڈمگلہ میں آپ سالارِ لشکر تھے۔ ہزارہ سے واپسی کے بعد انہیں اپنے بھائی کی وفات کی اطلاع پہنچی آپ تو واپس جانے کے لیے تیار نہیں تھے لیکن سید صاحبؒ نے حکماً واپس بھیج دیا۔ رامپور میں اونچے عہدے پر فائز رہے ایک ریاستی کی سرکشی کے انسداد کے لیے پالکی میں بیٹھ کر اچانک گولیوں کی بوچھاڑ آئی اور آپ شدید زخمی ہو گئے اور کچھ دیر بعد وفات پا گئے۔

۶۶ - آپ اہلِ سرحد میں سے تھے حضرت امام صاحبؒ نے اپنے مکتوبات میں آپ کے علم و فضل ، اخلاص و تقویٰ اور عقل و دانش کی بہت ستائش فرمائی ہے ایک موقع پر لکھا :-

> "ملا اسمٰعیل اخوند زادہ نہایت ہوشیار و دیانتدار ہیں اور مشاورت و مصالحت میں پختہ کار وہ ان اطراف (ہزارہ) کے تمام فضلاء کے پیش کار ہیں اور جملہ خوانین کے معتمد۔ دین کے کام میں بجان مصروف ہیں اور تالیف و ترغیب میں بہ دل مشغول"

بحوالہ جماعت مجاہدین ص ۲۸۱

۶۷ - بھٹ گرام (علاقہ نندھیاڑ) کے رئیس تھے ابتداء میں ہی سید صاحب سے وابستگی پیدا

کر لی تھی بالاکوٹ میں سید صاحبؒ کے ساتھ اور مختلف مشوروں میں شریک تھے جب میدان میں یہ افواہ پھیلی کہ سید صاحبؒ کو گوجر اٹھا کرلے گئے ہیں تو دوسرے مجاہدین کے ساتھ یہ بھی روانہ ہو کر بالاکوٹ کے عقبی پہاڑ پر پہنچے تھے آپ نے جنگِ بالاکوٹ کے دو تین سال بعد وفات پائی۔ جماعت مجاہدین ص ۲۸۳

۶۸۔ سیدؒ احمد شہید ص ۴۱۹

۶۹۔ خواجہ صاحبؒ، سید صاحبؒ کے خاص مریدوں میں سے تھے ہر اہم موقع پر مشیروں یا رفیقوں میں آپ کا نام ضرور آتا ہے جنگِ بالاکوٹ کے وقت سید صاحبؒ نے ایک ارحالق، سفید پاجامہ، دستار اور پشاوری لُنگی خاص طور پر زیب تن فرمانے کے لیے دی۔ معرکہ بالاکوٹ میں ہی آپ نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

۷۰۔ سید احمد شہید ص ۴۲۱ - ۴۲۲

۷۱۔ سید احمد شہید ص ۴۲۲

۷۲۔ منظورۃ السعداء بحوالہ سید احمد شہید ص ۴۲۵

۷۳۔ سید احمد شہید ص ۴۲۷

۷۴۔ کمال خان رئیس اگرور عبدالغفور خاں کا بھائی تھا یہ دونوں بھائی اس توقع پر مجاہدین کے ساتھ تعاون کرتے تھے کہ اگرور میں از سرِ نو ریاست قائم کرنے کا بندوبست ہو جائے گا لیکن مجاہدین پائندہ خاں کے تعاون سے حبسی کوٹ پہنچے تھے اور اس کا تعاون مقاصدِ جہاد کے لیے زیادہ مفید تھا اس لیے مجاہدین عبدالغفور خاں اور کمال خاں کو اگرور میں آباد کرنے پر آمادہ نہ ہوئے عبدالغفور خاں نے سکھوں سے خفیہ ساز باز شروع کر دی اس لیے مقامی آبادیوں اور ولایتی مجاہدوں نے بطور خود عبدالغفور خاں اور کمال خاں کو ختم کرنے کی سکیم بنالی۔ اور اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے سرگزشتِ مجاہدین ص ۹۹ - ۱۰۴

۷۵۔ ناصر خاں بھٹ گرام (علاقہ نندھیاڑ) کے رئیس تھے ابتدائی دور ہی میں سید صاحبؒ سے وابستگی پیدا کر لی تھی۔ اور بالاکوٹ میں بھی ساتھ تھے ان کا مورچہ ست بنے کے کنارے شیخ ولی محمد کی جماعت کے بائیں ہاتھ تھا۔ اس جنگ میں ان کا ہاتھ زخمی ہوا۔ جنگِ بالاکوٹ سے دو

تین سال بعد وفات پائی ۔ جماعتِ مجاہدین ص ۲۸۲

۷۶۔ حیاتِ سیّد احمد شہیدؒ ص ۲۳۸ ۔ نفیس اکیڈمی کراچی دسمبر ۱۹۶۸ء

۷۷ ۔ سیّد احمد شہیدؒ ص ۴۵۳ - ۴۵۴ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۶۸ء

۷۸ ۔ سیّد ابو محمد نصیر آبادیؒ، سیّد صاحبؒ کی پہلی اہلیہ محترمہ زہرہ بی بیؒ کے خالہ زاد بھائی تھے آپ نے مختلف جنگوں میں شرکت فرمائی جب دُرانیوں نے یورش کی اور غازی پیچھے ہٹے تو آپ بھی ان میں شامل تھے ۔ چھیدا جو کہ آپ کے گھر کا آدمی تھا جب درانیوں میں گھر گیا تو اس نے گھبرا کر آپ کو آواز دی اسی کا بیان ہے کہ میری آواز سنتے ہی آپ نے باگ موڑی اور آ کر درانی سواروں سے لڑنے لگے میں موقع پا کر نکل گیا وہ لڑتے رہے ۔ میں نے دور سے دیکھا کہ انہوں نے دو دُرانی سواروں کو مار گرایا پھر خود ہی زخم کھا کر گھوڑے سے گر گئے قاضی گل محمدؐ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک جگہ سیّد ابو محمدؒ کو زخمی پڑے ہوئے دیکھا زخم ایسے کاری تھے کہ ان کے حواس بجا نہ تھے ۔ میں نے کئی بار ان کے کان میں پکار کر کہا ۔" سیّد ابو محمدؐ ! حضرت امیر المؤمنین کو فتح حاصل ہوئی ہے "۔ وہ ہونٹ چاٹ رہے تھے اور آہستہ آہستہ الحمد للہ الحمد للہ کہہ رہے تھے مجھے کچھ جواب نہ دیا ۔ میں نے ساتھیوں کو آواز دی کہ انہیں اٹھاؤ ۔ کمل میں رکھ کر اٹھایا ۔ کچھ دیر بعد جاں بحق ہو گئے غفر اللہ لہٗ ۔ جماعت مجاہدین ۔ ص ۱۴۷ - ۱۴۹

۷۹ ۔ میاں جی محی الدین چشتیؒ سیّد صاحبؒ کے مخلص ارادت مند تھے جب شاہ بخارا کے پاس سفارت بھیجنے کی تجویز پختہ ہو گئی تو سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ کوئی موزوں آدمی منتخب کیا جائے تو حضرت امام صاحبؒ نے آپ کا نام تجویز فرمایا ۔ آپ نقد روپیہ، سامان اور نو رفقاء کو لے کر باجوڑ ہوتے ہوئے چترال، چترال سے بدخشاں اور پھر فیض آباد پہنچے ۔ پانچ دن کے بعد وہاں سے قندز روانہ ہو گئے ۔ آپ نے چھ ساتھیوں کو تو قندز میں چھوڑا اور تین کو ہمراہ لے کر بخارا پہنچے شاہِ بخارا نے عزت و تکریم سے اتارا ۔ پہلے تو بڑی گرمجوشی سے ملتا رہا ۔ لیکن بعد میں درباریوں کی غلط بیانیوں کی وجہ سے شاہ بدظن ہو گیا ۔ میاں جی پانچ مہینے ٹھہرے رہے اور جب محسوس فرمایا کہ مزید قیام کا کوئی فائدہ نہیں تو واپسی کا ارادہ کر لیا ۔ شاہ نے کچھ تحائف دے کر رخصت کر دیا ۔ میاں جی کے اس سفر میں دو سال صرف ہوئے ۔ آپ کا ذکر جنگِ مایار میں بھی آیا ہے ۔

معذوری کے باعث آپ جنگِ بالاکوٹ میں شرکت نہ کرسکے۔ جماعتِ مجاہدین ص ۱۸۶۔ مولانا تھانیسریؒ نے یہاں "میاں نظام الدین چشتی" نام لیا ہے۔ حیات سیّد احمد شہیدؒ ص ۲۳۹ واللہ اعلم بالصواب۔

۸۰۔ ان نو حضرات کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔ شیخ عجب اللہ ساکن کھڈّا اشکار پور (ضلع مظفر نگر) نصیر الدین، رحیم بخش، اسمٰعیل خاں، ہمّت خاں، فتح یاب خاں، حکیم عبد الحکیم دہلوی اور دو آدمی قندھاری تھے۔

۸۱۔ نامہ مبارک کے مکمل متن کے لیے ملاحظہ فرمائیے "مکتوباتِ سیّد احمد شہید ص ۷۷۔ ۸۵ از مولانا تھانیسریؒ"، مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی۔ طبع اوّل جنوری ۱۹۶۹ء

۸۲۔ قاضی سیّد محمد حبّان کانڑا غوربند (سرحد آزاد) کے باشندے تھے بہت بڑے عالم، ذکی الطبع، غیّور اور خوش تقریر تھے کچھ مدت کلکتہ میں مدرس بھی رہے۔ سیّد صاحبؒ کے خہر میں زمانۂ قیام میں بیعت ہوئے۔ پائندہ خاں تنولی سے صلح ان ہی کی کوششوں سے ہوئی تھی انہوں نے حضرت امام صاحبؒ کی معیّت میں چھ سو آدمیوں کو ساتھ لے کر پورے علاقہ سرحد کا دورہ کیا اور ہر جگہ شرعی احکام نافذ کر دیئے۔ ہوتی اور مردان کے رئیس نے مخالفت کی اور درانیوں کو ساتھ ملا کر حملہ کرنے کا پروگرام بنایا تو آپ نے بھی حضرت امام صاحبؒ اور رسالدار عبد الحمید خاں کے مشورہ سے مردان پر یورش کر دی۔ اگرچہ قصبہ قبضے میں آگیا لیکن آپ کو جامِ شہادت بھی نوش فرمانا پڑا۔ آپ کے بھائی قومی دستور کے مطابق میّت کو چارپائی پر ڈال کر وطن لے گئے چنانچہ آپ اپنے وطن میں ہی آسودۂ خاک ہیں۔ نور اللہ مرقدہٗ۔ جماعت مجاہدین ص ۱۵۱۔ ۱۵۲

۸۳۔ سیّد احمد شہید ص ۴۶۳۳۔ مولانا غلام رسول مہر۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۶۸ء

۸۴۔ حیات سیّد احمد شہیدؒ۔ مولانا محمد جعفر تھانیسری مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۸ء

۸۵۔ چنگیز خاں (۱۱۵۵ء۔ ۱۲۲۷ء) روس کی اقلیم میں پیدا ہوا یہ مشہور تاتاری بادشاہ اور خاندانِ مغلیہ کا جدِّ اعلیٰ تھا کہتے ہیں کہ یہ جب پیدا ہوا تو اس کے ہاتھ میں گوشت کا ایک

خون آلود ٹکڑا تھا جو کہ اس کی خون ریزیوں کی طرف اشارہ تھا چنانچہ اس کی فتوحات نے چین سے لے کر بحرِ اسود تک کی سلطنتوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ خونیں فتوحات کی وجہ سے اسے قہرِ الٰہی کہا جاتا ہے۔ یاد رہے برصغیر پاک و ہند میں مغلیہ سلطنت کے بانی ظہیر الدین محمد بابر (۱۴ فروری ۱۴۸۳ء ۲۶ دسمبر ۱۵۳۰ء) کا شجرۂ نسب ماں کی طرف سے چنگیز خاں سے ملتا ہے۔

۸۶۔ ہلاکو خاں بن تولی خاں بن چنگیز خاں نے ۶۵۶ھ میں بغداد پر حملہ کر کے اسے محاصرہ میں لے لیا تھا محاصرہ طول پکڑ گیا تو بغداد کے لوگ اشیائے خوردنی کے میسّر نہ آنے کے باعث بھوک سے مرنے لگے۔ عباسی خلیفہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس نے ہلاکو خاں سے صلح کی درخواست کی اور اپنے بیٹوں کو ہمراہ لے کر اس کے پاس چلا گیا۔ ہلاکو نے صلح کی درخواست مسترد کر کے ان کے قتل کے احکام جاری کر دیئے اور دوسرے روز شہر کے لوگوں کو گھروں سے باہر نکال کر تاتاری فوج نے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو بھی معاف نہ کیا گیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے مسلمانوں کے قیمتی کتب خانوں کو بھی نذرِ آتش کر دیا اور ہزارہا کتابوں کو دریائے دجلہ میں بہا دیا۔ الغرض ہلاکو خاں نے بغداد کو کھنڈرات اور راکھ کا ڈھیر بنا دیا تھا۔

۸۷۔ تیمور لنگ (۱۳۳۶ء۔ ۱۴۰۵ء) سمرقند کے قریب مقام "کش" میں پیدا ہوا اس نے رعب و دبدبہ کے ساتھ اقتدار پر تسلط جمایا اور خوارزم، کاشغر، خراسان، فارس، سوریا اور مصر وغیرہ بے شمار علاقوں کو فتح کر لیا۔ بغداد کی اس نے اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ سمرقند اس کا دارالحکومت تھا جہاں اس نے کاریگروں، ہنرمندوں، ماہرینِ فنون اور علماء کے ایک جمِ غفیر کو جمع کر دیا تھا یہ انتہائی سنگدل بادشاہ تھا۔ بابر کا سلسلۂ نسب باپ کی طرف سے ایشیا کے اسی نامور فاتح سے جا ملتا ہے۔

۸۸۔ حیات سید احمد شہید ص ۲۴۰ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۸ء

۸۹۔ مرزا احمد بیگؒ نے تمام لڑائیوں میں شرکت کی۔ بالاکوٹ میں یہ اپنے پہاڑی راستہ پر تعین ہوئے تھے؛ چنانچہ سکھوں کی سب سے پہلے مرزا احمد بیگؒ کی فوج سے ہی مڈبھیڑ ہوئی تھی آپ بڑی مردانگی سے لڑے تھے اور سید صاحبؒ کو خبر بھی بھیج دی لیکن کمک پہنچنے سے پیشتر سکھ فوج کے سیل نے مرزا کی چھوٹی سی جماعت کو پیچھے ہٹاتے ہٹاتے مٹی کوٹ کے ٹیلے پر پہنچا دیا تھا۔ مرزا کے

کچھ ساتھی چلے نالے پر شہید ہوئے اور غالباً وہیں دفن ہوئے، اس مقام کو آج کل شہید گلی کہتے ہیں۔ اس کے بعد مرزا کو بالاکوٹ بلایا گیا۔ وہ خود اور ان کے بقیۃ السیف ساتھیوں میں سے غالباً اکثر بالاکوٹ ہی میں شہید ہوئے۔ جماعت مجاہدین ص ۲۵۰ - ۲۵۲ از مولانا غلام رسول مہر کتاب منزل۔ لاہور۔

۹۰۔ سیّد احمد شہید ص ۴۹۰

۹۱۔ سورۃ النساء آیت ۵۹

۹۲۔ سیّد احمد شہید ص ۴۹۱

۹۳۔ " " " ۴۹۶

۹۴۔ سیّد احمد شہید ص ۴۹۶ ــ ۴۹۷

۹۵۔ ارباب بہرام خاں تہکال کے رئیس تھے سیّد صاحبؒ کے خہر جانے سے پیشتر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا جمیع مال و اسباب سیّد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر کر دیا، سیّد صاحبؒ نے دو گھوڑے اور دو تلواروں کے سب کچھ واپس کر دیا اور فرمایا کہ ہتھیار اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دو اور انہیں ایک تلوار تبرکاً اپنے پاس سے بھی دی ارباب بہرام خاںؒ سیّد صاحبؒ سے وابستگی کے بعد ایک لمحے کے لیے بھی الگ نہ ہوئے تنگی پر شبخون کے علاوہ باقی کارہائے نمایاں میں سے اتمان زئی اور پشاور پر پیش قدمی کے موقع پر خہر کی سمت کے قبائل کو امداد پر آمادہ کرنا، پنجتار میں متعلقین سمیت ایک تیر کے فاصلہ پر شہتوت کے باغ میں قیام، کوہ کبیرڑی (نزد عشرہ) کی جنگ میں مجاہدین کی سالاری، قیام پنجتار کے دوران سیّد صاحبؒ کو علاقے کے دورے کا مشورہ اور پشاور پر پیش قدمی کے موقعہ پر گورکھتری کے دروازہ کلاں پر قیام جس کے اندر کی حویلی میں سیّد صاحبؒ ٹھہرے تھے وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔ آپ نے بھی بالاکوٹ میں ہی جام شہادت نوش فرمایا۔ تلخیص از جماعت مجاہدین ص ۱۷۴۔ ۱۷۷۔ مولانا غلام رسول مہر۔ کتاب منزل لاہور۔

۹۶۔ مولانا مظہر علی عظیم آبادیؒ نے سیّد صاحبؒ کی دعوت کے آغاز میں ہی بیعت کی آپ بلند پایہ عالم دین اور بڑے غیور شخص تھے آپ کے وعظ و ارشاد سے بہت سے لوگوں نے ہدایت

پائی آپ نے کئی جنگوں میں شرکت فرمائی جنگِ مردان میں سخت زخمی ہونے کے باوجود اپنی حقیقی حالت جنگ ختم ہونے تک کسی پر ظاہر نہ ہونے دی اسی وجہ سے ان غازیوں میں سے آپ دوسرے ہیں جن کے اس جنگ میں کارناموں کو امام صاحبؒ نے بطورِ خاص قابلِ ذکر قرار دیا۔ فتح پشاور کے بعد آپ کو وہاں کا قاضی مقرر کیا گیا لیکن کچھ عرصہ بعد سلطان محمد خاں نے آپ کو ضروری مشورہ کے بہانے ایک کمرے میں بلایا اور دھوکہ سے شہید کر دیا۔ آپ بہت بڑے عالم، متقی، ذکی الطبع صاحب اخلاق پسندیدہ اوصاف حمیدہ، سیّد صاحبؒ کے مخلص معتقد اور محبِ راسخ تھے۔ موصوف سپہ گری کے فن میں یکتائے زمانہ اور شجاعت و بہادری میں یگانہ مانے جاتے تھے" جماعت مجاہدین ص ۱۶۶ - ۱۶۹ حیات سید احمد شہید ص ۲۷۶ - ۲۷۷ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی۔

۹۷۔ سید احمد شہید ص ۵۲۷ غلام علی اینڈ سنز لاہور سنہ ۱۹۶۸

۹۸۔ شیخ بلند بخت سردہنہ میں سیّد صاحبؒ سے ملے تھے فنونِ سپہ گری اور دیگر اوصاف و محاسن کی وجہ سے ممتاز تھے پائندہ خاں تنولی نے فرار ہوتے وقت جو زنبورکیں چھوڑیں انہیں آپ ہی احتیاط کے ساتھ لائے۔ امب کے محصورین سے گفتگو بھی آپ نے ہی کی چھتر بائی کے محاصرہ کے طول پکڑ جانے کی وجہ سے جب آپ پنجتار توپیں لینے کے لیے چلے گئے تو آپ کے برادر اصغر شیخ علی محمد شہیدؒ ہو گئے جب آپ کو اس غم انگیز خبر کا علم ہوا تو فرمانے لگے "الحمد للہ، ہمارا بھائی جو مراد لے کر آیا تھا، وہ پوری ہو گئی، ہم سب کو اللہ تعالےٰ شہادت نصیب کرے۔ چنانچہ آپ نے بھی بالاکوٹ میں جام شہادت نوش فرمایا۔ جماعتِ مجاہدین ص ۱۶۱ - ۱۶۵ -

۹۹۔ آپ نے مختلف جنگوں میں شرکت فرمائی۔ جنگِ عشرہ میں آپ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ حضرت امام صاحبؒ نے آپ کی شہادت کی خبر سنی تو فرمایا :-

> دشمن سے رزم و پیکار کے لیے انسانوں کی قسمیں ہوتی ہیں بعض صاحبِ تدبیر، بعض شجاع و دلاور اور بعض دونوں خصوصیتوں کے جامع ہوتے ہیں۔ آپ کا یہ ارشاد اس حقیقت کے اظہار کے لیے تھا کہ امام خاں دونوں خصوصیتوں کے جامع تھے۔

۱۰۰۔ صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب غزوۃ موتہ من ارض الشام

۱۰۱۔ رسالدار عبدالحمید خاں ٹونک میں ممتاز عہدے پر فائز تھے آپ نے جھلانہ میں سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تمام لڑائیوں میں شریک رہے جنگِ زیدہ کے بعد جب کسی مستقل رسالدار کی ضرورت محسوس ہوئی تو امام صاحبؒ نے آپ کا نام تجویز فرمایا اور ارباب بہرام خاں نے تصدیق کی انتظام عشر کے سلسلہ میں آپ قاضی سید حبانؒ کے ساتھ رہے۔ جنگِ مایار میں شجاعت و جوانمردی کے خوب جوہر دکھائے جس طرف باگ اٹھاتے، دشمن کی صفیں چیر کر رکھ دیتے۔ تین چار مرتبہ درانی لشکر میں گھسے اور تلواریں مارتے ہوئے بالکل پار نکل گئے۔ ان حملوں میں خود بھی زخموں سے چور ہو گئے حتیٰ کہ گھوڑے سے بھی گر پڑے لیکن زبان سے اُف تک نہ کی۔ وفات کے متعلق اختلاف ہے ایک روایت کے مطابق تورو لیکن دوسری کے مطابق پنجتار میں واصل بحق ہوئے۔ (جماعت مجاہدین ص ۱۷۸ - ۱۸۱)

۱۰۲۔ حافظ عبداللطیف مولوی عبدالحق کے بھائی اور شیخ فضل اللہ کے صاحبزادے تھے آپکا اصل وطن نیوتنہ ضلع اناؤ تھا۔ چھتر بائی کا واقعہ کسی بدنیتی نہیں بلکہ سوء تدبیر کا نتیجہ تھا۔ جنگِ بالاکوٹ کے بعد آپ واپس آ گئے تھے۔ سید جعفر علی نقوی نے لکھا ہے کہ میرٹھ کی ایک مسجد میں ٹھہرے ہوئے تھے کسی نے کہہ دیا کہ یہ سید صاحبؒ کے پاس سے بھاگ کر آئے ہیں یہ سن کر آپ کو بہت غصہ آیا اور منبر پر کھڑے ہو کر بہت گرم وعظ فرمایا جسے سن کر سب لوگ مدارات کے لیے بڑھے لیکن آپ مسجد سے باہر تشریف لے گئے اور کسی کی مدارات قبول نہ کی۔ جماعت مجاہدین ص ۲۸۴ - ۲۸۵

۱۰۳۔ سید عبدالرؤف باڑہ ضلع ہشت نگر کے باشندے تھے تحریک کے آغاز میں ہی اس سے وابستہ ہو گئے تھے۔ جنگِ شیدو، سفرِ پنجگلی اور جنگِ اتمان زئی میں شریک رہے اتمان زئی کے رئیس عالم خاں کی خرابیِ نیت کی پہلی اطلاع آپ ہی نے سید صاحبؒ کو پہنچائی تھی۔

(جماعت مجاہدین ص ۲۷۱)

۱۰۴۔ سید احمد شہید ۵۸۷

۱۰۵۔ وصایا الوزیر حصہ دوم ص ۱۰۸

۱۰۶۔ منظورۃ السعدا بحوالہ سید احمد شہید ص ۶۴۲

۱۰۷۔ " " " " " ص ۶۴۳

۱۰۸ ۔ "دہلی اور اس کے اطراف" ص ۱۱۳ ۔ مولانا حکیم سیّد عبدالحی ۔ ندوۃ العلماء لکھنو طبع اوّل جون ۱۹۵۸ء ۔

۱۰۹ ۔ دہلی اور اس کے اطراف ص ۱۱۸

۱۱۰ ۔ وصایا الوزیر حصّہ دوم ص ۱۰۹

۱۱۱ ۔ مولانا نصیر الدینؒ منگلور ضلع سہارنپور کے باشندے تھے ۔ ابتدائی دور سے سیّد صاحبؒ کے ساتھ رہے اور آپ کی شہادت کے بعد جماعت کی مجاہدانہ سرگرمیوں کو اعلیٰ پیمانے پر قائم رکھنے کا سہرا انہیں کے سر تھا ۔ آپ شجاعت اور حسنِ تدبر کا پیکر تھے تقریباً ۱۸۳۸ء تک مجاہدین کی سالاری عامہ کا منصب بھی آپ کو حاصل رہا ۔ فتح خاں پنجتاری کے ساتھ جنگ میں آپ نے جامِ شہادت نوش فرمایا ۔ سرگزشتِ مجاہدین ص ۱۲۳ ۔ ۱۲۸

۱۱۲ ۔ سیّد احمد شہید ص ۷۲۱

۱۱۳ ۔ منظورۃ السعداء ص ۳۴۳ ۱۱ ۔ سیّد جعفر علی نقوی ۔ مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ۔

۱۱۴ ۔ ایضاً ص ۱۱۵۹

۱۱۵ ۔ سیّد صاحبؒ کی مہر پر "اِسْمُہٗ اَحْمَدُ" اور امام صاحبؒ کی مہر پر "وَاذْکُرْ فِی الْکِتَابِ اِسْمٰعِیْلَ" کے الفاظ کندہ تھے ۔

۱۱۶ ۔ سید احمد شہید بحوالہ وقائع احمدی جلد ۳ ص ۸۳ ۔ ۸۴

۱۱۷ ۔ سید احمد شہید ص ۷۳۸

۱۱۸ ۔ آپ مولانا عبدالحی کے بچا زاد یا علاتی بھائی تھے ۔ آپ علم و تقویٰ کے اعتبار سے بہت بلند پایہ تھے نہر میں سیّد صاحبؒ کی جب ملاقات کی تو فوراً بیعت کرلی ۔ آپ مختلف فنون میں باکمال ہونے کے باعث غازیوں کی تربیت بھی فرمایا کرتے تھے پنجتار کے قریب ایک گاؤں قاسم خیل میں آپ نے لوہے ڈھالنے کا ایک کارخانہ بنایا ہوا تھا سیّد صاحبؒ کی مجلسِ شوریٰ کے بھی اہم رکن تھے تمام فنونِ حرب خصوصاً نیزہ بازی میں بڑے ماہر تھے نیزہ بازی کے کچھ پیچ آپ نے سیّد صاحبؒ سے بھی سیکھے ۔ جنگِ بالاکوٹ میں ہی جامِ شہادت نوش فرمایا لیکن شہادت کی تفصیل معلوم نہیں ہوسکی ۔ جماعتِ مجاہدین ص ۲۳۲ ، ۲۳۴ وقائع احمدی ۔

۱۱۹۔ تواریخ ہزارہ ص ۸۷

۱۲۰۔ منظورۃ السعداء ص ۱۱۹۴

۱۲۱۔ ایضاً حاشیہ ص ۱۱۹۴

۱۲۲۔ وقائعِ احمدی جلد ۳ ص ۲۰۹

۱۲۳۔ ایضاً ص ۲۲۵

۱۲۴۔ وقائع احمدی ج ۳ ص ۲۲۸

۱۲۵۔ سیّد احمد شہید ص ۷۹۱

۱۲۶۔ ایضاً ص ۷۹۱ ۔ ۷۹۲

۱۲۷۔ عارق الاشرار

۱۲۸۔ دیباچہ "مقالاتِ یوم شاہ اسمٰعیل شہید" مرتبہ عبداللہ بٹ

باب ۶

۱۔ حیات طیبّہ ص ۶۴۴ طبع سوم ۱۹۵۸ء

۲۔ حیات بعد الممات

۳۔ اتحاف النبلاء ص ۸۱

۴۔ " " ص ۴۱۷

۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۷۵۳ طبع اوّل مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور نیز ملاحظہ فرمائیے بروکلمان ج ۲ ص ۸۵۳

۶۔ حکایاتِ اولیاء ص ۹۱۔ ۹۲

۷۔ نواب محمد میر خاں بن شاہ نظام الدین قادری نقشبندی کے حالات "علم وعمل" ص ۲۹۴ ج ۱ میں ملاحظہ فرمائیے۔

۸۔ ان سوالات وجوابات کے لیے ملاحظہ فرمائیے مجلّہ اشاعت السنۃ النبویہ (لاہور) ص ۷۹ ش ۳ ج ۷ مجریہ ۱۸۸۳ء نیز تصدیر "الکمل البیان" ص ۱۲۔ ۱۳

٩۔ مولانا حافظ عزیز الدین بن سراج الدین احمد مراد آبادی ؒ ١٢٩٥ھ میں تولد ہوئے ابتدائی کتب مدرسہ شاہی و مدرسہ امدادیہ مراد آباد میں پڑھیں اور وہاں قرآن مجید بھی حفظ کیا عربی فارسی اور اردو میں اچھی مہارت رکھتے تھے توحید و سنت سے بے پناہ شغف تھا انجمن اہلحدیث و مدرسہ محمدیہ مراد آباد اور اپنے محلہ کی مسجد کے متولی و منتظم تھے علمی ذوق بہت بلند رکھتے تھے مولوی نعیم مراد آبادی کی "اطیب البیان" کے جواب میں "اکمل البیان" ایک دیوبندی حنفی کی "التحقیق الجدید" کے جواب میں "مطرق الحدید" اور علاوہ ازیں کئی دیگر بلند پایہ کتب تصنیف فرمائیں بالآخر ٨ر فروری ١٩٤٨ء (١٣٦٧ھ) کو عمر شریف کی تہتر بہاریں دیکھنے کے بعد یہ مردِ مجاہد اور عاشقِ توحید و سنت راہگرائے عالم جاودانی ہوا۔ اکمل البیان ص ٢٧ - ٣١، تراجم علمائے حدیث ہند ص ٢٣٤ - ٢٣٤ طبع دوم ١٣٩١ھ۔

١٠۔ اکمل البیان ص ١٠٨، حافظ عزیز الدین مراد آبادی ؒ مطبوعہ "المکتبۃ السلفیۃ" لاہور

١١۔ فتاویٰ رشیدیہ ص ٤٤ - ٤٦ مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی۔

١٢۔ مولانا محمد یعقوب بن مولانا محمد افضل دہلوی ؒ۔ دہلی میں ٢ر ذوالحجہ ١٢٠٠ھ میں تولد ہوئے آپ نے شرح جامی اور جلالین شاہ عبدالعزیز سے پڑھیں اور دیگر درسی کتب کی تعلیم شاہ رفیع الدین ؒ سے حاصل کی۔ آپ کو شاہ عبدالعزیز ؒ سے علم و تصوف میں سند حاصل تھی۔ فراغتِ تحصیلِ علم کے بعد مدت تک درس و تدریس میں مصروف رہے پھر برادرِ اکبر شاہ محمد اسحٰق ؒ کی معیت میں ١٢٥٨ھ کو مکہ ہجرت کر کے وہاں سکونت پذیر ہو گئے نواب صدیق حسن خاں ؒ، خواجہ احمد بن یٰسین نصیر آبادی کے علاوہ اور بھی بہت سے اہلِ علم نے آپ سے تلمذ حاصل کیا مکہ مکرمہ میں ہی ٢٧ر ذی القعدہ ١٢٨٢ھ کو راہگرائے ملکِ عدم ہو گئے ملاحظہ فرمایئے نزہۃ الخواطر ج ٧ ص ٥٣٤ - ٥٣٥، آثار الصنادید ص ٢٧٦، واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص ٢١٣

١٣۔ مولانا نصیر الدین بن نجم الدین دہلوی ؒ باپ کی طرف سے امام ناصر الدین حسینی سونی پتی ؒ کے خاندان سے متعلق تھے اور ماں کی طرف سے شیخ رفیع الدین ؒ کے نواسہ تھے دہلی میں ولادت و نشأت ہوئی، شاہ محمد اسحٰق سے تعلیم حاصل کی، انہی کی صاحبزادی سے نکاح ہوا ١٢٥٠ھ میں مجاہدین کے ساتھ ہجرت کی اور کچھ مدت سندھ میں رہے پھر مرکز ستھانہ میں تشریف لے آئے اور امیر المجاہدین

منتخب ہوئے ۱۲۵۶ھ کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔ نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۵۰۳ سرگزشت مجاہدین ص ۱۳۵ - ۲۱۰

۱۴- یک روزہ ص ۱ مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان۔

۱۵- سورۃ یٰسین آیت ۸۱

۱۶- علامہ حیدر علی ٹونکی رح دہلی میں تولد ہوئے اور بچپن میں ہی رامپور چلے گئے اور سید غلام علی اور شیخ عبدالرحمٰن قہستانی و شیخ رستم علی رامپوری سے نحو اور ادب کی کتابیں پڑھیں پھر لکھنؤ جا کر شیخ مبین بن محب اللہ اور دہلی جا کر شاہ رفیع الدین رح و شاہ عبدالعزیز رح سے علم حاصل کیا حکیم شریف بن اکمل سے طب سیکھی اور حضرت سید صاحب رح سے تصوف میں فیض حاصل کیا۔ تحصیل علم کے بعد آپ درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ نواب وزیر الدولہ والئی ٹونک نے بہت سے امور آپ کے سپرد کر دیئے تھے بہت سے لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا آپ کی تصنیفات میں "صیانۃ الاناس عن وسوسۃ الخناس" اور "رسالہ فی اثبات رفع الیدین" مشہور ہیں۔ آپ امام صاحب رح کی مدافعت میں لکھا کرتے تھے بالآخر ۷۰ برس کی عمر میں ۱۲۷۳ھ کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔ نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۱۵۳ - ۱۵۴

۱۷- مولانا سراج الدین بجنوری لکھنوی رح بہت بڑے عالم تھے آپ نے مولانا خیرآبادی رح اور مرزا محسن علی لکھنوی رح سے علم حاصل کیا فراغت کے بعد مدت دراز تک لکھنؤ میں مسند تدریس پر فائز رہے بہت سے اہل علم نے آپ سے علم حاصل کیا۔ مصنفات میں رسالہ "امکان نظیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم و امتناعہ" خاص طور پر مشہور ہے۔ نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۱۹۷۔

۱۸- مفتی صدر الدین دہلوی ۱۲۰۴ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے مولانا فضل امام رح، شیخ رفیع الدین اور شاہ محمد اسحٰق رح سے تحصیل علم کیا۔ آپ بہت سے علوم و فنون میں یگانۂ روزگار تھے ۱۲۷۳ھ میں حکومت انگریزی نے بغاوت کے جرم میں پکڑ لیا اور تمام مال و جائیداد کو چھین لیا تو آپ اپنے گھر میں محصور ہو کر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ ۲۵ طلبہ کے وظائف اور تعلیم کا بندوبست کیا کرتے تھے، شعر بھی کہتے تھے۔ "منتہی المقال فی شرح حدیث لا تشد الرحال"۔ "الدر المنضود فی حکم امرأۃ المفقود" اور بہت سے فتاویٰ آپ کی یادگار ہیں ۱۲۸۵ھ میں ۸۱ برس کی عمر میں وفات پائی۔ نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۲۲۰ - ۲۲۱، ابجد العلوم ص ۹۱۷، گلشن بے خار ص ۱۰ از نواب

مصطفیٰ خاں شیفتہ، اتحاف النبلاءؒ ص ۲۶۰، علم و عمل ص ۲۷۴ ترجمہ اردو وقائع عبد القادر خانی از محمد ایوب قادری، غدر کے چند علماء ص ۶۴ از انتظام اللہ، خم خانۂ جاوید ج ۱ از لالہ سری رام حدائق الحنفیہ ص ۴۸۱ از فقیر محمد، آثار الصنادید ص ۲۵۲ از سر سید احمد خاں

۱۹- نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۳۷۶

۲۰- مولانا فضل امام خیر آبادی خیر آباد میں پیدا ہوئے، مولانا عبد الواحد سے علم حاصل کیا فراغت کے بعد تدریس میں مصروف ہو گئے سرکارِ انگریزی کے خیر خواہ تھے فقہ و حدیث میں بہت کم معلومات رکھتے تھے۔ المرقاۃ، تلخیص الشفاء، حاشیہ میر زاہد، حاشیہ میر زاہد ملا جلال آپ کی قلمی یادگاریں ہیں ۵ ذی القعدہ سنہ ۱۲۴۳ھ میں خیر آباد میں وفات پائی۔

۲۱- بحوالہ اکمل البیان ص ۸۰۷- ۸۰۸

۲۲- ابجد العلوم ص ۹۱۶

۲۳- ملاحظہ فرمائیے باغی ہندوستان ص ۱۱۴- ۱۱۷ طبع اول سنہ ۱۹۴۷ء

۲۴- مفتی عنایت احمد بن محمد بخش کاکوروی ۹ شوال سنہ ۱۲۲۸ھ کو پیدا ہوئے سید محمد بریلویؒ، مولانا حیدر علی ٹونکیؒ، مولانا نور الاسلامؒ، شاہ محمد اسحٰقؒ اور بہت سے دیگر علماء سے تحصیلِ علم کیا۔ دو سال علی گڑھ میں منصبِ قضا پر فائز رہے پھر چار سال تک رائے بریلی میں صدر الامین رہے انگریزی حکومت نے آپ کو جزائر سیلون کی طرف جلاوطنی کی سزا دی مگر "تقویم البلدان" کا ترجمہ کرنے کی وجہ سے رہائی مل گئی، رہائی کے بعد حج بیت اللہ کے لیے گئے اور آخر کار ۱۷ شوال سنہ ۱۲۷۹ھ کو دنیا سے رخصت ہو گئے "علم الفرائض" "ملخصات الحساب"، "تصدیق المسیح"، "الکلام المبین"، "محاسن العمل"، "الدر الفرید"، "ہدایات الاضاحی" "ضمان الفردوس" اور "الاربعین من احادیث النبی الامین" آپ کی قلمی یادگاریں ہیں۔

۲۵- اکمل البیان ص ۸۱۰

۲۶- حکایاتِ اولیاء ص ۴۰۱- ۴۰۲

۲۷- "افق المبین" میر باقر داماد کی یہ فلسفہ کی انتہائی کتاب سمجھی جاتی ہے۔

۲۸- تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے "دہلی اور اس کے اطراف" ص ۱۰۹- ۱۱۰

۲۹- نزہۃ الخواطر ج ۷، ص ۱۲۲

۳۰۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے "خانوادۂ قاضی بدر الدولہ" ص ۳۹۳ از مولانا محمد یوسف کوکن عمری۔

۳۱۔ مولوی فضلِ رسول بدایونی صفر سنہ ۱۲۱۳ھ میں پیدا ہوا۔ درسی کتابیں اپنے دادا عبد المجید سے پڑھیں اور سندِ فراغت مولانا نور الدین لکھنوی سے حاصل کی۔ مولانا سیّد عبد الحی رح نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ بڑے جھگڑالو، متعصب، مناظر، سنّت کے بہت بڑے مخالف اور بدعت کے شیدائی، اہلِ حق کے دشمن اور دنیا پرستی کے دوست تھے۔ آپ سرکارِ انگریزی کے ملازم اور بعض دیسی ریاستوں کے وظیفہ خوار تھے آپ کے رشحاتِ قلم بھی انگریزی سرکار کے پریس میں چھپتے تھے۔ نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۳۷۷-۳۷۸، اکمل التاریخ (ان کی سوانح عمری مرتبہ منشی محمد یعقوب حسین بدایونی) تذکرہ علمائے ہند ص ۳۸۱۔ طبع کراچی۔

۳۲۔ مولوی احمد رضا خاں سنہ ۱۲۷۲ھ میں بانس بریلی میں پیدا ہوئے، انہوں نے نزاعی اور اختلافی مباحث میں چھوٹی بڑی کئی کتابیں لکھیں جن میں نہایت شدّت سے قدیم حنفی طریقوں کی حمایت کی وہ تمام رسوم فاتحہ خوانی، چہلم، برسی، گیارہویں، عرش، تصورِ شیخ، قیام، میلاد، استمداد از غیر اللہ مثلاً یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ وغیرہ کے قائل ہیں۔ مولوی صاحب سنہ ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء کو فوت ہوئے۔

۳۳۔ انوار آفتاب صداقت ص ۵۳۸-۵۴۰ از قاضی فضل احمد مطبوعہ لاہور سنہ ۱۹۵۱ء

۳۴۔ تاریخِ وہابیہ ص ۳۹

۳۵۔ اکمل البیان ص ۱۷

۳۶۔ سیرت سیّد احمد شہید ص ۳۵۷-۳۵۸ طبع دوم

۳۷۔ "نصیحۃ المسلمین" توحید و سنّت کی تائید میں مشہور رسالہ ہے اور اس کے مصنف پر نیچے نوٹ دیا جا چکا ہے۔

۳۸۔ سورۂ آلِ عمران آیت ۱۰۴ ترجمہ یہ ہے

اور دیکھو! ضروری ہے کہ تم میں ایک جماعت ایسی ہو جو بھلائی کی باتوں کی طرف دعوت دینے والی ہو، وہ نیکی کا حکم دے، بُرائی سے روکے اور

بلاشبہ ایسے ہی لوگ ہیں جو کامیابی حاصل کرنے والے ہیں ۔"

٣٩ ۔ بقرہ آیت ٢١٨ ترجمہ یہ ہے :—

"جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے وطن چھوڑا اور اللہ کے راستہ میں جہاد کیا یہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔

٤٠ ۔ آل عمران آیت ٧٤ ۔ ترجمہ یہ ہے :—

"اللہ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہے خاص کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے ۔"

٤١ ۔ فتاوی نذیریہ ج ١ ص ١٠٣ مطبوعہ اہلحدیث اکادمی لاہور ١٩٧١ء

٤٢ ۔ حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیے ابجد العلوم ص ٩٢٥ ، نزہۃ الخواطر ج ٧ ص ٢٠٠

٤٣ ۔ اکمل البیان ص ٩٥

٤٤ ۔ فتاویٰ نذیریہ ج ١ ص ١٠٥ ۔ ١٠٦ اہلحدیث اکادمی لاہور

٤٥ ۔ فتاویٰ رشیدیہ ص ٤١ محمد سعید اینڈ سنز کراچی

٤٦ ۔ " " " ٤٢ ۔ ٤٣

٤٧ ۔ حکایاتِ اولیاء ص ٩٢

٤٨ ۔ الجہد المقل حصہ اول ص ٢ ۔ ٤

٤٩ ۔ یعنی مولانا ندوی صاحبؒ کے برادرِ اکبر مولانا حکیم سید ابو حبیبؒ صاحب جو کہ مولانا عبد اللہ صاحب غازی پوریؒ کے شاگرد، توحید و سنت کے شیفتہ اور بڑے عابد و زاہد تھے ۔

٥٠ ۔ مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں ص ٨ ۔ ٩ مرتبہ محمد عمران خاں ندوی مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ ۔

٥١ ۔ " " " " ص ٢٩

٥٢ ۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ٧٥ از مولانا عبید اللہ سندھی مطبوعہ سندھ ساگر اکادمی لاہور

۵۳ ۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۷۵ ۔ ۷۶ از مولانا عبید اللہ سندھی مطبوعہ سندھ ساگر اکادمی لاہور ۔

۵۴ ۔ حارق الاشرار ص ۲۸ ۔ ۳۸ از جناب شیخ فتح اللہ ملحق بہ تقویت الایمان مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان ۔

۵۵ ۔ سلسلۃ العسجد ص ۱۰۹ نمبر ۵۲۵

۵۶ ۔ موجِ کوثر ص ۳۹ ۔ ایڈیشن ہشتم ۱۹۶۸ء

۵۷ ۔ تقویۃ الایمان ص ۲۹ مطبوعہ اہلحدیث اکادمی لاہور ۱۹۷۳ء

۵۸ ۔ آبِ حیات ص ۲۶ ۔ مولانا محمد حسین آزاد طبع ہفت دہم ۱۹۵۷ء

۵۹ ۔ ہندوستان میں وہابی تحریک ص ۳۶۰ مصنفہ ڈاکٹر قیام الدین احمد مترجمہ پروفیسر محمد مسلم عظیم آبادی مطبوعہ کراچی ۱۹۷۲ء ۔

۶۰ ۔ تاریخِ ادبِ اردو ص ۳۴

۶۱ ۔ مولانا محی الدین احمد قصوریؒ ۔ میاں محمود علی قصوری کے برادرِ اکبر اور مولانا عبد القادر قصوری کے صاحبزادے تھے آپ معروف دینی راہنما تھے ۔ اپنی زندگی کا بیشتر حصہ تبلیغِ اسلام میں گزارا تحریکِ پاکستان اور اس سے قبل کی کئی تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کئی کتابوں کے مصنف اور جمعیتِ دعوتِ تبلیغ کے بانی تھے مرحوم نے ۲۵ جنوری ۱۹۷۱ء بروز اتوار بوقتِ صبح انتقال فرمایا

۶۲ ۔ دیباچہ " تذکیر الاخوان "

۶۳ ۔ ترجمہ از مقدمہ صراط المستقیم

۶۴ ۔ سیرت سید احمد شہید ج ۱ ص ۳۲۴ ۔ ۳۲۵ از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی ۔

۶۵ ۔ نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۳۲۱

۶۶ ۔ " " " ص ۴۶۱

۶۷ ۔ افسوس کہ " غالب نامہ" "یادگارِ شبلی" ۔ "آبِ کوثر" ۔ "رودِ کوثر" ۔ "موجِ کوثر" ۔ "مسلم انڈیا اینڈ دی برتھ آف پاکستان" ۔ "کلچرل ہیریٹیج آف پاکستان" اور کئی دیگر کتب کے مصنف جناب شیخ محمد اکرام ایم اے ، ڈی لٹ ، اکیڈیمک ڈائریکٹر ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور ۱۷ جنوری ۱۹۷۳ء کو

انتقال فرما گئے۔ حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیے ماہنامہ "المعارف" لاہور ج ۶ شمارہ ۲-۳ فروری مارچ ۱۹۷۳ء۔

۶۸۔ موجِ کوثر ص ۲۰-۲۱

۶۹۔ عبقات ص ۳۔ مجلسِ علمی کراچی ۱۳۸۰ھ

۷۰۔ " " ۶ " " "

۷۱۔ " " ۲۲۰-۲۲۱

۷۲۔ آثار الصنادید ص ۲۷۲

۷۳۔ حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیے "حیات عبدالحی" از مولانا ابوالحسن علی ندوی، "دہلی اور اس کے اطراف" از حکیم سید عبدالحی رح

۷۴۔ نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۵۹

۷۵۔ منصبِ امامت ص ۹۸

۷۶۔ " " " ۹۶

۷۷۔ " " " ۹۷

۷۸۔ " " " ۱۱۴ مطبع فاروقی دہلی۔

۷۹۔ مشاہیر اہلِ علم کی محسن کتابیں ص ۲۹

۸۰۔ ایضاح الحق ص ۳۔ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند

۸۱۔ اتحاف النبلاء المتقین ص ۴۴

۸۲۔

۸۳۔ تنویر العینین

۸۴۔ حضرت شاہ مخصوص اللہ صاحبِ علم وفضل بزرگ تھے ساری زندگی درس وتدریس میں بسر فرمائی آخر عمر میں مسندِ تدریس کو خیرباد کہہ کر گوشہ نشین ہو گئے تھے ۱۳؍ ذی الحجہ ۱۲۷۱ھ کو وفات پائی۔ نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۴۶۸-۴۶۹ واقعات دارالحکومت دہلی حصہ دوم ص ۵۸۹، آثار الصنادید ص ۲۶۸۔

۸۵۔ حضرت امام الہند سیاست ہی میں عبقری نہ تھے، علم میں بھی کامل اور کلام کے بادشاہ تھے خطابت میں جلال و جمال کی حسین آمیزش، طرزِ نگارش والہانہ بھی اور عالمانہ بھی اس میں نقل بھی اور عقل بھی؛ ناممکن ہے کہ قلبِ سلیم اس سے اثرِ حق قبول نہ کرے آپ نے ۲۲ فروری ۱۹۵۸ء کو ۲ بجے رات کے مبارک وقت میں بمقام دہلی داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

۸۶۔

۸۷۔ اتحاف النبلاء ص ۴۳

۸۸۔ الحیات بعد الممات ص ۱۹۹ مطبوعہ کراچی ۱۹۵۹ء

باب ۷

۱۔ سورہ لقمان آیت ۱۳

۲۔ تقویۃ الایمان ص ۳۴، اہلحدیث اکادمی لاہور مطبوعہ فروری ۱۹۷۳ء

۳۔ آلِ عمران آیت ۱۲۳

۴۔ عوارف المعارف ص ۴۵

۵۔ روض الریاحین۔

۶۔ فوائد الفواد ص ۶۱

۷۔ فتوح الغیب مقالہ ۱۷

۸۔ مکتوباتِ قدوسی، مکتوب صد و پنجاہ و نہم ص ۳۱۲

۹۔ فتوحاتِ مکیہ ص ۶۰۰

۱۰۔ مکتوبات ج ۱ ص ۱۲۵

۱۱۔ تقویۃ الایمان ص ۶۷-۶۸ اہلحدیث اکادمی لاہور، ۱۹۷۳ء

۱۲۔ اطیب البیان ص ۳۴۵ مطبوعہ کراچی ۱۹۵۶ء

۱۳۔

۱۴۔ تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۳۰ طبع اوّل، مصر ۱۳۰۸ھ

۱۵۔ مکتوبات شیخ یحییٰ منیری

۱۶۔ تقویۃ الایمان ص ۱۱۰۔ ۱۱۱

۱۷۔ صحیح بخاری

۱۸۔ صحیح مسلم

۱۹۔ اطیب البیان ص ۳۳۴ طبع ششم۔ کراچی ۱۹۵۶ء

۲۰۔ تقویۃ الایمان ص ۱۱۶

۲۱۔ " " " "

۲۲۔ مثنوی سلکِ نور ص ۱۸ مطبوعہ لاہور ۱۳۴۰ھ

۲۳۔ صراط مستقیم

۲۴۔ انتباہ فی اسناد حدیثِ رسول اللہ ص ۵۸

۲۵۔ تفرید التوحید ص ۴۶

۲۶۔ اخبار الاخیار ص ۱۹۱

۲۷۔ بہارِ شریعت حصّہ سوم ص ۱۶۱

۲۸۔ " " " " ص ۱۰۵

۲۹۔ فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۶۷

۳۰۔ تحریکِ آزادیٔ فکر ص ۲۹۔ مطبوعہ ۱۶ر جون ۱۹۶۹ء

۳۱۔ اطیب البیان ص ۳۳۳ طبع ششم ۱۹۵۶ء

۳۲۔ تقویۃ الایمان ص ۲۵۔ مطبوعہ ۱۹۷۳ء لاہور

۳۳۔ " " ص ۱۱۹۔ ۱۲۰

۳۴۔ " " ص ۱۱۲

۳۵۔ مرقاۃ شرحِ مشکواۃ ج ۳ ص ۴۶۹

۳۶۔ سورۂ زمر آیت ۳۰

۳۷۔ صحیح بخاری

۳۸۔ صحیح بخاری

۳۹۔ جیسا کہ مولوی احمد رضا خاں نے ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۱۶۰

۴۰۔ اطیب البیان ص ۲۵۵

۴۱۔ ،، ،، ملاحظہ فرمائیے ۔ ۲۵۔ ۳۰۵

۴۲۔ تقویتہ الایمان ص ۶۷

۴۳۔ سورۂ یونس آیت ۱۸

۴۴۔ تفسیر کبیر ج ۴ ص ۵۵۲

۴۵۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۵۵

۴۶۔ سورۂ یونس آیت ۳

۴۷۔ سورۂ مریم آیت ۱۰۹

۴۸۔ تقویتہ الایمان ص ۷۰

۴۹۔ برکات الامداد ص ۸

۵۰۔ بہار شریعت حصہ اوّل ص ۲۲

۵۱۔ شیخ الاسلام امام محمد بن عبد الوہاب بن سلیمان ۱۱۱۵ھ میں نجد کی بستی عینیہ میں تولد ہوئے جب آپ نے دعوت و تبلیغ شروع کی تو درعیہ تشریف لے گئے اور وہاں کے امیر محمد بن سعود نے ۱۱۵۹ھ میں آپ کی اطاعت کر لی۔ امام موصوفؒ صاحبِ علم بزرگ تھے آپ کا طبعاً دینی قیادت کی طرف رجحان تھا۔ آپ کی ساری زندگی دعوت و تبلیغ اور ردِّ شرک و بدعت میں گزری۔ تصانیف میں سب سے زیادہ مشہور "کتاب التوحید" ہے۔ جس طرح ہندوستان کے "خوش فہموں" میں امام محمد اسمٰعیل شہیدؒ کی "تقویتہ الایمان" بدنام ہے اسی طرح عرب و عجم کے اکثر "خوش عقیدہ" لوگوں میں کتاب التوحید بھی مستحسن نگاہوں سے نہیں دیکھی جاتی اس کتاب کی کئی شروحات لکھی گئی ہیں علاوہ ازیں (۲) کتاب الشبہات من التوحید (۳) الاصول الثلاثۃ و ادلتھا (۴) شروط الصلاۃ و ارکانھا (۵) اربع قواعد (۶) اصول الایمان (۷) کتاب فضل الاسلام (۸) کتاب الکبائر (۹) نصیحۃ المسلمین (۱۰) ستۃ مواضع من السیرۃ (۱۱) تفسیر الفاتحہ (۱۲) مسائل الجاہلیۃ (۱۳) تفسیر الشہادۃ (۱۴) تفسیر علی بعض سور القرآن (۱۵)

کتاب السیرۃ اور (۶۱) الہدی النبوی وغیرہ آپ کی قلمی یادگاریں ہیں۔ تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ فرمایئے۔ محمد بن عبد الوہاب۔ ایک مظلوم اور بدنام مصلح ۔۔۔ از مولانا مسعود عالم ندویؒ ۔ طارق اکیڈمی فیصل آباد۔

۵۲۔ ہندوستان میں وہابی تحریک ص ۵۳

۵۳۔ " " " " "

۵۴۔ مولوی فضل رسول بدایونی سرکارِ انگریزی کے ملازم اور بعض دیسی ریاستوں کے وظیفہ خوار تھے ملاحظہ ہو ان کی سوانح عمری اکمل التاریخ حصہ دوم ص ۳۷۲، ۳۸۰، ۵۱۲ مرتبہ منشی محمد یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی، آپ کی کتابیں بھی سرکارِ انگریزی کے پریس میں چھپتی تھیں۔ حوالہ مذکور نیز ملاحظہ فرمایئے تذکرہ علمائے ہند اردو ص ۳۸۱، طبع کراچی، اسی طرح مولوی احمد رضا خاں کے پردادا کاظم علی خاں بھی انگریزوں کے خصوصی آدمی تھے انگریزوں نے انہیں بدایوں کی تحصیل داری عنایت کر رکھی تھی۔ انگریزوں سے ان کے تعلقات کا اندازہ اس سے لگایئے کہ سلطنتِ مغلیہ اور انگریزوں کے مناقشات کے تصفیہ کے لیے انہوں نے بڑی جدوجہد کی اسی مقصد کے لیے کلکتہ بھی گئے ملاحظہ فرمایئے "حیات اعلیٰ حضرت" ج ۱ ص ۳

۵۵۔ ہندوستان میں وہابی تحریک (اردو) ص ۵۷

۵۶۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۱۹۸ مطبوعہ سندھ ساگر اکادمی لاہور ۱۹۵۲ء

۵۷۔ الحطۃ بذکر الصحاح الستۃ ۔

۵۸۔ اطیب البیان ص ۵ مطبوعہ کراچی ۱۹۵۶ء

۵۹۔ مکاتیبِ سید صاحبؒ ص ۱۸ بحوالہ سید احمد شہید

۶۰۔ مکتوباتِ سید احمد شہید ص ۱۶۴ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۹ء

۶۱۔ " " " " ص ۱۷۲

باب ۸

۱۔ دیباچہ عبقات ص ۳

۲۔ اتحاف النبلاء ص ۴۱۷
۳۔ سید احمد شہید ص
۴۔ تنبیہ الضالین قلمی بحوالہ جماعتِ مجاہدین ص ۱۲۶
۵۔ آثار الصنادید ص ۲۷۲
۶۔ ” ” ” ”
۷۔ ارواحِ ثلاثہ ص ۱۰۹
۸۔ الحیات بعد الممات ص ۱۹۷
۹۔ سید احمد شہید ص
۱۰۔ حکایاتِ اولیاء ص ۷۷
۱۱۔ حکایاتِ اولیاء ص ۷۴
۱۲۔ وصایا الوزیر ج ۲ ص ۱۰۹
۱۳۔ حیات سید احمد شہید ص ۳۱۱
۱۴۔ دیباچہ عبقات از مولانا بنوری ص ۲

باب ۹

۱۔ الحیات بعد الممات ص ۴۹
۲۔ ” ” ” ” ۱۹۷ مطبوعہ کراچی
۳۔ علم وعمل (اردو ترجمہ وقائع عبد القادر خانی از جناب محمد ایوب صاحب قادری ایم اے) ج ۲ ص ۲۳۳
۴۔ مکتوبات ص ۲۳
۵۔ آثار الصنادید ص ۲۷۱ - ۲۷۴
۶۔ تذکرہ ص ۲۴۴ - ۲۴۶ طبع سنہ ۱۹۶۷ء
۷۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی ج ۲ ص ۱۹۵

مراجع و مآخذ

۱۔ آب حیات ؛ مولانا محمد حسین آزادؒ، طبع ہفت دہم ۱۹۵۷ء
۲۔ ابجد العلوم ؛ حضرت نواب سید صدیق حسن خانؒ، مطبع صدیقی بھوپال، ۱۲۹۶ھ
۳۔ اتحاف النبلاء المتقین، باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین ؛ حضرت نواب سید صدیق حسن خانؒ، مطبع نظامی کانپور، ۱۸۷۱ء
۴۔ آثار الصنادید ؛ سرسید احمد خاں، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی، ۱۹۶۶ء
۵۔ اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ ؛ طبع اوّل، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
۶۔ اشاعت السنۃ النبویۃ ؛ ش ۳، ج ۷، مجریہ ۱۸۸۴ء
۷۔ اکمل البیان ؛ حافظ عزیز الدین مرادآبادیؒ، المکتبۃ السلفیۃ لاہور
۸۔ اکمل التاریخ ؛ مولوی محمد یعقوب ضیاء قادری، عثمانی پریس بدایوں، ۱۹۱۶ء
۹۔ التاج المکلل ؛ حضرت نواب سید صدیق حسن خانؒ
۱۰۔ الحیات بعد الممات ؛ قاضی فضل حسین، کراچی
۱۱۔ العلم الخفاق من علم الاشتقاق ؛ حضرت نواب سید صدیق حسن خانؒ
۱۲۔ المعارف ؛ (ماہنامہ، لاہور) ج ۶، ش ۲، مجریہ ۳؍ مارچ ۱۹۷۳ء
۱۳۔ الیانع الجنی ؛ شیخ محسن بن یحییٰ ترہتیؒ، جید برقی پریس دہلی، ۱۳۴۹ھ
۱۴۔ انوارِ آفتاب صداقت ؛ قاضی فضل احمد، لاہور، ۱۹۵۱ء
۱۵۔ ایضاح الحق الصریح فی احکام المیّت والفریح ؛ حضرت امام محمد اسماعیل شہیدؒ، کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند
۱۶۔ باغی ہندوستان ؛ مولانا محمد عبد الشاہد شروانی، مدینہ پریس بجنور، ۱۹۴۷ء
۱۷۔ پاکستان میں فارسی ادب ؛ ڈاکٹر ظہور الدین احمد

۱۸- تاریخ ادب اردو، رام بابو سکسینہ، ترجمہ مرزا محمد عسکری، عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور

۱۹- تاریخ دہلی :

۲۰- تاریخ ہندوستان، مولانا ذکاء اللہ دہلوی، شمس المطابع دہلی، ۱۸۹۹ء

۲۱- تحریک آزادی فکر، حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی، ۱۹ رجبلن، ۱۹۶۹ء

۲۲- تذکرہ، امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد، ۱۹۶۶ء

۲۳- تذکرہ ادبائے ہند و پاکستان (اردو ترجمہ) | مرزا محمد اختر دہلوی
سیٹھ آدم جی عبداللہ پبلشرز ابجی والے، لاہور

۲۴- تذکرہ شاہ ولی اللہ، مولانا مناظر احسن گیلانی، [illegible] پریس - ۱۹۴۶ء

۲۵- تذکرۃ الشعراء، دولت شاہ سمرقندی، مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڑھ

۲۶- تذکرہ صادقہ، مولانا عبدالرحیم صادق پوری، ... آزاد پریس پٹنہ ۱۳۴۴ھ

۲۷- تذکرہ صوفیائے سرحد، مولانا اعجاز الحق قدوسی

۲۸- تذکرہ علمائے ہند، رحمان علی، ترجمہ پروفیسر محمد ایوب قادری، کراچی ۱۹۶۱ء

۲۹- تراجم علمائے حدیث ہند، مولانا ابو یحییٰ امام خان نوشہروی، جید برقی پریس دہلی ۱۳۵۶ھ

۳۰- تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی، طبع اول مصر ۱۳۲۵ھ

۳۱- تقویۃ الایمان، حضرت امام محمد اسمٰعیل شہید، اہل حدیث اکادمی لاہور، ۱۹۷۳ء

۳۲- تنویر العینین، " " " " المکتبۃ السلفیہ، لاہور

۳۳- جماعت مجاہدین، مولانا غلام رسول مہر، علمی پرنٹنگ پریس لاہور، ۱۹۵۵ء

۳۴- حمایت الاخوان، شیخ فتح اللہ، رد تقویۃ الایمان، مطبوعہ در کتب خانہ ملت

۳۵- ماہنامہ قلمی، مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور

۳۶- حدائق الحنفیہ، فقیر محمد جہلمی، نول کشور، لکھنؤ ۱۹۰۶ء

۳۷- حکایات زریں از مجموعہ امیر الروایات، لاہور [illegible]

۳۸- حیات سید احمد شہید، مولانا محمد جعفر تھانیسری، نفیس اکیڈمی، کراچی

۳۹- حیات طیبہ، مرزا حیرت دہلوی، اسلامی پبلشنگ کمپنی، لاہور

۴۰۔ حیات عبدالحیؒ ؛ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی،

۴۱۔ حیاتِ ولی، شیخ رحیم بخش دہلوی، افضل المطابع دہلی

۴۲۔ خانوادۂ قاضی بدرالدولہ ؛ مولانا محمد یوسف کوکن عمری

۴۳۔ خم خانہ جاوید : لالہ سری رام، دہلی ۱۹۱۷ء

۴۴۔ دہلی اور اس کے اطراف، مولانا حکیم سید عبدالحیؒ، ندوۃ العلماء لکھنؤ، جون ۱۹۵۸ء

۴۵۔ رحیق، (ماہنامہ) لاہور، مجریہ نومبر ۱۹۵۷ء

۴۶۔ رودکوثر، ڈاکٹر شیخ محمد اکرام، لاہور، ۱۹۵۸ء

۴۷۔ سرگذشتِ مجاہدین ؛ مولانا غلام رسول مہر

۴۸۔ سلسلۃ العسجد ؛ حضرت نواب صدیق حسن خاںؒ

۴۹۔ سلیم التواریخ، صوفی اکبر علی، جالندھر ۱۹۱۹ء

۵۰۔ سید احمد شہیدؒ، مولانا غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

۵۱۔ سیرت سید احمد شہیدؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

۵۲۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک: مولانا عبیداللہ سندھی، سندھ ساگر اکادمی لاہور، ۱۹۵۲ء

۵۳۔ صحیح بخاری : امام محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ

۵۴۔ صحیح مسلم : امام مسلمؒ

۵۵۔ عبقات، حضرت امام محمد اسمٰعیل شہیدؒ، مجلس علمی کراچی، ۱۹۸۰ء

۵۶۔ علم وعمل (وقائع عبدالقادر خانی) ترجمہ مولوی معین الدین افضل گڑھی، اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ کراچی

۵۷۔ علماء ہند کا شاندار ماضی:

۵۸۔ عوارف المعارف:

۵۹۔ غدر کے چند علماء : انتظام اللہ

۶۰۔ فتاویٰ رشیدیہ ؛ مولانا رشید احمد گنگوہی، محمد سعید اینڈ سنز کراچی

۶۱۔ فتاویٰ عزیزی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ، مطبوعہ مجتبائی

۶۲۔ فتاویٰ نذیریہ، شیخ الکل، حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ، اہل حدیث اکادمی لاہور ۱۹۵۱ء

۶۳۔ فتوح الغیب ، حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

۶۴۔ فتوحات مکیہ ، شیخ ابن عربیؒ

۶۵۔ فوائد الفواد (ملفوظات حضرت نظام الدین اولیاءؒ) امیر حسن سجزی، نول کشور پریس لکھنؤ

۶۶۔ کالا پانی ، مولانا محمد جعفر تھانیسریؒ، ترتیب محمد سرور طارق، طارق اکیڈمی فیصل آباد

۶۷۔ کلام شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ، ترتیب محمد خالد سیف ، طارق اکیڈمی فیصل آباد

۶۸۔ لائیڈن انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ، طبع اول (ڈاکٹر محمد شفیع کا مقالہ)

۶۹۔ مثنوی سلک نور ، حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ ، مطبوعہ لاہور ۱۳۴۰ھ

۷۰۔ محمد بن عبدالوہاب ، ایک مظلوم اور بدنام مصلح ، مولانا مسعود عالم ندوی ، طارق اکیڈمی فیصل آ

۷۱۔ مخزن احمدی ، (قلمی نسخہ مملوکہ لائبریری آف پنجاب یونیورسٹی) لاہور

۷۲۔ مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں ، مرتبہ محمد عمران خان ندوی ، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ

۷۳۔ مکاتیب شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

۷۴۔ مکاتیب شبلیؒ

۷۵۔ مکتوبات سید احمد شہیدؒ ، نفیس اکیڈمی کراچی

۷۶۔ منصب امامت : حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ ، آئینہ ادب ۔ لاہور

۷۷۔ منظورۃ السعداء ، سید جعفر علی نقویؒ ، مملوکہ لائبریری آف پنجاب یونیورسٹی لاہور

۷۸۔ نزہۃ الخواطر ، مولانا حکیم سید عبدالحیؒ

۷۹۔ واقعات دار الحکومت دہلی ، مولوی بشیر الدین احمد ، شمس پریس آگرہ ۱۹۱۹ء

۸۰۔ وصایا الوزیر

۸۱۔ ہمارے ہندوستانی مسلمان ڈاکٹر ہنٹر کی OUR INDIAN MUSLAMANS کا اردو ترجمہ

۸۲۔ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک : مولانا مسعود عالم ندویؒ

۸۳۔ ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات ، مولانا ابو یحییٰ امام خان نوشہروی ، مکتبہ نذیریہ ۔ لاہور

۸۴۔ ہندوستان میں وہابی تحریک ، ڈاکٹر قیام الدین احمد ، مترجم پروفیسر محمد مسلم عظیم آبادی ، نفیس اکیڈمی کراچی

۸۵۔ یک روزہ ، حضرت امام محمد اسمٰعیل شہیدؒ ، فاروقی کتب خانہ ملتان

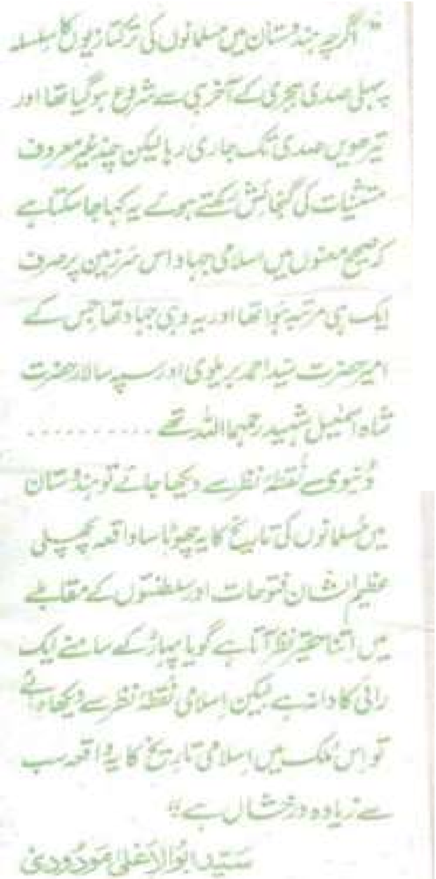

"اگرچہ ہندوستان میں مسلمانوں کی ترکتازیوں کا سلسلہ پہلی صدی ہجری کے آخر ہی سے شروع ہو گیا تھا اور تیرھویں صدی تک جاری رہا لیکن چند غیر معروف مستثنیات کی گنجائش رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ صحیح معنوں میں اسلامی جہاد اس سرزمین پر صرف ایک ہی مرتبہ ہوا تھا اور یہ وہی جہاد تھا جس کے امیر حضرت سید احمد بریلوی اور سپہ سالار حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمہما اللہ تھے ....

دنیوی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ہندوستان میں مسلمانوں کی تاریخ کا یہ چھوٹا سا واقعہ پچھلی عظیم الشان فتوحات اور سلطنتوں کے مقابلے میں اتنا حقیر نظر آتا ہے گویا پہاڑ کے سامنے ایک رائی کا دانہ ہے، لیکن اسلامی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اس ملک میں اسلامی تاریخ کا یہ واقعہ سب سے زیادہ درخشاں ہے۔"

سید ابوالاعلیٰ مودودی

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

○

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

اقبالؔ